مقتلِ مجلسی

جلد اوّل

اعلم العلماء والمجتہدین رئیس المتکلمین والمحدثین

مورخِ آلِ محمدؐ آقائے حاج علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ

مقتلِ مجلسی (جلد اوّل)

تالیف

اعلم العلماء والمجتہدین رئیس المتکلمین والمحدثین

علامہ محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ الطاف حسین کلاچی

نظر ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

— ناشر —

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 35425372

نام کتاب : مقتلِ مجلسی (جلد اوّل)

تالیف : علامہ محمد باقر مجلسیؒ

ترجمہ : علامہ الطاف حسین کلاچی

نظرِ ثانی : علامہ ریاض حسین جعفری

پروف ریڈنگ : شیر محمد عابد مولائی، اسد علی ڈار

فنی معاونت : زہرا بتول جعفری، محدثہ بتول جعفری

تزئین : معصومہ بتول ایم۔اے، محمد عمران حیدر

اشاعت : نومبر 2012ء

ہدیہ : 500 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ مِنہَاجُ الصَّالِحِین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔غزنی سٹریٹ۔اُردو بازار۔لاہور

فون: 042-7225252 ، 0301-4575120

بسم الله الرحمن الرحيم

ترتیب

●●●

عرضِ ناشر

الحمد لله الذی انعم علی العباد بالعلوم الکافیه فی السدود المحتاج الیها فی الرشاد ونصب السفراء الامجاد المرشدین الی معرفة المبداء والمعاد ثم اقام مقامهم القوام الذین بهم تم السناد وبهم ائتلفت الفرقة بین الامة ورفع الشقاق والعناد وبینوا احکام الشرع بالمتواتر والاحاد ثم بعد غروب الشموس سماء الرسالة واختفا بدور بروج الولایة عین العلماء للارشاد وجعل مؤدتهم والنظر الی وجوههم ومتابعتهم وسیلة النجاة یوم التناد والصلوة والسلام علی خاتم السفرة الکرام البررة قاصم الکفرة واللداد الموحی الیه بکتاب هو لکل قوم هاد الهادی الی سبیل الی سبیل الانقیاد وآله لاکملین الاشرفین الافضلین الاطهرین الامجاد

مومنین واجب الاحترام! واضح ہو کہ قولِ معصومؑ کے مطابق انسانوں کے تین گروہ ہیں:

ایک علما کا، ایک طالبانِ علم کا اور ایک خس و خاشاک کا۔ گروہِ اوّل کے حقیقی مصداق پیغمبرانِ ماسلف اور چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ گروہِ دوم میں وہ لوگ شامل ہیں جنھیں مجازاً علما قرار دیا جاتا ہے، یہ وہ طالبانِ علم ہیں جو معصومینؑ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور مسلسل آگے بڑھنے والے ہیں اور خس و خاشاک میں غالباً وہ لوگ شامل ہیں جو تھوڑی بہت معلومات حاصل کر لینے کے بعد اپنی منفی صلاحیتوں سے بنی نوعِ انسان کو نقصان پہنچانے میں مصروف رہتے ہیں۔

الحمد للہ! ہمارے ممدوح ہمیشہ حقیقی علمائے ربانی رہے ہیں۔ وہی اہل الذکر ہیں اور نہ جاننے والوں کو اُنھی سے پوچھنے اور سوال کرنے کا حکم ہے۔ زہے نصیب کہ ہم چہاردہ معصومینؑ کے پیرو اور مُطیع ہیں جو سب کے سب علمِ لدنی کے حامل اور دعوائے سلونی میں کامل تھے۔ بقول کسے:

ہو علم کہ تقویٰ کہ عبادت کہ شجاعت
اِک وصف میں چودہؑ کے برابر نہیں کوئی

لاریب یہ عظیم ہستیاں منصوص من اللہ، حج خدا اور محفوظ عن الخطا تھیں۔ ان ہستیوں کے ماننے والے، ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور ان کے مکتب کی ترویج کرنے والے علمائے تشیع بھی ہر عہد اور ہر دور میں بے عدیل و بے مثیل رہے ہیں۔ انھی علمائے کرام میں سے ایک عالم علیم، قلزم علم، دوسرے علامہ، عظیم فاضل، تمام علوم کے جامع، عرب وعجم کے مقتدا ملا محمد تقی ولد مقصود علی مجلسی تھے۔ وہ اپنی تحریروں میں خود کو محمد تقی بن مجلسی کہتے تھے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ اُن کے والد بطور شاعر مجلسی کا تخلص فرماتے تھے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اصفہان کے دیہات میں سے ایک گاؤں سے منسوب ہونے کے سبب سے مجلسی کہلائے اور بعض کا خیال ہے کہ آپ کا قصیدہ امام زمانؑ کی مجلس میں پیش کیا گیا لیکن یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچی۔

ملا احمد نراقی نے آپ کو محدث لکھا ہے لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ آپ تو علامۂ اجل تھے کہ خود ملا احمد نراقی کا آپ کی جامعیت سے مقابلہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نہر کا بحر سے اور یا قطرے کا قلزم سے۔ آپ علوم کا خزانہ تھے۔ جس موضوع کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے خزینۂ علم اُن کے چاروں طرف بکھرا پڑا ہوتا اور ہر طرف آپ کا ہاتھ آسانی سے پہنچ جاتا۔ ہمیں یہاں موصوف کی ۱۱۰ جلدوں پر مشتمل کامل بحارالانوار کا جائزہ لینا ہے نہ چھبیسویں جلد مراۃ العقول کا۔ بس اُن کی اولین کتاب ''حق الیقین'' کی مختصری پُرکیف کرامت کا ذکر کرنے کے بعد آتے ہیں مقتلِ مجلسی کی طرف۔

آپ کی یہ کتاب (حق الیقین) چھپی اور شام کے علاقے میں پہنچی تو شامات (اُردن، شام، عراق) کے اطراف میں اس کا چرچا ہوا تو ۷۰ ہزار سُنّیوں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا۔ آپ کی کرامات اور واقعات تو بے شمار ہیں لیکن یہ اُن کے بیان کا موقع نہیں۔ اب ہم آتے ہیں اپنے موقف اور خصوصی موضوع کی طرف۔

سید نعمت اللہ جزائری انوار النعمانیہ میں رقم طراز ہیں:

''آخوند ملا محمد باقر مجلسی نے اپنے مومن بھائیوں سے خواہش ظاہر کی کہ ان کے کفن پر خاکِ کربلا سے یہ لکھیں، ان کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ فلاں بن فلاں گواہ یہ لکھتا ہے......''

گویا وقتِ آخر بھی آپ کو اپنے ایمان کی تحریر خاکِ کربلا سے مقصود تھی۔ آپ کی تحریر کردہ بحارالانوار کی جلد دہم آپ کی مقتل پر عمیق تحقیق اور مصائب سیدالشہداؑ کی بہترین تصدیق ہے۔ علامہ مجلسیؒ کا کہنا ہے کہ یہ چند ابواب ہیں جو حضرت امام حسینؑ بن علی علیہ السلام کی نذر کرتا ہوں۔ ان ابواب کی

تفصیل کچھ یوں ہے:

① امام حسینؑ کی امامت کی نص و تصریح۔

② امامؑ عالی مقام کے معجزاتِ باہرہ اور آیاتِ ظاہرہ سے نمونہ از خروارے۔

③ امام الشہداءؑ کے مکارمِ اخلاق اور تاریخ ہائے ولادت وشہادت۔

④ امیر شام اور اُس کے دوستوں سے امام علیہ السلام کا احتجاج۔

⑤ اُن آیات کا تذکرہ جن کی تاویل امامؑ کے حق میں ہے اور آپؑ کی خون خواہی کا بیان لیے ہوئے ہیں۔

⑥ شہادتِ امام حسینؑ اور عوضِ خداوند متعال۔

⑦ امامؑ کی شہادت کے بارے میں اخبار پروردگار۔

⑧ واقعۂ عاشورہ کے بارے میں رسولِ خدا، امیر المومنینؑ اور امام حسینؑ کے اخبار واحادیث۔

⑨ آں حضرتؑ کی مصیبت کی عظمت اور آپؑ کے شہید نہ ہونے کے اعتقاد کی تردید۔

⑩ اولیائے الٰہی کی ابتلا کے علل و اسباب۔

⑪ امام حسینؑ اور دیگر آئمہ اطہارؑ کے مصائب پر گریہ کرنے کا ثواب۔

⑫ امامؑ عالی مقامؑ کے اصحاب کے فضائل اور عظمت۔

⑬ قاتلانِ حسینؑ کی جگہ اور اُن لعینوں پر لعنت کا اجر و ثواب۔

⑭ امامؑ عالی مقامؑ، آپؑ کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے مصائب کا بیان۔

① فصل اوّل: مقتلِ بحار الانوار کے مصادر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق تاریخ کربلا۔

② فصل دوم: امام علیہ السلام کی مدینہ سے مکّہ کی طرف روانگی۔

③ فصل سوم: حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی مکّہ سے کوفہ کی جانب حرکت۔

④ فصل چہارم: امام حسینؑ کی مکّہ سے عراق کی طرف حرکت (سفر)۔

⑤ فصل پنجم: ابن زیاد بدنہاد کی کربلا کی طرف حرکت اور امامِ عالی مقام کے احتجاجات کا بیان۔

⑥ فصل ششم: امام علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کی کیفیتِ قتال۔

⑦ کیفیتِ قتال وشہادتِ امام حسین علیہ السلام

آپ نے کتاب ہذا کے ابواب و فصول ملاحظہ فرمائے۔ ہمارے خیال میں یہ ایسا ضخیم و قدیم مقتل ہے جس کی موجودگی میں کسی اور مقتل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

خداوند قدوس کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہمیں مقتلِ مجلسی رمقتلِ بحار کا ترجمہ کروانے کی سعادت عطا فرمائی۔ ہمارے ترجمے کی بنیاد آیت اللہ ہشت رودی تبریزی کے فارسی ترجمہ پر ہے۔ جس کی بازنویسی علی اکبر زنج بران تہرانی نے کی ہے اور نام اس کا محن الابرار ہے۔ اُردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت محقق وحید جناب حجۃ الاسلام علامہ الطاف حُسین کلاچی نے حاصل کی ہے۔ آپ کہنہ مشق مؤلف و مترجم ہیں۔ آپ دلجمعی سے ترجمہ کرتے ہیں۔ آپ شبانہ روز کتبِ آلِ اطہارؑ کی ترویج و تبلیغ کرنے میں معروف ہیں۔ فی الحال ہمارے زیرِ کار مقتلِ علامہ مجلسیؒ کی پہلی جلد ہے۔

خداوندِ قدوس کے حضور دست بہ دُعا ہیں کہ اس کارِ خیر کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہِ عظیمہ سے وسائل و حالات میسر فرمائے۔ بحمدللہ! زندگی کی کوئی خواہش و حسرت ہے تو صرف اور صرف علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ترویج و اشاعت اور آخرت میں انہی ہستیوں کے سایۂ رحمت اور جوارِ عصمت میں جگہ پانا مطمحِ نظر اور مقصدِ حیات ہے۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دُعا!

ریاض حسین جعفری (فاضلِ قم)

سرپرست ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

محن الابرار

ترجمہ وشرح مقتلِ بحارالانوار

آخوند ملا محمد باقر مجلسیؒ المعروف علامہ مجلسیؒ (علامۂ ثانی) ۱۱۱۱ھ (بعض کے مطابق ۱۱۱۰ھ) میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے، لہٰذا تاریخ وفات کا انطباق حزن و ملال کے اعداد پر ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد رشید سید نعمت اللہ جزائری رقم طراز ہیں:

"علامہ یادِ خدا سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے اور آپ کے تمام اعمال، تاحیات قُربۃً اِلَی اللہ کے قصد سے انجام پاتے رہے"۔

علامہ مجلسیؒ کی مختلف اسلامی علوم میں خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ فقاہت و اجتہاد کے آسمان جہاں گیر پر مثلِ آفتابِ عالم تاب درخشاں تھے۔ علاوہ ازیں عقلی علوم مثلاً فلسفہ، منطق، ریاضیات، ادبیات، لُغت، جغرافیہ، طب، نجوم اور علومِ غریبہ میں بھی ممتاز علمی مقام اور بے نظیر شخصیت کے حامل تھے۔

علامہ موصوف ریزبینی اور نکتہ سنجی میں بھی یدِطولیٰ رکھتے تھے اور روایاتِ اہلِ بیتؑ میں تبحرِ علمی کے حامل تھے حتیٰ کہ سیر وسلوک، مدارج معنوی اور کمالاتِ روحی میں "عالم ربانی" کی اصطلاح کے حقیقی حق دار تھے۔

علامہ مجلسی یادِ خدا، زیارت آئمہ ہدیٰ، توسّل بہ آلِ عباؑ، زہدِ پارسا اور تواضعِ بے ریا میں کامل تر تھے۔ آپ اصولی و اخباری کے مابین معتدل علمی مسلک رکھتے تھے، لہٰذا محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی علوم پر بھی خاص توجہ فرماتے تھے۔ آپ کی علمی عظمت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے دور میں شیخ الاسلام کے عظیم منصب پر فائز رہے اور اپنی ۷۳ سالہ عمر عزیز میں یک صد سے زیادہ عربی فارسی کتب جن میں سے صرف ایک کتاب بحارالانوار کی ۱۱۰ ضخیم جلدیں ہیں، جب کہ مراۃ العقول ۲۶ جلدوں

پر مشتمل ہے۔ مزید ۴۰ کتابیں ایسی بھی ہیں جو آپ کے نام نامی سے منسوب کی جاتی ہیں۔ علامہ موصوف کی اوّلین کتاب "الاوزان والقادیر" یا "میزان القادیر" ہے، جب کہ آخری کتاب "حق الیقین" ہے۔

بحارالانوار علومِ اسلامی کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب محن الابرار اس کی دسویں جلد کا فارسی ترجمہ ہے جس کے مترجم آیت اللہ شیخ حسن بن عبداللہ بن علی ہشت رودی تبریزی ہیں۔ ترجمے میں مترجم کی روش یہ رہی کہ جہاں کہیں متن میں کوئی اشکال نظر آیا ہے یا توضیح کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو مترجم نے "مترجم می گوید" لکھ کر موضوع کی وضاحت فرمائی ہے۔ بعدازاں جب اس ترجمے کی بازنویسی جناب علی اکبر زنج بران تہرانی نے کی تو تصحیح و تنظیم کے دوران میں نوشتۂ مترجم کو تاحدِ امکان برقرار رکھا۔

مقدمات کے علاوہ کتاب ہذا کے چودہ ابواب ہیں اور آخری باب سات طویل فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح کُل کتاب ۱۰۸۴ صفحات کو محیط ہے (فہرستِ منابع اس کے علاوہ ہے)۔ مصنف (علامہ مجلسیؒ) رقم طراز ہیں: "یہ چند ابواب ہیں جو حضرت امام حسینؑ ابن علی علیہ السلام کی تاریخ سے مختص ہیں"۔

اور مترجم تحریر کرتے ہیں: "عجیب بات تو یہ ہے کہ کچھ اربابِ مقاتل اپنے خواب کی بنیاد پر مطالب نقل کرتے ہیں اور پھر اپنے مرثیوں (اس سے تحت اللفظ پڑھا جانے والا اُردو شاہ کار مرثیہ ہرگز مراد نہیں) کی بنیاد غنا کے جواز پر رکھتے ہیں، حالاں کہ تلاوتِ قرآن، دُعا اور مراثی میں غنا کی حُرمت میں کوئی اشکال نہیں بلکہ ان اُمور میں غنا اطاعتِ خداوندی میں معصیت (گناہ) کے ساتھ ساتھ قرآن، دُعا اور مراثی کے استخفاف و اہانت کے بھی مترادف ہے (جس کا گناہ دوچند ہے)"۔ (بمطابق فتاویٰ شیخ بزرگ وار مرتضیٰ الانصاری)

مجلسیِ پاکستان علامہ ریاض حسین جعفری دامت برکاتہٗ (جنھیں حال میں شیعانِ پاکستان کی طرف سے اُن کی علمی و اشاعتی خدمات کے صلے میں مجلسیِ ثانی کا خطاب ملا ہے) نے تقریظ تحریر کرنے کے لیے فارسی نسخہ ہی بھجوایا ہے، اُردو ترجمہ (جو کمپوز ہو رہا ہے) نہیں بھجوایا ورنہ اس کے حُسن و قبح پر بھی بات کی جاسکتی تھی اور بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا تھا۔ بالفعل اس تقریظ کا اختتام سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے رسولِ گرامی اسلام کے اس خطاب پر کیا جاتا ہے:

"اے میری دُخترِ عزیز!

میرے دوستوں کا ایک گروہ میرے فرزند (حُسینؑ) کی شہادت کے بعد اُس کی قبر (روضۂ مطہر) کی زیارت کے لیے آئے گا کہ تمام روئے زمین پر ان سے

زیادہ معرفت خدا میں دانا تر اور میرے اور میرے اہل بیتؑ کے حق میں مراعات کنندہ کوئی نہ ہوگا۔ روئے زمین پر ان سے زیادہ کوئی میرے بیٹے حسینؑ کی زیارت کی طرف التفات و توجہ نہیں کرے گا۔ یہ لوگ جور و ضلالت کی تاریکی میں راہِ ہدایت کے چراغ ہیں اور روزِ قیامت گناہ گاروں کے شفیع ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے (صفحہ ۳۰۳ و پس ورق کتاب ہذا)۔

یقیناً یہ کتاب مقتل معتبر ترین مقتل ہے جس سے علمائے کرام، ذاکرین عظام اور صاحبانِ مطالعہ خوب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور مظلوم امامؑ کے مستند مصائب بیان کر کے اپنی دُنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

مظہر عباس چودھری

۲۰ راکتوبر ۲۰۱۲ء

مقدمہ

کتاب شریف بحارالانوار اور اس کے عظیم الشان مولف کے حالاتِ زندگی پر ایک نظر کہ آپ کا اسمِ گرامی علامہ محمد باقر بن محمد تقیؒ ہے۔

علامہ محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی مجلسی معروف علامہ مجلسی ثانی ۱۰۳۷ھ میں شہر اصفہان میں پیدا ہوئے۔

خاندان

علامہ مجلسی کا خاندان دنیائے شیعیت کا ایک مشہور ترین اور پرافتخار خاندان ہے۔ اس خاندان کے ایک سو تبحر عالم گزرے ہیں یعنی علامہ کا خاندان علم و فضل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ہم ان میں سے کچھ بزرگواروں کے اسما اور ان کے آثار منصۂ شہود پر لاتے ہیں۔

علامہ کے دادا بزرگوار

آپ کے دادا بزرگوار حافظ ابونعیم اصفہانی بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ تاریخ اصفہان اور حلیۃ الاولیاء ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

پدرِ بزرگوار

آقائے محمد تقی مجلسی یعنی مجلسی اول (۱۰۰۳-۱۰۷۰ھ) صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ آپ معنوی مقامات رکھتے تھے۔ آپ ایک بہت بڑے محدث اور فقیہہ تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ علامہ محمد تقی مجلسی، آپ علامہ شیخ بہائی اور میرداماد کے شاگرد تھے۔ آپ کو مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا۔ آپ اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھے۔ آپ اصفہان کے امامِ جمعہ بھی تھے۔

حضرت علامہ مجلسی نے اپنے والدگرامی مجلسی اوّل سے بے پناہ فیض حاصل کیا۔

برادرانِ علامہ مجلسی

علامہ کے دو بھائی تھے۔ وہ نہایت ہی متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ملا عزیز اللہ ہے اور دوسرے کا نام ملا عبداللہ۔ یہ دونوں تبلیغ کے لیے ہندوستان تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

خاندانِ علامہ

علامہ کے خاندان کو نہ صرف علم و فضل میں شہرت حاصل تھی، بلکہ آپ کا خاندان پورے معاشرے پر چھایا ہوا تھا۔ جہاں ان کے مردوں کے کارنامے ہیں وہاں ان کی خواتین نے بھی مردوں کے قدم بہ قدم رہ کر یہ علمی کارنامے سرانجام دیے۔ علامہ کی چار بہنیں تھیں۔ وہ سب کی سب علم و فضل میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ اُنھوں نے بھی تحقیقات و تالیفات میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی تالیفات یہ ہیں: شرح کافی، المشترکات فی الرجال، شرح شرائع الاسلام، شرح مطالع، شرح قصیدہ دعبل خزاعی۔ ان خواتین کے شوہر بھی اُس زمانے کے مشاہیر میں سے تھے جیسے ملا صالح مازندرانی، ملا مرزا شیروانی، ملا علی اشتر آبادی اور میرزا محمد فسائی۔

پسرانِ علامہ

علامہ کے پانچ بیٹے تھے۔ اُنھوں نے اپنے والدگرامی سے فیض حاصل کیا اور میدان

علم وعمل میں ایک بہت بڑا نام پایا۔

علامہ کے داماد

آپ کے پانچ داماد تھے، وہ اُس زمانے کے فضلاء و ادبا میں شمار ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں اُس زمانے کے عظیم الشان علمی گھرانے آپ کے خاندان کے ساتھ مربوط تھے۔ جیسے علامہ وحید بہبہانی، آقائے بحرعلوم، علامہ طباطبائی آیت اللہ بروجردی، میرزا عبداللہ آفندی، صاحب ریاض العلما، آقائے شہرستانی وغیرہ۔

علمی مقام

حضرت علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف اسلامی علوم میں شہرت رکھتے تھے۔ آپ کی ذات کسی توضیح وتشریح کی محتاج نہیں ہے۔ علامہ مجلسی کا نام آسمانِ فقاہت و اجتہاد پر آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ آپ کا شمار ان علمی بزرگواروں میں ہوتا ہے جو اپنی ذات میں انجمن تھے، آپ کو مختلف اسلامی علوم میں عبور حاصل تھا۔ وہ علمِ تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول، تاریخ، رجال و درایہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ جب آدمی بحارالانوار پر ایک نگاہ کرتا ہے تو یہ راز کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ آپ کا علمی مرتبہ ومقام کیا تھا۔ آپ کو معقولات میں بھی عبور حاصل تھا۔ آپ کو فلسفہ، منطق، ریاضی، ادبیات، لغت، جغرافیہ، طب، نجوم اور علومِ غریبہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

بحارالانوار میں کتاب السماء والعالم میں اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کو تمام علوم و فنون میں جامعیت حاصل تھی۔ روایات اور آیاتِ قرآنی میں آپ کے نکات نہایت دقیق اور خوب صورت ہیں۔ آپ کو فقہ اہلِ بیتؑ میں بھی عبور تھا۔ بحارالانوار میں فقہی مجلدات بھی موجود ہیں۔

معنوی شخصیت

علمائے دین، جہاں اپنے اساتذہ سے علم و دانش کسب کرتے ہیں، وہاں اپنے عارف باللہ اساتذہ کی نگرانی میں سیر وسلوک کے مدارج بھی طے کرتے ہیں۔ اس طرح علامہ نے بھی

اپنے اساتذہ کی نگرانی میں روحانی و معنوی کمالات کی منازل کو طے کیا۔ انھی کمالات کے پیش نظر آپ عالم ربانی کے مصداق ٹھہرے۔ مزید برآں جس عظیم الشان خانوادہ کے آپ چشم و چراغ تھے اور جن کے زیر سایہ آپ نے نشوونما پائی، اس سے اس دعویٰ کی مزید تائید ہوتی ہے۔

آقا احمد جو علامہ وحید بھبھانی کے نواسہ تھے، نے اپنی کتاب ''مرآۃ الاحوال'' میں لکھا کہ میں نے ایک ثقہ بزرگوار سے سنا کہ مجلسی اوّل اخوند ملا محمد تقی نے فرمایا: ایک رات میں نے نمازِ شب پڑھی اور نمازِ شب سے فراغت کے بعد بارگاہِ خداوندی میں خوب گریہ و زاری کی۔ اس دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ اگر میں اس حال میں، بارگاہِ خداوندی میں جو بھی سوال کروں، وہ ضرور قبول ہوگا۔ میں سوچنے لگا کہ اب اپنے رب سے کیا مانگوں، دنیا مانگوں یا آخرت مانگوں۔ ابھی میں اس سوچ و بچار کے مراحل میں تھا کہ میرے، فرزند محمد باقر مجلسی دوم کی صدائے گریہ گہوارے سے بلند ہوئی تو اس وقت میں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

> ''اے میرے پروردگار! بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ اس طفل کو اپنے دین مُبین کا مُروّج بنا اور سید المرسلین کے احکام کا ناشر بنا دے اور اپنی توفیقات سے اسے موفق فرما''۔

جناب علامہ احمد لکھتے ہیں: یہ امر مسلّم ہے کہ علامہ مجلسی سے یہ خوارق عادات اُمور صادر ہوئے۔ یہ ان کے والد بزرگوار کی دُعا کا نتیجہ ہے۔

خصائص علامہ مجلسی

① یادِ خداوند: علامہ مجلسیؒ کے گراں قدر شاگرد علامہ سید نعمت اللہ جزائری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علامہ مجلسیؒ اپنی زندگی میں کسی مقام پر بھی یادِ خدا سے غافل نہیں رہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو کام بھی کیا وہ قصدِ قرابت سے کیا۔

② زیارت: علامہ مجلسی آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی زیارت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ آپ نے اس زمانے کی بدترین مشکلات کے باوجود بھی کئی مرتبہ کربلا، جنت البقیع اور

مشہد مقدس کی زیارات کیں۔ جب بھی آپ زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو آئمہ کے مزارات پر کافی عرصہ تک اقامت فرماتے۔ بیت اللہ کے حج کے لیے بھی کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔

[۳] توسل: آپ معصومین علیہم السلام سے توسل کرتے تھے۔ آپ کی اس عنوان پر بحارالانوار میں ادعیہ اور زیارات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس عنوان پر آپ کی کتب بھی موجود ہیں، جیسے زاد المعاد، تحفۃ الزائر، اور اسی طرح زیارتِ جامعہ کبیرہ اور دعائے سمات کے تراجم بھی آپ سے صادر ہوئے۔

[۴] زہد و پارسائی: آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ایک زاہد و پارسا انسان تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں سادگی کو اپنایا۔ حالانکہ علامہ کا زمانہ وہ زمانہ تھا کہ جس زمانے میں صفویوں کا طوطی بولتا تھا اور وہ ایک طاقت ور حکومت کے فرماں روا تھے۔ آپ کو ان کی طرف سے شیخ الاسلام کا لقب ملا تھا۔ یعنی تمام حکومتی اُمور آپ کے ہاتھ میں تھے باوجود اس کے آپ نے زُہد اور سادگی کو اپنا رکھا تھا۔

[۵] تواضع و انکساری: علامہ مجلسی تواضع و انکساری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کو اس بات سے بے نیاز کر رکھا تھا کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں ممتاز نظر آئیں جہاں اجتماعات ہوتے تو وہاں آپ کو بلند مقام پر بیٹھنے کی خواہش نے پریشان نہ کیا۔ آپ ہمیشہ انکساری سے کام لیتے اور تواضع کو اپناتے۔

سیاسیات

جب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام تاریخی اَدوار میں علمائے شیعہ خیر البریہ اپنی حق گوئی کی وجہ سے حزبِ اختلاف میں رہے ہیں۔ اس وجہ سے اُنھیں قید و بند میں رکھا گیا، ان پر مظالم ڈھائے گئے لیکن ان بدترین احوال کے باوجود اُنھوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم میراث کو ہم تک پہنچا دیا۔ لیکن وہ اَدوار جن میں انھیں بزرگوار علما کو سُکھ کا سانس لینے کا موقع ملا تو اُنھوں نے اس قدر محنت سے کام لیا کہ دنیا کو بہترین علما،

فقہا اور فلاسفر ہدیہ کیے۔

آپ تاریخ کے ان اَدوار کا مطالعہ کر سکتے ہیں کہ جب آلِ بویہ کی حکومت تھی اور محدث کبیر شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ اور محدث اعظم طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کو متقلب کر کے رکھ دیا تھا۔ علامہ مجلسی کو بھی جب خدمت دین مُبین کا موقع ملا تو یہ صفوی دور تھا۔ صفوی بادشاہ آلِ محمدؑ کے گرویدہ تھے۔

علامہ نے اس دور سے بے پناہ فائدہ اُٹھایا اور دنیا کو ایک عظیم الشان بزرگ ترین تالیف دائرۃ المعارف عطا کی جو اس دور میں چھپی، منظرعام پر آئی، ورنہ یہ اتنا عظیم ذخیرہ اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے منظرعام پر نہ آسکتا تھا۔

علامہ صاحب کی جس دور میں ولادت ہوئی، یہ شاہِ عباس اوّل کا دور تھا۔ شاہ عباس اپنے حکومتی اُمور میں ہرطرح سے مضبوط تھا۔ علاوہ ازیں ایک سنگدل انسان تھا۔ اُس کے بعد شاہِ صفی حاکم بنا تو عراق ایرانی حکومت کے قلمرو سے نکل گیا تھا۔ شاہ صفی کے بعد شاہ عباس دوم کہ ابھی جس کی عمر نو سال تھی تختِ حکومت پر براجمان ہوا جب اس کی تاج گزاری کی محفل منعقد ہوئی تو علامہ نے درخواست کی کہ ان کی حکومت میں شراب خواری اور اس کی خرید وفروخت اور دوسرے غیرشرعی اُمور کو ممنوع قرار دیا جائے۔ بادشاہ نے آپ کی درخواست پر عمل کیا اور ان چیزوں پر پابندی لگا دی۔

اجتماعی منزلت

آپ عوام میں بھی ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ اپنے علم وعمل سے بھرپور شخصیت کے اعتبار سے اپنے سحر انگیز بیان سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ آپ قہوہ خانوں میں جاتے، حتیٰ کہ مے خانوں میں جاتے، لوگوں کو وعظ ونصیحت کر کے مساجد میں لے آتے۔ ان کے زمانے میں مساجد میں خاصی رونق پیدا ہوگئی تھی، خصوصاً ماہِ مبارک رمضان میں اور شب ہائے قدر میں مساجد کھچا کھچ بھر جاتی تھیں۔

علامہ کو صفوی دور میں ایک بہت بڑا مقام حاصل تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں صفوی

حکومت کا ہر اعتبار سے دفاع کیا۔ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ کیا۔ آپ کی وفات کے بعد صفوی حکومت درہم برہم ہوکر رہ گئی۔ افغانیوں نے ایران پر حملہ کر دیا اور صفوی حکومت کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں نادر کتابوں اور مصادر کو تلاش کر کے اور متقدمین کی کتب سے استفادہ کر کے دنیائے شیعیت کو نابودی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

مسلک علمی

آپ اعتدال پسند تھے۔ آپ نے اخباریوں اور اُصولیوں کے درمیانی راستے کا انتخاب کیا حالانکہ جہاں آپ ایک بہت بڑے محدث تھے وہاں معقولات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

آپ کا تعلق اُن بزرگواروں میں سے ہے، جنھوں نے معقولات کو پڑھا اور پھر انھیں علوم کے اساتذہ شمار ہونے لگے تھے اور وہ ان تمام علوم کو چشمۂ وحی سے لیتے تھے اور روایات معصومین کی نشرواشاعت ان کا خاصا تھا۔ آپ کے دور میں جب تشیّع میں تصوف نے داخل ہونے کی کوشش کی تو آپ نے اس سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر کار کامیابی نے آپ کے قدموں کو بوسہ دیا آپ کا لقب "علامہ مشہور ہوگیا"۔

علامہ مجلسیؒ کو یہ لقب (علامہ) اس دور کے بزرگواروں نے عطا کیا تھا۔ ان بزرگواروں میں سے علامہ وحید بہبھانی، علامہ بحرالعلوم، علامہ شیخ اعظم انصاری وغیرہ ہیں۔ ان کا ہر ایک فرد اسلامی علوم و معارف کا دریائے متلاطم تھا۔ جب اُنھوں نے علامہ مجلسی کی علمی منزلت دیکھی تو اُنھوں نے آپ کو اس دور کا علامہ قرار دیا۔

شیخ الاسلام اصفہان

۱۰۹۸ھ میں شاہ سلیمان صفوی نے آپ کو اصفہان کا شیخ الاسلام منصب عطا کیا تھا۔ یہ لقب و منصب اس دور کا ایک اہم ترین اور بالاترین منصب تھا۔ آپ اس دور کے چیف جسٹس تھے۔ دینی و دنیاوی اُمور کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شیخ الاسلام کے وظائف میں یتامیٰ اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی بھی تھی۔

مہم ترین نکتہ یہ ہے کہ جب آپ کو شیخ الاسلام کا منصب پیش کیا گیا، آپ نے اُسے قبول نہ کیا۔ بادشاہ کے بار بار کے اصرار پر آپ نے یہ منصب قبول کیا۔ یہ عہدہ زندگی بھر آپ کے پاس رہا۔

اساتید!

نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر بہت کم معلومات سامنے آئی ہیں۔ البتہ جن بزرگواروں سے علامہ نے روایت کی ہے اس زاویے سے ہم ان کے اساتذہ کی طرف سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ جن بزرگواروں سے آپ نے حدیث نقل کی ہے یا علم کسب کیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

① آپ کے پدر بزرگوار علامہ محمد تقی مجلسی (متوفی ۱۰۷۰ھ) آپ نے حدیث اپنے والد سے پڑھی۔

② مرحوم آقا حسین خوانساری (متوفی ۱۰۹۸ھ) فرزند آقا جمال، آپ علامہ صاحب نے معقولات پڑھیں۔

یہ بزرگوار آپ کے استاد تھے، جن سے آپ نے حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہیں:

③ ملا محمد صالح زندرانی (متوفی ۱۰۸۶ھ)

④ ملا محسن فیض کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ)

⑤ علامہ سید علی خان مدنی صاحب شرح صحیفہ سجادیہ (متوفی ۱۱۲۰ھ)

⑥ شیخ حر عاملی مؤلف کتاب وسائل الشیعہ (متوفی ۱۱۰۴ھ)

شاگردان

علامہ مجلسیؒ کے محضر پرفیض سے ایک ہزار سے زائد طلبا اور دانش وروں نے استفادہ کیا۔ ان میں سے چند مشاہیر وہ یہ ہیں:

① سید نعمت اللہ جزائری

② جعفر بن عبداللہ کمرہ ای اصفہانی

③ زین العابدین بن شیخ حر عاملی

④ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی بحرانی

⑤ شیخ عبدالرزاق گیلانی

⑥ عبدالرضا کاشانی

⑦ محمد باقر بیابانکی

⑧ مرزا عبداللہ آفندی اصفہانی مؤلف محترم ریاض العلماء

⑨ سید علی خان مدنی مؤلف ریاض السالکین (شرح صحیفہ سجادیہ)

⑩ شیخ حر عاملی

⑪ ملا سیما، محمد بن اسماعیل فسائی شیرازی

⑫ محمد بن حسن، فاضل حوزی

تالیفات

علامہ کی عمر زیادہ بھی اور پُر برکت بھی تھی، یعنی آپ نے طولانی عمر پائی۔ آپ نے اپنی عمر کے ۳۷ سالوں میں ایک سو سے زیادہ عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں۔ ان کتابوں میں سے صرف ایک کتاب بحارالانوار جو ۱۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کتاب مرآۃ العقول جو ۲۴ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح کی اور چالیس کتابیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔

علامہ کی پہلی تالیف ''کتاب الاوزان والمقادیر'' یا ''میزان المقادیر'' بیان کی گئی ہے کہ جو ۱۰۶۳ھ میں چھپی۔ آپ کی آخری کتاب ''حق الیقین'' ہے جو ۱۱۰۹ھ میں چھپی اور آپ کی وفات سے ایک سال قبل منصۂ شہود پر آئی۔

کتابوں کی تفصیل یہ ہے:

① بحارالانوار: جو ۱۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ایک دائرۃ المعارف الاسلامیہ ہے۔ اس میں تاریخ بھی ہے، روایت بھی ہے اور تفسیر بھی ہے۔

② مراۃ العقول: ثقۃ الاسلام کلینی کی کافی کی شرح ہے جو ۲۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔

③ ملاذ الاخیار: شرح تہذیب شیخ طوسی جو ۱۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔

④ الفرائد الطریفۃ: صحیفہ سجادیہ کی شرح ہے۔

⑤ شرح اربعین حدیث: اس موضوع کی بہترین کتاب ہے۔

⑥ حق الیقین: جو اعتقادات کی کتاب ہے اور فارسی میں لکھی گئی ہے۔

⑦ زاد المعاد: جو اعمال و ادعیہ کی کتاب ہے۔

⑧ عین الحیواۃ: جس میں مواعظ و حکم کا بیان ہے جو آیات و روایات پر مشتمل ہے۔

⑨ تحفۃ الزائر: جو زیارت کے عنوان سے ہے۔

⑩ صراط النجاۃ

⑪ حلیۃ المتقین، یعنی تہذیب آل محمدؐ

⑫ حیات القلوب

⑬ مشکوۃ الانوار

⑭ جلاء العیون

⑮ توقیعات امام عصر عجل اللہ الشریف

⑯ ترجمہ حدیث کے حوالے سے آپ کی بے پناہ کتابیں ہیں جیسے توحید مفضل

⑰ ادعیہ و زیارات پر آپ کی فراواں کتابیں ہیں جیسے ترجمہ جامعہ کبیرہ و دعائے سمات۔

⑱ فقہی رسائل

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ آپ کی اکثر کتابیں فارسی زبان میں ہیں کیونکہ علامہ جس معاشرے میں رہ رہے تھے، وہ معاشرہ فارسی بولنے والا تھا اس لیے آپ نے ان کی اصلاح کے لیے فارسی زبان کو استعمال کیا لیکن آپ کی عمدہ ترین کتب بحارالانوار اور مراۃ العقول عربی زبان میں ہیں۔

وفات

یہ آفتاب علم و دانش ۷۳ سال تک اس دنیا کو منور کرتا رہا۔ آخر ۲۷ رمضان المبارک

کی شب ۱۱۱۰ھ کو اصفہان کے مغرب میں غروب ہوگیا۔ علامہ کے کچھ اُمور جو اُدھورے رہ گئے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اُنھیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا لیکن آپ کا جو مقام تھا وہ ایک عالمِ فرزانہ کا مقام تھا۔ وہ خلا ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا ہے۔ اُسے کسی قیمت پر پُر نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب شریف بحارالانوار

مؤلف علامہ کے احوال کے بعد ضروری ہے کہ ان کے اس علمی کارنامہ کا مختصر تعارف پیش کردیا جائے۔

موضوع: عظیم دائرۃ المعارف ہے۔ اس میں حدیث، تفسیر، تاریخ، فقہ اور علمِ کلام سب کچھ ہیں۔

گراں قدر سرمایہ: یہ کتاب ایک عمدہ ترین گراں قدر سرمایہ ہے۔ یہ علم کا ایک بحرِ بیکراں ہے۔ جس میں کتب حدیث کو ابواب کی شکل میں کامل طور پر جمع کیا گیا ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس کتاب کی تالیف کے لیے مختلف لغوی، فقہی مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ تفسیر، کلام، تاریخ، اخلاق کو بھی مختلف منابع سے حاصل کیا۔ علامہ نے اس کتاب کی جمع آوری کے لیے ہر جہت امکان سے استفادہ کیا۔ علامہ مجلسی نے نقل مطالب میں نہایت ہی دقت سے کام کیا۔ ہر روایت کی امانت کا خیال رکھا، جس طرح آپ کو کوئی روایت ملی۔ آپ نے اُسے اس طرح اپنے ہاں جمع کیا۔ بحارالانوار ایک کتب خانہ ہے، جسے معتبر مصادر سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مکررات کو حذف کیا گیا ہے۔

انگیزہ نگارش

آپ نے اس علمی ذخیرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے شب و روز کام کیا۔ اس کام کے لیے آپ کو دُور دراز کے شہروں میں جانا پڑا بلکہ آپ نے دوسرے ملکوں کا بھی سفر کیا۔ کتابیں جمع کیں، ان کا مطالعہ کیا۔ پھر اُنھیں اپنے ہاں کتابی شکل دی۔ پھر ان کے نسخے تیار کیے۔ اس وقت بھی ۱۱، ۱۲ صدی ہجری کے اسلامی کتب کے مخطوطے محفوظ ہیں۔

حضرت علامہ نے اپنے شاگردوں کو بھی اس کام کی طرف متوجہ کیا، مثلاً آپ کے مشہور شاگرد علامہ سید نعمت اللہ جزائری ہیں، جنھوں نے دس کتابیں اپنے دستِ مبارک سے لکھیں۔

علامہ کا کام ایک مشکل ترین کام تھا، کتب کا حصول پھر ہر فن کی کتب کا حاصل کرنا دشوار ترین کام تھا۔ یہ کام ایسا تھا جو تھکا دینے والا تھا۔ آپ پر درمیانی دور کچھ اس قسم کا آیا کہ جس نے علامہ اور اس کے معاصرین کی تمام زحمات کو گرد آلود کر دیا تھا۔ قریب تھا کہ یہ تمام محنت ضائع ہو جائے لیکن علامہ مجلسی نے کمر ہمت باندھی اور بحارالانوار کو تالیف کر دیا اور آخرکار آپ نے اس ملکوتی میراث اور گنجینۂ عظیم کو جاودانی زندگی بخش دی۔ علامہ نے اپنی پوری زندگی میں ہر چیز کو روایات اہلِ بیتؑ وسنت نبوی وعلوی میں دیکھا۔ اس لیے آپ نے مختلف علوم کی طرف قدم بڑھانے اور علم کے حصول کے لیے ہر نوع علم کو اپنایا۔ آپ نے بحار کے مقدمہ میں لکھا ہے:

میں اپنی جوانی کے آغاز میں علم وحکمت کے حصول میں بہت زیادہ حریص تھا۔ میں نے اپنی لمبی زندگی علم و دانش کے حصول پر خرچ کر ڈالی۔ اس دوران میری نگاہ اس امر پر رہی کہ ان علوم کا حصول اور ان کا ثمرِ حصول آخرت ٹھہرے۔ یہ علم اُس منبع سے حاصل ہو جس کا ربط وحی ربانی سے ہو۔

یہی وجہ تھی کہ علامہ نے علوم عقلی ونقلی کو اپنے زمانہ کے توانا اساتذہ سے حاصل کیا۔ علامہ نے اپنے اس عظیم الشان اقدام سے دس ہزار احادیث کو نابودی سے نجات دے دی۔

اندازِ بیانِ مطالب

بحارالانور مختلف کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے اندر ہر موضوع ایک کامل کتاب ہے۔ ہر کتاب کو ابواب کی شکل میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بحار کو کافی کی طرز پر تالیف کیا گیا ہے کیونکہ علامہ کافی سے متاثر تھے لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ سب سے پہلے آپ نے کتاب السماوالعالم تاریخ انبیاء وتاریخ آئمہ پر کام کیا۔

اس میں ہر موضوع کو آیاتِ قرآنی سے مربوط کیا گیا ہے۔ آپ نے ان آیات کی

تفسیر و توضیح کے لیے تفسیر مجمع البیان طبرسی اور مفاتیح الغیب فخر رازی سے استفادہ کیا۔ آپ نے ہر باب کو تفصیل سے پیش کیا اور روایات کو کامل سند اور ماخذ سے ذکر کیا۔ اگر کہیں سند میں اختلاف تھا یا متن اور روایات ایک دوسرے سے مشابہ تھیں تو جو روایت جس کتاب سے متعلق تھی اُس کا حوالہ دیا۔

علامہ نے بہت سے موارد میں کہیں 'بیان' کا عنوان دیا، کہیں کوئی وضاحت کردی، کہیں کسی روایت کی شرح کردی، جو مطالب و موضوعات کے اعتبار سے مختلف تھیں۔ اگر ان شروح اور بیانوں کو علیحدہ جمع کیا جائے تو وہ کئی جلدیں بن جائیں۔

تاریخ تالیف

علامہ صاحب نے بحارالانوار کی تالیف کا آغاز ۱۰۷۰ھ میں کیا تھا اور یہ سلسلہ ۱۱۰۳ھ تک چلتا رہا۔ البتہ بحارالانوار کی جلدیں ترتیب کے ساتھ تالیف نہیں ہوئیں بلکہ جس جلد کا مواد سامنے آیا اُسے تیار کر کے جلد بنا دیا گیا مثلاً ۱۰۷۷ھ کو بحار کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ پھر جلد پنجم مکمل ہوئی۔ پھر گیارھویں دسویں جلد ۱۰۷۹ھ، پھر اس کے بعد نویں جلد مکمل ہوئی اور اس طرح تیسری جلد ۱۰۸۰ھ کو مکمل ہوئی، جو سب سے آخر میں جلد مرتب ہوئی وہ چودھویں جلد تھی اور ۱۱۰۳ھ میں مکمل ہوئی۔

تعداد مجلدات

بحارالانوار مؤلف کے توسط سے ۲۵ جلدوں کے ساتھ منظم ہوئی تھی لیکن جو ۱۵ نمبر جلد ہے وہ بہت زیادہ طولانی تھی۔ اُسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تو پھر جلدیں ۲۶ بن گئیں۔ دارالکتب اسلامیہ نے انھیں ۲۶ جلدوں کو ۱۱۰ جلدوں میں طبع کیا۔ جلد ۵۴ تا ۵۶ میں اس کتاب کی فہرست ہے۔

یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ علامہ مجلسی سے جلد نمبر ۱۵ کا دوسرا حصہ صاف نہ ہوسکا، وہ رف صورت میں باقی رہا۔ (جز، جلد ۱۸ و ۲۲)

یہ مجلدات مرزا عبداللہ آفندی صاحب ریاض العلماء کے توسط سے صاف ہوئیں۔ یہ

بھی علامہ کے شاگرد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مجلدات کا انداز نگارش باقی بحارالانوار کی جلدوں سے مختلف ہے۔ کہیں کہیں ابواب کے عنوان نہیں ہیں۔ کتاب کے اس حصے میں علامہ کی توضیحات اور بیان کے نہ ہونے کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔

منابع و مصادر بحارالانوار

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار کے مقدمہ کی فصل اوّل میں ۳۷۵ کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ باقی کہیں آپ نے "وغیرہ" و"سائرآثارہ" کے ساتھ اشارہ کردیا ہے۔ موضوعات کے اختلاف کی وجہ سے منابع کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس میں حدیث، فقہ، اصول، تفسیر، رجال، انساب، تاریخ، کلام، فلسفہ اور علمِ لغت شامل ہیں۔ علامہ نے کتب اربعہ سے بہت زیادہ مطالب نقل کیے ہیں۔ آپ نے کافی کے علاوہ ۳۵۰۰ سے زائد موارد نقل کیے۔

من لایحضرہ الفقیہ سے کم از کم ایک سو احادیث نقل کیں۔ علامہ نے کتب اہل سنت کو بھی اپنے مصادر میں رکھا یا تو روایات کی توضیح کے لیے یا تائید کے لیے انھیں نقل کیا، یا ان کی روایات کو رد کرنے کے لیے نقل کیا۔ علامہ مجلسی کے پاس مختلف منابع سے استفادہ کا میزان ایک جیسا نہیں ہے۔ آپ نے بحارالانوار کے ۸۰ منابع کو اشاروں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہی کتب بحارالانوار کے اصلی منابع ہیں۔

بعض کتب جیسے طب الرضاؑ، توحید مفضل، مسائل علی بن جعفر، فہرست شیخ منتجب الدین اور کتاب اھلیجہ کو مکمل طور پر بحار میں نقل کردیا ہے۔ علامہ نے ان منابع کے علاوہ دوسری کتب سے بہت کم استفادہ کیا ہے۔ اگر کہیں ان سے استفادہ کیا ہے تو روایات کی توضیح و تشریح کے لیے نقل کیا ہے۔

علامہ نے اپنے مقدمہ میں کچھ کتابوں کا بطور مصدر ذکر کیا ہے لیکن آپ نے ان سے استفادہ نہیں کیا جیسے "جمل العلم والعمل"، "المقنع" سید مرتضیٰ "منتقی الجمان" اور اسی طرح ابن طاؤس کی کتب میں۔ آپ نے ان سے استفادہ کا قصد کیا لیکن اس راہ میں شاید کچھ مشکلات پیدا ہوگئی ہوں گی، جس کی وجہ سے آپ ان سے استفادہ نہ کرسکے۔

اعتبار منابع

علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں یا اپنی دوسری کتب میں جن منابع سے استفادہ کیا ہے اس میں سند کا خاص خیال رکھا ہے۔ آپ نے بحار کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ جو مولفین بہت زیادہ مشہور تھے تو آپ نے ان کی اسناد روایات کو حذف کر دیا جیسے احتجاج اور غرر الحکم کے مولفین ہیں کیونکہ ان کی روایات دوسری معتبر کتب کے مطابق ہیں۔ آپ نے عوالی اللئالی جیسی کتب سے بہت کم استفادہ کیا کیونکہ اس کی روایات مخلوط ہیں۔ آپ نے قاضی نور اللہ شوستری کی کتب سے استفادہ کیا کیونکہ ان کی روایات معتبر ہیں۔

آپ نے مصباح الشریعہ و دیوانِ امام علی علیہ السلام سے بہت کم استفادہ کیا، کیونکہ ان کی سند نہیں ہے اور ان کا کلام معصومؑ کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔

علامہ نے مکمل کوشش کی کہ صحیح ترین اور معتبر ترین نسخوں کو منابع بنائیں۔ آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمام روایات بھی قابلِ قبول نہیں ہیں۔ جہاں کہیں آپ نے کسی روایت کو ضعیف پایا تو وہاں اس کی وضاحت "بیان" کے اشارے سے کر دی۔

شرح و مستدرک کتاب

علامہ صاحب کی گفتگو سے یہ بات واضح ہے کہ آپ بحارالانوار پر ایک جامع شرح لکھنا چاہتے تھے۔ بحار کی جلد ۱۳ میں "بیان" کا حصہ بہت کم ہے۔ یہ بات روشن ہے کہ علامہ کو اس پر کام کرنے کی مہلت نہ مل سکی۔

علامہ مجلسیؒ نے یہ عزم بھی کر رکھا تھا کہ وہ جو روایات بحارالانوار میں جمع نہیں کر سکے تو انھیں جمع کریں اور مستدرک البحار کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کریں لیکن اجل نے انھیں مہلت نہ دی اور یہ کام باقی رہ گیا۔

ترجمہ:

بحارالانوار کے کثرت کے ساتھ تراجم ہوئے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

① ایک ہندی عالم نے شہزادہ سلطان محمد بلند اختر کے لیے ترجمہ کیا۔

② ''عین الیقین'' نام کے ساتھ ترجمہ ہوا۔ حاج شیخ محمد تقی آقا نجفی اصفہانی متوفّٰی ۱۳۳۲ھ نے کیا۔

③ جناب سید اسماعیل موسوی زنجانی نے ''کشف الاسرار'' کے عنوان سے ترجمہ کیا۔

④ ''بنادر البحار'' یہ بحار کا ترجمہ و تلخیص ہے۔ اس کا ترجمہ سید علی نقی فیض الاسلام (متوفی ۱۴۰۶ھ) نے کیا (آپ نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کے مترجم بھی ہیں)۔

⑤ کچھ حصہ کا ترجمہ علامہ مجلسی نے خود کیا تھا جیسے توحید مفضل۔

بحارالانوار کے کچھ حصوں کا ترجمہ

① محسن الابرار ترجمہ مقتل جلد نمبر ۱۰ (کتاب حاضر)

② جلد نمبر ۱۰ کا ترجمہ (مفتی میر محمد عباس)

③ جلد نمبر ۱۰ (مرزا محمد علی مازندرانی ساکن شمس آباد اصفہانی)

④ اُردو زبان میں ترجمہ مجلس الابرار کے عنوان سے ہوا، جس میں احوال حضرت فاطمہ زہرا سلام اللّٰہ علیہا ہیں۔ محاسن الابرار جس میں حضرت امام حسن علیہ السلام کے احوال ہیں، مصائب الابرار جس میں حضرت امام حُسین علیہ السلام کے احوال ہیں (مترجم سید حامد حسین بن سید حسین فیض آبادی جنفوری) (تقریظ سید ابوالحسن محمد بن علی بن صفدر رضوی کشمیری، طبع ۱۳۱۱ھ)

⑤ مصائب الابرار، ترجمہ جلد نمبر ۱۰، بحارالانوار (اُردو) مترجم حکیم سید حسین گریان محدث کبیر حاج شیخ عباس قمی (متوفّٰی ۱۳۵۹ھ) نے ''سفینۃ البحار'' کے نام کے ساتھ بحارالانوار پر کام کیا تھا۔ یہ ان کی ایک عظیم اور معروف کاوش ہے۔ اس کے علاوہ بھی بحارالانوار پر بہت زیادہ کام ہوا ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

احوال مترجم ارجمند

کتاب محن الابرار جو بحارالانوار کی دسویں جلد کا ترجمہ ہے۔ اس کا ترجمہ آیت اللہ الشیخ حسن بن عبداللہ بن علی مشرودی تبریزی نے کیا۔ آپ تبریز کے قریب ''ہشت رود'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ آیت اللہ شیخ انصاری کے شاگرد ہیں۔ آپ نے نجف اشرف میں ایک مدت تک تحصیل علم کیا۔ آپ نے شیخ انصاری جیسے بزرگواروں کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔ آپ نے ''اجتہاد وتقلید'' اور ''کتاب الصلوٰۃ والصوم'' پر جو تقریرات جمع کیں اور اس طرح ''فروعات نذر و وقف'' جو شرائع کی شرح ہے میں اشارہ کیا ہے کہ یہ سب شیخ انصاری کی تقریرات ہیں۔ بزرگوار محترم انصاری صاحب جو اپنے دورِ حیات میں کائنات پر بھاری تھے، کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے جو فکر انھوں نے پیش کی تھی اور اصولِ فقہ کی ترویج وتشریح کی اب تک تمام علمائے کرام اسی کو اپنائے ہوئے ہیں۔

جب آپ درس دیتے تھے تو آپ کے سامنے سیکڑوں فقہا اور دانش ور زانوتلمذ تہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ مترجم نے بھی انھی سے کسبِ فیض کیا اور مقامِ اجتہاد پر پہنچے۔ سید محسن امین نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ مترجم عالم و فاضل انسان تھے۔ انھیں شیخ انصاری سے فیض حاصل کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ آپ نے آخرکار تبریز کو ترویج علوم آلِ محمدؐ کا مرکز بنایا اور وہاں خدمات شروع کر دیں۔ آپ جب دوبارہ ۱۳۰۴ھ میں عتبات عالیہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر اسی سال آپ نے عالمِ جاودانی کا رُخ کیا۔ آپ کو تبریز میں دفن کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن اپنے اولیا کے ساتھ محشور فرمائے۔

یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے، بحار کی جلد نمبر ۱۰ کا ترجمہ ہے۔ اس جلد میں حضرت زہرا علیہا السلام، حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور سید الشہداؑ کے احوال ہیں لیکن آپ نے

صرف سید الشہداء کے احوال پر اکتفا کیا۔ مترجم نے اس کتاب کا ترجمہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیا۔ آپ نے اس کا آغاز ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ میں کیا۔ آپ نے پہلی جلد صفر ۱۲۹۴ھ اور جلد دوم ۱۲۹۵ھ میں مکمل کی۔

مترجم کا انداز نگارش

مترجم کا انداز ترجمہ یہ ہے کہ جہاں کہیں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے یا اشکال آتا ہے تو وہاں اپنی طرف سے وضاحت کے لیے لکھتے ہیں کہ مترجم یہ کہتا ہے، جب اپنی بات ختم کرتے ہیں تو "انتہیٰ" لکھ دیتے ہیں۔

مترجم کی یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں اُنھوں نے روایت کی سند کو بیان نہیں کیا۔ جس طرح مقتل ابن مخنف وغیرہ ہیں وہاں سند کو درج کیا گیا ہے۔ جہاں وضاحت کی ضرورت تھی وہاں توضیح کر دی گئی۔

اس کتاب کے دو خطی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ مؤلف کے زمانے میں چھپا اور آخر میں اس پر لکھا ہوا ہے تاریخ تکمیل، ج اوّل ذیقعدہ، ۱۲۹۴ھ ق اور ج دوم ۱۲۹۵ھ۔ یہ معتبر نسخہ جو مترجم کے سامنے آیا اس کی طباعت کی اوّلین تاریخ معلوم نہیں جو کچھ معلوم ہے وہ اس پر درج ہے۔ موسسہ مطبوعاتی علمی نے اسے چھاپا ہے۔

دوسرا جو نسخہ ہے اس کی تاریخ تکمیل یہ لکھی ہوئی ہے: ج اوّل، ۹ رمضان ۱۳۱۱ھ اور ج دوم، ۱۲ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ۔ یہ کتاب غلام علی خوش نویس نے تحریر کی تھی۔ اس کے ناشر کا کوئی علم نہیں ہے۔

اس کتاب کے اصل دو نسخے موجود ہیں جو نسخہ مترجم نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا، وہ بھی موجود ہے۔ مصنف یا مترجم نے مصادر کا ذکر کیا ہے، وہ کتاب میں موجود ہیں۔

والحمد للہ رب العالمین

علی اکبر رنج بران تہرانی

قم المقدسہ ایران

مقدمۂ مترجم

خداوند تعالیٰ کی ذات والاصفات لامحدود حمد و سپاس کی سزاوار ہے کہ جس نے اپنے احسانِ قدیم اور کرم عمیم سے عالمین کی راہنمائی و ہدایت کے لیے اپنے پیغمبروں اور پیشواؤں کو کتمِ عدم سے وجود عطا کیا اور اُنھیں رسالت و نبوت کی خلعت سے آراستہ و پیراستہ کیا، تاکہ وہ اُس کے بندگان کے پاس جائیں اور اُنھیں قعر دریائے جہالت و ضلالت سے نکال کر ہدایت و دانائی کے ساحل پر لنگرانداز کریں اور وہ ہستیاں جو بارگاہ خداوندی کے صدرنشینان تھے اور اس کے احکام کے ناشر اور مروج تھے۔ ان کا ہر فرد ارفع و اعلیٰ درجات کا حامل تھا لیکن ان رفعتوں اور بلندیوں کے ساتھ ان کی آزمائش بھی شدید ترین تھی۔

ہر کہ در ایں بزم مقرب تر است
جام بلا بیشترش می دھند

''جس کا مقام و مرتبہ جس قدر بلند و بالا ہے، اس کی آزمائش بھی اس قدر شدید ہے''۔

لامحدود و بے انتہا درود و سلام ہوں، پیغمبر آخر و اعظم پر جن کا وجودِ ذی جود آفرینشِ عالم کی غرض اصلی ٹھہری۔ آپؐ ایجاد بنی آدم کے مقصود اوّلی ہیں۔ اس سے میری مراد سید کائنات افضل مخلوقات، اشرف موجودات، حبیب خداوند عالمیان، خاتم جمیع پیغمبران، زینت زمین و آسمان احمد محمود برگزیدہ خالق معبود ابوالقاسم محمد بن عبداللہ جان جہانیاں و روح عالمیان ہیں۔

خداوند منان کے حبیب و محبوب، طیب و طاہر رسولؐ اور آپؐ کی آلِ اطہار اور آپؐ کے فرزندانِ ابرار جو قادر و مختار بادشاہ کے برگزیدہ ہیں، پر درود و سلام ہو کہ جو فلک

امامت و خلافت کے آفتاب اور وصایت و وراثت کے ماہتاب ہیں ، جو نقائصِ خطا و نسیان سے پاک ہیں اور مناہی و عصیان غوائل سے پاکیزہ ہیں۔ قرآنِ مجید کی نص صریح ان کی شان میں وارد ہے۔ خصوصاً سرورِ سروران، لنگرِ زمین و زمان ، قطب دائرہ امکان، شیر خالق یزدان، ولی پروردگان عالمیان وصی بلافصل خاتم پیغمبران ، فارس میدانِ شجاعت، آفتاب فلک امامت، حامی شریعت، ہادی ملت بیضا اس سے میری مراد حضرت امیر المومنین امام علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

أَسْئَلُكَ يَامَنْ تَعَزَّزَ بِالعِزِّ وَالبَقَاءِ وَقَهَرَ عِبَادَهُ بِالمَوتِ وَالفَنَاءِ اَن تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ البَرَرَةِ الاَتقِيَاءِ وَاَوصِيَائِهِ الغُرِّ المَيَامِينَ الاَزكِيَاءِ وَتَغضِبَ عَنْ اَعَادِيهِم الكَفَرَةِ الاَدعِيَاءِ وَالفَجَرَةِ الاَشقِيَاءِ وَتَلعَنُ عَنْ ظَالِمِيهِم وَغَاصِبِيهِم مِن اَولاَدِ الحَربِ وَالزِّنَا

بعد ازیں حقیر و احقر غریق بحر معاصی محمد حسن عاصی کی گزارش ہے کہ یہ بات اربابِ فطانت و کیاست اور اصحابِ ذکاوت و فراست پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ بحار الانوار کی جلد نمبر ۱۰ کا دوسرا حصہ جس میں آلِ محمدؐ کے مصائب کی روایات ہیں بالخصوص نور دیدہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میوہ دل علی مرتضیٰؑ و سرور سینہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا شہیدِ بیابانِ کربلا جس کا ذکر کتب اور علما کے درمیان معروف و مثالی ہے۔

پروانۂ افکار طالبان آرزوئے شمع شبستان میں کب سے جان کی بازی ہارے ہوئے تھا اور عندلیب اوہام عاشقانِ گلِ گلزار کے دیدار کی تمنا میں ہزار ہا زبانوں سے نغمہ حسرت الاپ چکی تھیں۔ شوق و رغبت سے لبریز آنکھیں اس کے حُسن و جمال کا دیدار کرنے کے لیے اَشک پہ اَشک بہا رہی تھیں۔ اس کے مضامین سے عشق و علاقہ رکھنے والے ہر لحہ اس پر گردن شوق جھکائے چلے آ رہے تھے اور شہبازِ اذہان اس کے لطائف کے طیور کو اپنا شکار بنانے میں بے تاب نظر آ رہے تھے لیکن عربیت کی وجہ سے ان کی تمام کاوشیں بے سود جا رہی تھیں۔ کچھ برادرانِ ایمانی و روحانی نے میرے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں ان مضامین گوہر بار سے عربیت کا لبادہ اُتار کر فارسی کے پیراہن میں ملبوس کردوں۔

یہ وہ اجابت کا لمحہ تھا کہ برادرانِ ایمانی کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق

دی اور میں نے ۱۲۹۲ھ کے آخر میں باوجود کثرت اشتغال و پریشانی احوال وتلاطم اَمواج فتن اور ہجوم و افواج محن کے اس کتاب مستطاب پر کام شروع کر دیا۔ میں نے ایجاز و اختصار کے پیش نظر روایات کی اسناد کو حذف کر دیا۔ جہاں کہیں تکررات دیکھا تو اُنھیں بھی حذف کر دیا اور جہاں کہیں ضرورت پڑی تو دوسرے مقاتل سے اضافہ کر دیا۔ میں نے اس کتاب کا نام محسن الابرار در ترجمہ مقتل بحار رکھا۔ آخر میں میری رحیم و رؤف بادشاہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ میری اس کاوش کو اپنے قرب میں جگہ دے اور قیامت کے دن کے لیے ذخیرہ فرمائے۔

وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

چند ہدایات

مترجم محترم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقتل کے بیان کرنے کے لیے چند ہدایات جاری کی ہیں کہ ان کا ضرور خیال رکھا جائے۔ ہم ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب بیان کرتے وقت ان روایات کو پیش کیا جائے جو مستند ہوں، غیر مستند نہ ہوں، ضعیف روایات سے پرہیز کیا جائے۔ کتب معتبرہ کو سامنے رکھا جائے جس طرح بزرگوار شیخ مفید، شیخ صدوق، علامہ فاضل مجلسی اور اس طرح کے دوسرے معتبر علما کی کتب سے مدد حاصل کی جائے۔ اختراعات وجعلی روایات سے پرہیز کیا جائے۔

اس زمانے میں مرثیہ خوانی اپنی حقیقی روش سے ہٹ کر رہ گئی ہے۔ مقررین جھوٹی روایات سے کام لینے لگے ہیں۔ شعراء باطلہ اشعار سے قوم کو گمراہ کر رہے ہیں اور اس کے عوض سعادت ابدی کو چھوڑ کر دنیا فانی کو آباد کرنے کے لیے دولت جمع کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور کے مؤلفین اور مصنفین بھی گمراہی کی طرف پوری شدت سے رواں دواں ہیں۔ وہ بھی اپنی تالیفات وتصنیفات میں حقائق کی جگہ کذب و افتراء اور اختراعات سے کام لے رہے ہیں۔ قصوں اور حکایات کو حاصل کر کے اپنی تالیفات کا حصہ بنا رہے ہیں۔

غنا حرام ہے چاہے وہ مرثیہ میں ہو یا قرآن پڑھنے میں ہو یا دعاؤں میں ہو۔ حرمتِ غنا واضح ہے اور اس کی حرمت پر متواتر احادیث موجود ہیں۔ علمائے محققین کے نزدیک غنا کی تعریف یہ ہے:

''اہلِ فسق و باطل کے گیتوں کو پڑھنا خواہ آواز کو گلے میں گھمایا جائے یا نہ، خواہ سُرور و حزن کے لیے پڑھا جائے۔ کوئی سننے والا ہو یا نہ ہو، بلندآواز کے ساتھ ہو یا آہستہ اور زمزمہ خواہ در ضمن اشعار باطلہ ہو یا در ضمن اشعار وکلمات نصیحت و مواعظ و قرآن و دعا و مراثی ہوں''۔ بلکہ محققین کی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مجالس امام حُسین علیہ السلام میں حُرمت غنا باقی تمام اُمور سے زیادہ ہے۔ چنانچہ شیخ بزرگوار شیخ مرتضیٰ انصاری نے کتاب شریف مکاسب میں ارشاد فرمایا ہے: قرآن، دعا اور مراثی میں حُرمت غنا میں کوئی اشکال نہیں ہے بلکہ ان اُمور میں غنا کو اپنانا سزا کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے کیونکہ غنا مقامِ اطاعت میں کثرتِ سزا کا موجب ہے کیونکہ اس سے توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

اس سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض ارباب مقاتل اپنے مطالب کو ازروئے خواب نقل کرتے ہیں اور اپنے خوابوں کو مراثی میں غنا کے جواز کے لیے پیش کرتے ہیں حالانکہ خواب کی علما کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

بابِ اوّل

حضرت امام حسن علیہ السلام کی وصیت

حضرت امامِ حسنؑ کا وصیت نامہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کے نام

جناب کلینیؒ نے اپنی کتاب ''اعلام الوریٰ'' میں معتبر سند سے ہارون بن جہم سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا، آپؑ نے فرمایا:

جس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام کا وقتِ شہادت قریب آیا تو آپؑ نے حضرت امام حُسین علیہ السلام سے فرمایا: اے میرے برادر عزیز! جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے غسل دینا، کفن پہنانا، مجھ پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد مجھے میرے جد بزرگوار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر لے جانا تاکہ میں ان سے تجدید عہد کرلوں۔ پھر مجھے میری والدہ کی قبر پر لے جانا، بعدازاں مجھے واپس قبرستانِ بقیع میں دفن کر دینا۔

(مترجم: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام حُسین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت ہیں، کیونکہ مذہب علمائے امامیہ اور فقہائے اثنا عشریہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ امام کی تجہیز و تکفین صرف امام کرتا ہے، آیندہ اس بات کی تفصیل آئے گی)۔

جناب کلینیؒ نے اسی کتاب میں اپنی سند کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے جو متن کے اعتبار سے اشکال سے خالی نہیں ہے۔ ترجمہ کی سہولت کے لیے مکمل حدیث کو یہاں ذکر کیے دیتے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ پیش کیا جائے گا کیونکہ مترجم کے لیے مناسب ہے کہ جہاں کہیں روایت کے متن میں اشکال ہو اور اس میں کثرت کے ساتھ احتمالات ہوں تو پہلے متن کا ذکر ہو جائے پھر ترجمہ ہو اور آخر میں احتمالات کا ذکر کر دیا جائے۔

قَالَ لَمَّا حَضَرَتِ الْحَسَنَ علیہ السلام الْوَفَاةُ، قَالَ يَا قَنْبَرُ! اُنْظُرْ هَلْ تَرَى وَرَاءَ بَابِكَ مُؤْمِنًا مِنْ غَيْرِ آلِ مُحَمَّدٍ؟

فَقَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَابْنُ رَسُولِهِ أَعْلَمُ!

قَالَ امْضِ فَادْعُ لِي مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ،

قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَلَمَّا دَخَلْتُ عَلَيْهِ قَالَ هَلْ حَدَثَ إِلَّا خَيْرٌ؟

قُلْتُ أَجِبْ أَبَا مُحَمَّدٍ! فَعَجِلَ عَنْ شِسْعِ نَعْلِهِ، فَلَمْ يُسَوِّهِ فَخَرَجَ مَعِي عَدْوًا، فَلَمَّا قَامَ بَيْنَ يَدَيْهِ سَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ عليه السلام اجْلِسْ فَلَيْسَ يَغِيبُ مِثْلُكَ عَنْ سَمَاعِ كَلَامٍ يَحْيَى بِهِ الْأَمْوَاتُ وَيَمُوتُ بِهِ الْأَحْيَاءُ! كُونُوا أَوْعِيَةَ الْعِلْمِ وَمَصَابِيحَ الدُّجَى، فَإِنَّ ضَوْءَ النَّهَارِ بَعْضُهُ أَضْوَأُ مِنْ بَعْضٍ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ وُلْدَ إِبْرَاهِيمَ أَئِمَّةً وَفَضَّلَ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَآتَى دَاوُدَ زَبُوراً وَقَدْ عَلِمْتَ بِمَا اسْتَأْثَرَ اللهُ مُحَمَّداً صلى الله عليه وآله وسلم يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ! إِنِّي لَا أَخَافُ عَلَيْكَ الْحَسَدَ وَإِنَّمَا وَصَفَ اللهُ تَعَالَى بِهِ الْكَافِرِينَ، فَقَالَ «كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ» وَلَمْ يَجْعَلِ اللهُ لِلشَّيْطَانِ عَلَيْكَ سُلْطَاناً، يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ! أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ أَبِيكَ عليه السلام فِيكَ؟

قَالَ بَلَى!

قَالَ سَمِعْتُ أَبَاكَ يَقُولُ يَوْمَ الْبَصْرَةِ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَبَرَّنِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَبَرَّ مُحَمَّداً، يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ! لَوْ شِئْتُ أَنْ أُخْبِرَكَ وَأَنْتَ نُطْفَةٌ فِي ظَهْرِ أَبِيكَ لَأَخْبَرْتُكَ، يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عليه السلام بَعْدَ وَفَاةِ نَفْسِي وَمُفَارَقَةِ رُوحِي جِسْمِي، إِمَامٌ مِنْ بَعْدِي وَعِنْدَ اللهِ فِي الْكِتَابِ الْمَاضِي، وِرَاثَةُ النَّبِيِّ أَصَابَهَا فِي وِرَاثَةِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ، عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ خَيْرُ خَلْقِهِ فَاصْطَفَى مِنْكُمْ مُحَمَّداً وَاخْتَارَ مُحَمَّدٌ عَلِيّاً وَاخْتَارَنِي عَلِيٌّ لِلْإِمَامَةِ وَاخْتَرْتُ أَنَا الْحُسَيْنَ،

فَقَالَ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ: أَنْتَ إِمَامِي وَسَيِّدِي وَأَنْتَ وَسِيلَتِي إِلَى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وآله وسلم وَاللهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ نَفْسِي ذَهَبَتْ قَبْلَ أَنْ أَسْمَعَ مِنْكَ هَذَا!

الْكَلَامِ، أَلَا وَإِنَّ فِي رَأْسِي كَلَاماً لَا تَنْزِفُهُ الدِّلَاءُ وَلَا تُغَيِّرُهُ بُعْدُ الرِّيَاحِ، كَالْكِتَابِ الْمُعْجَمِ فِي الرَّقِّ الْمُنَمْنَمِ أَهُمُّ بِإِبْدَائِهِ فَأَجِدُنِي سُبِقْتُ إِلَيْهِ سَبْقَ الْكِتَابِ الْمُنْزَلِ وَمَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَ إِنَّهُ لَكَلَامٌ يَكِلُّ بِهِ لِسَانُ النَّاطِقِ وَيَدُ الْكَاتِبِ وَلَا يَبْلُغُ فَضْلَكَ وَكَذَٰلِكَ يَجْزِي اللهُ الْمُحْسِنِينَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْحُسَيْنُ علیہ السلام أَعْلَمُنَا عِلْماً وَأَثْقَلُنَا حِلْماً وَأَقْرَبُنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَحِماً، كَانَ إِمَاماً قَبْلَ أَنْ يُخْلَقَ وَقَرَأَ الْوَحْيَ قَبْلَ أَنْ يَنْطِقَ وَلَوْ عَلِمَ اللهُ أَنَّ أَحَداً خَيْرٌ مِنَّا مَا اصْطَفَى مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمَّا اخْتَارَ مُحَمَّداً وَاخْتَارَ مُحَمَّدٌ عَلِيّاً علیہ السلام إِمَاماً وَاخْتَارَنِي عَلِيٌّ بَعْدَهُ وَاخْتَرْتَ الْحُسَيْنَ علیہ السلام بَعْدَكَ سَلَّمْنَا وَرَضِينَا بِمَنْ هُوَ الرِّضَا وَبِمَنْ نَسْلَمُ بِهِ مِنَ الْمُشْكِلَاتِ! (اعلام الوریٰ، ص ۲۱۶)

"جس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام کا وقتِ شہادت قریب آیا تو آپؑ نے قنبرؓ کو آواز دی کہ دروازے پر آلِ محمدؐ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی تو نہیں ہے۔ یہ سن کر قنبرؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسولؐ اور رسولؐ کا فرزند بہتر جانتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: جاؤ اور محمد بن حنفیہ کو میرے پاس بلا لاؤ!

قنبرؓ کہتے ہیں: جب میں محمد بن حنفیہؒ کے پاس آیا اور اُن کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہا: خدا خیر کرے کس لیے آئے ہو؟

میں نے عرض کیا: جناب ابومحمدؑ (امام حسنؑ) بلا رہے ہیں اور فوراً پہنچیے۔

قنبرؓ کا کہنا ہے کہ آپ فوراً اُٹھے، اپنے جوتوں کے تسمے بند کیے بغیر دوڑ کر آپؑ کے حضور آئے، آپؑ کو سلام کیا:

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: بیٹھیے! تجھ سے زیادہ اس کلام کے سننے کے لائق کوئی اور نہیں ہے کہ جس کے سننے کے ساتھ مُردے زندہ ہو جاتے ہیں اور زندہ مر جاتے ہیں اور تم اس کے سننے سے غائب رہو۔ علم کے ظروف بن کر رہو اور تاریکیوں کے چراغ بن جاؤ،

کیونکہ ان کی بعض روشنیاں بعض روشنیوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کلام سے آپ کا مقصد تھا کہ ایک باپ کی اولاد فضیلت میں بڑھ بھی سکتی ہے اور کم بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ حسد و غرور باطنی و مکر وساوسِ شیطانی کی وجہ سے برادرانِ کوچک اپنے برادرانِ بزرگ کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کرتے، جس طرح قابیل نے ہابیل کو قتل کرڈالا تھا۔ فرزندانِ یعقوبؑ نے جنابِ یوسفؑ سے حسد کیا تھا۔ جناب امام حسن علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس طریقے سے اشتباہ کو دُور کردیں۔

آپؑ نے محمد بن حنفیہ سے فرمایا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو پیشوا اور پیغمبر بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔ فرمایا:

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۝ (سورۂ انبیاء، آیہ ۷۲، ۷۳)

"اور ہم نے ابراہیمؑ کو انعام میں اسحاقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عنایت فرمایا اور ہم نے سب کو نیک بخت بنایا"۔

وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (بنی اسرائیل، آیہ ۵۵)

"اور ہم نے یقیناً بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم ہی نے داوٗدؑ کو زبور عطا کی"۔

آپؑ نے محمد بن حنفیہؒ سے فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں برگزیدہ کیا اور انھیں مصطفیٰ بنایا؟ اس کی وجہ علم و فضل ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ مجھے آپؑ سے حسد کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ، آیہ ۱۰۹)

"تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں (اور لطف تو یہ ہے کہ) ان پر حق ظاہر ہوچکا ہے۔ اس کے بعد (بھی یہ تمنا باقی ہے)"۔

« وَلَمْ يَجْعَلِ اللهُ لِلشَّيْطَانِ عَلَيْكَ سُلْطَانًا »

کیا اے محمدؒ! کیا میں تمھیں وہ کچھ بتاؤں جو والد گرامی نے تیرے بارے میں فرمایا تھا؟

محمدؒ نے عرض کیا: جی ہاں بتائیں!

آپؑ نے فرمایا: آپؒ کے والد گرامی نے جنگِ بصرہ کے دن فرمایا تھا:

''ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ دنیا و آخرت میں نیکی کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ میرے فرزند محمدؒ کے ساتھ نیکی کرے''۔ اگر میں چاہوں تو میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ جب تو اپنے والد گرامی کی پشت میں نطفہ کی صورت میں تھا، میں اُس زمانے کی ہر بات بتا سکتا ہوں!

اے محمدؒ! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس وقت میری روح پرواز کرے اور میری روح میرے جسم سے جدا ہو جائے تو حسین علیہ السلام میرے بعد امام ہیں، وہ اپنے جد بزرگوار کی طرف سے امامت کے وارث ہیں اور یہ بات اللہ کے نزدیک لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔ انھیں یہ منصبِ امامت ان کے والد اور والدہ کی طرف سے ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم اللہ کی بہترین مخلوق ہو اور تم میں سے اُس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا اور حضرت محمدؐ نے حضرت علیؑ کو امامت و خلافت کے لیے چنا اور امام علیؑ نے مجھے چنا اور میں امامت کے لیے حسین علیہ السلام کو چُن رہا ہوں۔

یہ سن کر محمد بن حنفیہ نے عرض کیا: آپؑ میرے امام ہیں، آپؑ میرے آقا و مولا ہیں اور آپ ہی میرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کا وسیلہ ہیں۔ بخدا! مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا اور آپؑ کی یہ گفتگو نہ سنتا۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے دماغ میں آپ کے جو مناقب و فضائل ہیں، وہ بہتے دریا کی مانند ہیں۔ اگر اس میں سے ایک کوزۂ آب بھر لیا جائے تو دریا میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر ہزار آندھیاں چلیں، اس کا پانی کو گدلا نہیں کر سکتیں۔ وہ گفتگو جو آپ کے فضائل پر مشتمل ہے اور میرے دماغ میں ہے وہ اس تحریر کی مانند ہے، جو صحیفہ بیضا میں ہو اور جس پر اعراب اور نقطے نہ ہوں۔

(آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ کے فضائل و مناقب جو میرے دماغ میں ہیں، وہ راز ہیں۔ جس وقت میں چاہتا ہوں کہ اس کلام کا اظہار کروں اور بیان کروں تو میں اپنے آپ کو اس منزل پر پاتا ہوں کہ وہ رب العالمین کی کتاب اور باقی تمام

انبیاء کی کتب میں موجود ہے کہ جس پر آپ کی نگاہ بہتر و برتر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے بیان سے تمام فصحا و بلغا اور کاتبین عاجز ہیں۔ نہ کوئی بیان کرنے والا اُنھیں بیان کرسکتا ہے اور نہ کوئی لکھنے والا لکھ سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے محسنوں کو جزا دیتا ہے، سب طاقتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام ہم سے اَعلم ہیں، وہ حلیم و بُردبار ہیں اور رشتہ ورحم کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم سے زیادہ قربت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تخلیق سے قبل امام تھے۔ وہ اَرواح کی تخلیق سے پہلے اللہ کے علم میں امام تھے۔ آپ نے زمانہ نطق سے قبل وحی کی قرأت کی۔ اگر خداوند تعالیٰ کے علم میں ہوتا کہ ہم سے کوئی بہتر ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب نہ فرماتا۔ پس اُس نے حضرت محمدؐ اپنی رسالت کے لیے انتخاب کیا اور حضرت محمدؐ نے حضرت امام علیؑ کا انتخاب کیا۔ حضرت امام علیؑ نے امامت کے لیے آپ کو چُنا اور آپؑ نے امام حُسین علیہ السلام کو اس امر کے لیے اختیار کیا، پس ہم نے اُنھیں بطور امام قبول کیا ہے اور اُس کی امامت پر راضی ہیں جو خود رضا اور خوشنود ہے ہم نے اس شخص کی ولایت کو قبول کیا ہے کہ اس کی ولایت کے سبب مشکلات میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو گئے ہیں"۔

اس روایت کا حاصل ترجمہ یہ ہے لیکن روایت کے دو فقروں میں اشکال ہے۔ مصنف نے ان دو فقروں کے اشکال کی چند توجیہات کی ہیں۔

فقرہ اوّل: امام علیہ السلام نے فرمایا: يَاقَنبَرًا انظرْ هَل تَرىٰ...... تا آخر۔

وجہ اوّل: یہ ہے کہ اس سے امامؑ کی مراد یا تو یہ تھی کہ اے قنبرؓ! چشم ظاہر سے دیکھو یا امامؑ کا اشارہ قنبرؓ کی طرف یہ تھا کہ تم اپنی بصیرت کو استعمال کرو اور باطنی نگاہ سے دیکھو، کیونکہ قنبرؓ نے اہلِ بیت اطہارؑ سے اَسرار غریبہ اور علومِ عجیبہ حاصل کر رکھے تھے۔ گویا آنحضرتؑ کی مراد یہ تھی کہ وہ محمد بن حنفیہ کو بلانے کے لیے قنبرؓ کے علاوہ کسی اور کو بھیجیں اور جو قنبر نے جواب دیا وہ اس طرح تھا کہ دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ آپ علمِ لدنی کے مالک ہیں کہ کوئی اور نہیں ہے۔

وجہ دوم: ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام کی مومن سے مراد ملک الموت ہو جو بشر کی

صورت میں آچکا ہو۔ آپ نے قنبر سے پوچھا ہو کہ تو نے ملک الموت کو دیکھا ہے یا نہیں؟

قنبر نے عرض کیا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا، آپؑ نے جو کچھ فرمایا ہے، آپؑ اُس سے خوب واقف ہیں۔

دوسرا فقرہ: امام علیہ السلام کا فرمان کہ آپؑ نے محمد بن حنفیہؒ سے فرمایا:

فَلَيْسَ يَغِيبُ مِثْلُكَ عَنْ سَمَاعِ كَلَامٍ يَحْيَى بِهِ الْأَمْوَاتُ وَيَمُوتُ بِهِ الْأَحْيَاءُ!

''تم جیسا اس کلام کے سننے سے غائب نہیں ہونا چاہیے کہ یہ وہ کلام ہے جو مُردوں کو زندہ اور زندوں کو مُردوں کردیتا ہے''۔

وجہ اوّل: چونکہ کلامِ مذکور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی امامت کی نص ہے کہ جو شخص امام علیہ السلام کی امامت کی تصدیق کرے گا اور اُسے قبول کرے گا، وہ اپنی موت کے بعد زندہ ہے اور جس نے ان کی امامت کو قبول نہ کیا، وہ زندگی میں بھی مُردہ ہے۔

وجہ دوم: آپؑ کی مراد اس کلام سے شاید یہ ہو کہ جو جاہل و نادان و گمراہ و بے ایمان ہے وہ مُردہ ہے کیونکہ اس کی ظاہری زندگی کسی کام کی نہیں، نہ اس کے لیے اور نہ دوسروں کے لیے۔ ان کی امامت کی تصدیق معرفت و دانائی کا سبب ہے اور اِنکار جہل و ضلالت کی حیات کا باعث ہے۔ جس کسی نے اس بزرگوار کی امامت کا انکار کیا تو گویا اس نے اپنی جہالت و گمراہی کے سبب معنوی زندگی کی موت کو سینے سے لگایا، اگرچہ وہ ظاہری زندگی رکھتا ہو۔

وجہ سوم: مصنف نے کسی دوسرے سے نقل کیا ہے کہ موت سے مراد اِرادی قوت کا احیا ہے کہ جس کسی نے اس بزرگوار کی امامت کو قبول کیا تو گویا اُس نے اس دنیا کی لذائذ سے کنارہ کشی کی اور اپنے دامن کو اس عارضی دنیا کے گرد و غبار سے آلودہ نہیں کیا۔ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا اور زندگی ایک عارضی سرائے ہے، حقیقی زندگی اُخروی زندگی ہے۔

مترجم: آنجناب کی امامت پر جو نصوص کتب میں نقل ہوئی ہیں وہ لاتعداد ہیں۔ مصنف علامہ نے ان تمام نصوص کو اس کتاب کی جلد اوّل میں بیان کیا ہے جسے تفصیلات کی ضرورت ہو وہ اس طرف رجوع کرسکتا ہے۔

❁❁❁

بابِ دوم

معجزات باہرہ اور آیاتِ ظاہرہ

کتاب "بصائر الدرجات" اور "دعوات راوندی" صالح بن میثم سے روایت ہے: اس نے کہا: میں اور عبایہ بن ربعی قبیلہ والیہ کی ایک خاتون کے پاس گئے کہ جس کا نام حبابہ والیہ تھا، کثرتِ سجود کی وجہ سے اس کی پیشانی پر گانٹھیں پڑ چکی تھیں۔ عبایہ نے اس صالحہ خاتون کی خدمت میں عرض کیا: اے حبابہ! یہ میرے رفیق آپ کے بھتیجے ہیں۔

حبابہ نے یہ کہتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا: یہ میرے کون سے بھائی کے بیٹے ہیں؟

اس نے عرض کیا: صالح بن میثم کے۔

اُس نے کہا: بخدا! واقعی یہ میرے بھتیجے ہیں۔

صالح کہتے ہیں: اُس نے میری طرف رُخ کیا اور کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمھیں حضرت امام حُسین علیہ السلام کی فضیلت کی ایک بات سناؤں؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں اے پھوپھی جان!

اس نے اپنی بات کا آغاز کیا: میں کثرت کے ساتھ اپنے امامؑ کے پاس جایا کرتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میری آنکھوں کے درمیان برص کے داغ نکل آئے تو میں نے آپ کی زیارت کے لیے جانا چھوڑ دیا امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ حبابہ اکثر ہماری بارگاہ میں آیا کرتی تھی۔ کافی دن ہو گئے ہیں وہ اِدھر نہیں آئی اُسے کیا ہوا ہے؟

کسی نے آپؑ کے حضور عرض کیا: اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان برص کے داغ نکل آئے ہیں۔ جب آپؑ نے یہ سنا تو حاضرین سے فرمایا: اُٹھئے اور اس کے پاس جائیں۔ پس آنحضرتؑ میرے گھر تشریف لائے۔ جب آپؑ تشریف لائے تو اس وقت میں سجدہ میں تھی۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: تجھے میری زیارت سے کس نے روک رکھا ہے؟

میں نے آپ کے حضور عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! بات یہ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اپنی پیشانی سے مقنع ہٹائیے!

میں نے جونہی مقنعہ ہٹایا تو آپؑ نے آبِ دہن اس مقام پر لگایا اور فرمایا: اے حبابہ! خدا کا شکر ادا کر کہ تیرا مرض جاتا رہا ہے۔

یہ سن کر میں نے بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

آپؑ نے فرمایا: اب اپنا سر سجدہ سے اُٹھا اور آئینہ میں دیکھ۔ جونہی مَیں نے آئینہ دیکھا تو میری پیشانی پر برص کے کوئی آثار نہ تھے اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

دعوات راوندی میں ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا: ہم اور ہمارے شیعہ دینِ حق اور فطرتِ اسلام پر ہیں، باقی لوگ اس سے دُور ہیں۔

امام علیہ السلام کے توسط سے مُردہ کا زندہ ہونا

خرائج میں ہے: یحییٰ بن اُم الطویل سے روایت ہے: ہم ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی روتا ہوا آپؑ کے حضور آیا۔ آنحضرتؑ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اُس نے عرض کیا: ابھی میری والدہ اس دنیا سے رخصت ہوئی ہے۔ اُس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ اس کے پاس مال بہت زیادہ تھا۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ جب تک آپؑ کو آگاہ نہ کروں اس وقت تک کوئی اور کام نہ کروں۔

آنحضرتؑ نے ہمیں حکم دیا کہ اُٹھو اور اس کے گھر چلتے ہیں پس ہم وہاں سے اُٹھے اور اس کے گھر پہنچے، ہم نے دیکھا کہ وہ عورت وہاں مُردہ پڑی تھی۔ آنحضرتؑ ایک لمحہ کے لیے دروازے پر ٹھہرے اور دعا فرمائی: خداوندا! اس عورت کو زندہ کردے تاکہ یہ جو وصیت کرنا چاہے کرلے۔

اُسی لمحے وہ عورت امام علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوگئی۔ اپنی جگہ سے اُٹھی اور بیٹھ گئی اور کلمۂ شہادت پڑھنے لگی۔ جب اس کی نظر حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہرۂ انور پر پڑی تو عرض کیا: اے میرے آقا! میرے گھر میں تشریف لائیے اور مجھے حکم فرمائیں۔

آنحضرتؑ اس کے گھر میں داخل ہوئے اور بیٹھ گئے اور اُسے فرمایا: اب وصیت کرو۔

اُس عورت نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میرا اتنا مال فلاں جگہ پر موجود ہے، اس کا ۱/۳ آپؑ کے لیے ہے۔ آپ جسے چاہیں اُسے عطا کریں اور ۲/۳ میرے اس فرزند کا ہے۔ اگر یہ آپؑ کے دوستوں میں سے ہے تو اس کا ہے ورنہ اس کا یہ مال نہیں ہوسکتا کیونکہ مخالفین کا مومنین کے مال پر حق نہیں ہے۔ پھر اس خاتون نے آپؑ سے خواہش کی کہ آپؑ ہی اس پر نماز پڑھیں اور اس کی تدفین کریں۔ بعدازیں وہ دوبارہ اس دنیا سے چل بسی۔
(قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۱، ص ۲۴۵)

اعمالِ انسانی اور امام علیہ السلام

کتاب الخرائج میں روایت ہے: جابر جعفی کا کہنا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ایک آدمی دیہات سے مدینہ آیا، تا کہ امام حُسین علیہ السلام کو آزمائے کہ وہ واقعی امام ہیں، کیونکہ آپؑ کی امامت کے دلائل اور معجزات اُس کے سامنے بیان ہو چکے تھے۔ اُس نے راستے میں اِستمنا کر کے اپنے آپ کو جُنبی کیا اور اسی حالت میں بارگاہِ امام میں پہنچا۔

امام علیہ السلام نے اس اعرابی سے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آئی کہ تو حالتِ جنابت میں بارگاہِ امامت میں آیا ہے کہ تم اعرابیوں کا یہی کام ہے کہ جب تم بارگاہِ امامت میں آنا چاہتے ہوتو اِستمنا کر لیتے ہو؟

اعرابی نے عرض کیا: میں نے اپنا مقصود پا لیا ہے۔ میں نے آپؑ کا اعجاز دیکھ لیا ہے۔ وہ اس وقت وہاں سے اُٹھا اور غسل کیا اور پھر آپؑ کی بارگاہ میں واپس آیا اور آپؑ سے چند مسائل پوچھے اور واپس چلا گیا۔

امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا انجام

اسی کتاب میں روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپؑ نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حُسین علیہ السلام جب اپنے غلاموں کو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہتے تھے تو آپؑ ان سے فرماتے کہ فلاں دن باہر جانا اور فلاں دن نہ جانا۔ اگر تم نے مخالفت کی تو چور ڈاکو تمھیں اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

ایک دفعہ کچھ اس طرح ہوا کہ آپؑ کے کہنے کے باوجود انھوں نے آپؑ کے فرمان کی مخالفت کی اور باہر چلے گئے۔ جونہی وہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر گئے تو راہزنوں نے ان پر حملہ کردیا اور انھیں قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ کر لے گئے۔ جب اس واقعہ کی خبر امامؑ تک پہنچی تو آپؑ نے فرمایا: میں نے انھیں اس بات سے آگاہ کیا تھا، لیکن انھوں نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا۔ آخر اس مصیبت سے دوچار ہو گئے ہیں۔ پس آپ والی مدینہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جونہی والیِ مدینہ کی آپؑ پر نگاہ گئی اس نے کہہ دیا کہ آپؑ کے غلاموں کے قتل کی اطلاع مجھ تک پہنچ چکی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو ان کا عوض عطا کرے۔

آپؑ نے فرمایا: میں تیرے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تجھے قاتلوں کے بارے میں بتاؤں۔ انھیں فوراً گرفتار کراؤ اور انھیں سزا دو۔

والیِ مدینہ نے حضور سے عرض کیا: کیا آپؑ ان کے قاتلوں کو جانتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں میں جانتا ہوں، جس طرح میں تجھے جانتا ہوں، انھیں بھی اسی طرح جانتا ہوں۔ آپؑ نے اپنے معجز نما دست سے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ بھی انھی قاتلوں میں سے ایک ہے۔ وہ آدمی والی کے سامنے کھڑا تھا۔

اُس آدمی نے آپؑ کے حضور عرض کیا: آپ کو کیسے معلوم ہے کہ میں آپؑ کے غلاموں کے قاتلوں میں سے ایک ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: اگر میں تیرے سامنے اس سارے واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کردوں تو پھر تو تسلیم کرلے گا؟

اس آدمی نے کہا: جی ہاں! بخدا! میں آپؑ کی تصدیق ضرور کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تو مدینہ سے باہر گیا تو تیرے ساتھ فلاں فلاں آدمی تھے۔ آپؑ نے فرمایا: ان لوگوں کے نام یہ ہیں اور ان قاتلوں میں سے مدینہ کے حاکم کے چار غلام بھی تھے۔ باقی لوگ مدینہ کے لشکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

والیِ مدینہ نے اُس آدمی سے کہا: تجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کی قسم! سچ سچ بتا واقعہ کیا ہے۔ اگر تو نے سچ نہ بتایا تو میں اس تازیانے سے تیرے بدن کے گوشت کے چیتھڑے اُڑا

کر رکھ دوں گا۔

اُس آدمی نے کہا: بخدا! امام حسین علیہ السلام سچ فرما رہے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تھے۔ قضیہ جس طرح وجود میں آیا، آپؑ نے اس کی مکمل تفصیل دی ہے۔ پس حاکمِ مدینہ نے ان سب قاتلوں کو اپنے دربار میں حاضر کیا اور اُن سے حقیقتِ حال پوچھی۔ انھوں نے اعتراف جرم کیا۔ پس گورنر نے ان سب کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ (خرائج، ص ۲۴۷)

امام علیہ السلام سے مشورہ

اسی کتاب میں واقعہ موجود ہے کہ ایک دن ایک آدمی بارگاہِ حسینی میں پہنچا اور اُس نے ایک عورت سے تزویج کے بارے میں مشورہ کیا، کیونکہ وہ عورت صاحب ثروت تھی اور وہ مرد بھی امیر کبیر تھا۔ آپؑ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ تو اس سے عقد کرے لیکن وہ آدمی چلا گیا اور اُس نے امامؑ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اُس عورت سے عقد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ آدمی مال و ثروت سے ہاتھ دھو بیٹھا اور کنگال ہو کر رہ گیا۔

دوبارہ کچھ عرصہ بعد وہ آدمی آپ سے ملا، آپؑ نے فرمایا: اس عورت کے ساتھ تزویج کرنے میں مجھے بھلائی نظر نہیں آ رہی تھی، اس لیے میں نے تجھے اس کے ساتھ عقد کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اب تو اس عورت کو طلاق دے۔ خداوند عالم تیرے حالات اچھے کر دے گا۔ اب تو فلاں عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آ۔ پس اُس مرد نے امام علیہ السلام کے حکم پر عمل کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ غنی و تونگر ہو گیا۔ اس کے بطن سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ (الخرائج والجرائح، ج ۱، ص ۲۴۵)

داستانِ فطرس

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے جنابِ جبرئیلؑ امین کو تہنیت اور مبارک بادی کے لیے بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ اس وقت جنابِ جبرئیلؑ امین کے ساتھ فرشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی تھی۔ جب جنابِ جبرئیلؑ ملائکہ کے ساتھ زمین کی طرف آ رہے تھے تو ان کا گزر ایک جزیرہ سے ہوا کہ وہاں ایک ''فطرس'' نامی

فرشتہ پڑا ہوا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ایک دن اُس کی کسی کام پر ڈیوٹی لگائی اور اُس نے اس کام کی بجا آوری میں دیر لگائی تو اسی وجہ سے اس کے پَر گر پڑے اور اِس جزیرے میں اُسے ڈال دیا گیا۔ وہ وہاں سات سو سال سے پڑا ہوا عبادتِ خداوندی میں مصروف تھا۔ جب اُس نے جنابِ جبرئیلؑ امین کو اس شان وشوکت اور جلال و جمال کے ساتھ دیکھا کہ وہ زمین کی طرف آرہا ہے تو سوال کیا کدھر جا رہے ہو؟

جنابِ جبرئیلؑ نے کہا: ہم بارگاہِ نبوت میں جا رہے ہیں۔

فطرس نے عرض کیا: مجھے بھی بارگاہِ نبوت میں لے چلیں کہ شاید آنحضرتؐ میرے حق میں دعا فرمائیں اور میں اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرلوں۔

پس جنابِ جبرئیلؑ فطرس کو لے کر بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور اس کا حال آپؐ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فطرس کو کہیے کہ وہ اس مولود کے ساتھ اپنے جسم کو مَس کرے۔

پس فطرس نے اپنے آپ کو اس گہوارے کے قریب کیا کہ جس میں حضرت امام حُسینؑ موجود تھے۔ ان کے نورانی جسم کے ساتھ اپنے جسم کو مَس کیا تو اس وقت اللہ نے اُسے پَر و بال عطا کیے اور پھر وہ جبرئیل امینؑ کے ساتھ دوبارہ آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ (خرائج، ص ۲۴۸، ۲۵۲)[1]

مریض کو شفا مل گئی

مناقب میں زرارہ بن اعین سے روایت ہے: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، آپؑ نے اس روایت کی نسبت اپنے آباء کی طرف دی: ایک دن حضرت امام حُسین علیہ السلام ایک مریض کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے، وہ تپ میں مبتلا تھا۔ جونہی آپؑ نے اس کے گھر میں قدم رنجہ فرمایا اس مریض کا تپ مثلِ پرندے کے اُڑتا بنا۔ وہ بالکل تندرست ہوگیا۔

---

[1] یہ واقعہ اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ ملائکہ سے اللہ کے اوامر کی مخالفت اور کوتاہی نہیں ہوتی۔ (مترجم)

اس شخص نے آپؑ کے حضور عرض کیا: مجھے زبردست خوشی ہوئی ہے کہ جو کچھ اللہ نے آپؑ کو عطا فرمایا یہ حقیقت ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے تپ نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کوئی ایسی چیز پیدا ہی نہیں کی بلکہ اُسے حکم دیا گیا کہ وہ ہماری اطاعت کرے۔

جو لوگ اس مقام پر بیٹھے ہوئے تھے ان کا کہنا ہے کہ ہم نے لبیک کی آواز سنی لیکن لبیک کہنے والا ہمیں نظر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ اس وقت امام حُسین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تو اس کے قریب مت جانا، ہاں اس کے پاس جاؤ جو اس کا دشمن ہے اور اس کے پاس جاؤ جو گناہ گار ہے تا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے لیکن یہ شخص گناہ گار نہیں ہے۔ جس مریض کی بات بیان ہوئی ہے، اس کا نام عبداللہ بن شداد ہادی تھا۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۱۵، رجال کشی، ص ۸۷)

حضرت امام حُسین علیہ السلام کا مکہ میں معجزہ

جناب شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں اپنے اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: ایک خاتون خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھی۔ اُس کے پیچھے ایک مرد طواف کر رہا تھا۔ اسی دوران عورت نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اُس مرد نے عورت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا لیکن اُسی وقت ان دونوں کے ہاتھ آپس میں چسپاں ہو گئے۔ ان دونوں نے کوشش کی کہ ان کے ہاتھ جدا ہوں لیکن ان کے ہاتھ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکے۔ جب لوگوں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اُنھوں نے طواف چھوڑا اور ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے گورنر مکہ کو اس واقعے کی اطلاع کر دی۔ اُس نے فقہا کو بلا کر ان کے بارے میں پوچھا۔ ان میں سے بعض فقہا نے حکم دیا کہ مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے کیونکہ اُس نے خیانت کی ہے۔ اس میں عورت کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

گورنر نے کہا: کیا اس وقت مکہ میں رسولؐ اللہ کے فرزندوں میں سے کوئی فرزند موجود ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! حضرت امام حُسین علیہ السلام موجود ہیں۔ گورنر نے آپؑ کی خدمت

میں اپنا آدمی بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو گورنر نے کہا: ان کی طرف دیکھیے یہ کس مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا رُخ انور بیت اللہ کی طرف کیا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگنا شروع کر دی۔

آپ نے ایک طولانی دعا مانگی۔ آپ کے معجز نما ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے۔ کافی دیر تک آپ دعا مانگتے رہے۔ پھر آپ نے اپنی دعا ختم کی اور اس مرد اور عورت کی طرف دیکھا اور ان کے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

اس وقت امیر مکہ نے آپ کے حضور عرض کیا: کیا مرد کو سزا دینی چاہیے؟

آپ نے فرمایا: نہیں۔ (شیخ طوسی تہذیب، ج۵، ص ۴۷۰)

(مترجم: آپ نے اتنی طویل دعا اس لیے مانگی کہ حاضرین کو معلوم ہو جائے کہ ان ہاتھوں کے جدا ہونے کا سبب فرزندِ رسولؐ کی دعا ہے۔ یہ کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے)۔ (التہذیب، ج۵، ص ۴۷۰)

کسی میں اہلِ بیتِ رسولؐ کے فضائل سننے کی طاقت نہیں

مناقب از عبدالعزیز میں روایت ہے: ایک دن کچھ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچے اور اُنھوں نے عرض کیا: ہمیں اپنے فضائل و مناقب بتائیں۔

آپ نے اُن سے فرمایا: تم میں ہمارے فضائل سننے کی طاقت نہیں ہے، پس تم مجھ سے دُور چلے جاؤ، میں تم میں سے جس کی طرف اشارہ کروں، وہ میرے پاس آئے۔ اگر اس میں یہ طاقت ہوئی تو پھر میں تمھارے سامنے فضائل کا تذکرہ کروں گا۔

آپ نے ان میں سے ایک شخص کے سامنے اپنے فضائل و مناقب شروع کیے۔ اس دوران وہ شخص گرا اور مدہوش ہو گیا۔ پھر جب اُٹھا تو حیران و پریشان ہو کر رہ گیا۔ جب لوگوں نے اُس سے پوچھا تو وہ نہ جواب دیتا تھا اور نہ اُن سے بات کرتا تھا۔ جب ان لوگوں نے اُس شخص کی حالت دیکھی تو سب وہاں سے چلے گئے۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ ابن شہر آشوب، ج۴، ص۵۱)

شیر خوار بچے کا امام علیہ السلام کے فرمان پر بات کرنا

صفوان بن مھران نے معتبر اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت امام حُسین علیہ السلام کی بارگاہ میں دو آدمی آئے جو ایک عورت اور بچے کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے۔ دونوں دعوے دار تھے کہ یہ عورت اور بچہ اُسی کا ہے۔ آپؑ نے ان کے بیان سنے۔ بیان سننے کے بعد آپؑ نے مدعی اوّل سے فرمایا: بیٹھ جا، وہ مرد بیٹھ گیا اور جس کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے وہ وہ بچہ شیر خوار تھا۔ آنحضرتؑ نے اُس عورت سے فرمایا: اے خاتون! اس قضیہ کی مجھے حقیقت بتا۔ اس سے قبل کہ تیری ہتک عزت ہو اور تیری پردہ دری ہو اور تُو ذلیل و رسوا ہو جائے۔

اُس عورت نے جواب دیا کہ یہ جو آدمی بیٹھا ہوا ہے میں اس کی بیوی ہوں اور بچہ بھی اُسی کا ہے۔ اُس دوسرے کو مَیں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے؟

حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اُس شیر خوار سے فرمایا: جس کی ابھی بولنے کی عمر نہ تھی کہ تو اللہ کی قدرت سے بتا کہ یہ عورت سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ بول رہی ہے؟

اس شیر خوار نے اُسی وقت اللہ کی طاقت کے ساتھ عرض کیا: یہ آدمی جو بیٹھا ہے میرا باپ نہیں ہے، میرا باپ فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور وہ چوپان ہے۔

اُس وقت آنحضرتؑ نے اُس عورت کی سنگساری کا حکم جاری فرمایا۔ اُس شیر خوار نے عالمِ شیر خوارگی میں بات کی، پھر کبھی بات نہ کی۔ (ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۵۱)

اعجازِ امام علیہ السلام

اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے: ایک دن میں نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے سردار! اے میرے مولاؑ! میں آپؑ کے حضور ایک چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، اور آپ اس راز کو جانتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے اصبغ! کیا تو اُس واقعہ کو دیکھنا چاہتا ہے کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک "خاص" آدمی سے ایک خاص انداز میں خاص بات کی تھی؟

اصبغ نے عرض کیا: میری مراد بھی یہی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اُٹھیے!

اصبغ کہتا ہے: ہم اُس وقت کوفہ میں تھے۔ اچانک میں نے اپنے آپ کو امامؑ کے ہمراہ مسجد قبا میں دیکھا۔ اُس وقت امامؑ نے تبسم فرمایا اور کہا: اے اصبغ! اللہ تعالیٰ نے جنابِ سلیمانؑ پیغمبر کے لیے ہوا کو مسخر کیا تھا۔ وہ صبح سے چاشت کے وقت تک ایک ماہ کا فاصلہ طے کرتی تھی اور شام کو بھی ایک ماہ کا فاصلہ طے کرتی تھی لیکن اللہ نے ہمیں اُس سے زیادہ عطا کر رکھا ہے کہ ہم چشم زدن میں جہاں چاہیں پہنچ سکتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ ہم ہوا کے بغیر پلک جھپکنے سے قبل کوفہ سے قبا پہنچے ہیں۔

اصبغ کہتا ہے: میں نے آپؑ کے حضور عرض کیا: آپؑ نے سچ فرمایا: واقعی ایسا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کتاب اللہ کا علم میرے سامنے ہے۔ جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے میں جانتا ہوں۔ جو میرا مقام ہے، وہ کسی اور کا نہیں ہے کیونکہ اللہ کے راز میرے پاس ہیں۔ آپؑ نے تبسم فرمایا اور کہا: ہم ہی آلِ اللہ ہیں اور ہم ہی وارثانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اصبغ کا کہنا ہے کہ میں نے عرض کیا: اللہ نے جو نعمات آپؑ کو عطا کر رکھی ہیں، میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ آپؑ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد قبا کے اندر داخل ہو جا، جب میں مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی کہ آپؐ نے عبا کو اپنے اُوپر لپیٹ رکھا تھا۔ پھر میری نگاہ امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام پر پڑی جو ایک آدمی کے گریبان میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔

اصبغ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک کو اپنے دندانِ مبارک پر رکھا ہوا تھا اور اُس آدمی سے فرما رہے تھے کہ تم نے اور تیرے دوستوں نے میری آل کا میرے بعد اس طرح خیال رکھا ہے، تم پر اللہ کی اور میری لعنت ہو۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۵۳)

(مترجم: یہاں بات اشاروں سے کی گئی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اصبغ کے سامنے تبسم فرمایا کیونکہ اصبغ چشم زدن میں امامؑ کے ساتھ کوفہ سے قبا آیا تھا کیونکہ آپ سمجھتے تھے شاید اصبغ کے قلب پر اضطراب وارد ہوا ہے۔ آپؑ نے اس لیے تبسم فرمایا تاکہ اصبغ کو سکون مل جائے)۔

مترجم دوبارہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس واقعہ کو، جو جناب امیر علیہ السلام اور ایک آدمی کے درمیان ہوا، کو شیخ بزرگوار جناب صفار اور دوسرے علما نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب حضرت امیر المومنینؑ کے حقوق کو غصب کیا گیا تو ایک دن آنحضرتؑ نے اُس آدمی سے فرمایا تھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا۔ تو اُس نے جواب دیا تھا: کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا حکم دیتے تو میں ضرور اطاعت کرتا۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے اُسے فرمایا: اگر تو اس وقت رسولؐ خدا کو دیکھے اور وہ تجھے میری اطاعت کا حکم دیں تو کیا قبول کرے گا اور میری اطاعت کرے گا۔

اُس نے عرض کیا: جی ہاں وہ ضرور اطاعت کرے گا۔

جناب امیر علیہ السلام نے اُسے کہا: میرے ساتھ آ، جب وہ دونوں مسجد قبا پہنچے تو اُس آدمی نے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہوئے دیکھا کہ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جناب امیر علیہ السلام نے ان کے حضور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس آدمی نے میرا انکار کیا ہے حالانکہ آپؐ نے اسے میری اطاعت کا حکم دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس آدمی سے فرمایا: میں نے تجھے کئی بار نہیں کہا تھا کہ تم علیؑ کی اطاعت کرنا، جاؤ اور ان کی اطاعت کرو۔ اُس آدمی نے جب اس امر کا مشاہدہ کیا تو بڑا خوف زدہ ہوا۔ راستے میں اُسے ایک آدمی ملا۔ اُس نے اُسے سارا حال بتا دیا۔ اُس نے کہا: وہ لوگ مارے جائیں، جنھوں نے تجھے یہ مقام دیا ہے۔ یہ بنوہاشم کا ایک جادو ہے۔

کیونکہ یہ واقعہ اصبغ کی نگاہ میں عجیب و غریب تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے اطمینان

کی خاطر امام حُسین علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا۔

''آل اللہ'' سے مراد وہ گروہ ہے کہ جن کو اللہ نے اپنی اطاعت کے لیے مخصوص کیا ہوا ہے اور اُنھیں اپنے راز عطا کر رکھے ہیں۔ دین مُبین کی اعانت کے لیے اللہ نے اُنھیں اپنے رازوں کے خزانے عطا کر رکھے ہیں، اس لیے وہ آل اللہ ہیں۔

مصنف نے مختلف احادیث میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جس وقت حضرت امام حُسین علیہ السلام مکہ سے عراق کی طرف جانا چاہتے تھے تو عبداللہ بن زبیر نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

ابوسعید کا کہنا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ جب ابن زبیر نے امام علیہ السلام کو روکا تو امام علیہ السلام نے ابن زبیر کی طرف رُخ کیا اور پھر حاضرین سے فرمایا: یہ آدمی مجھے یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں حرم کا کبوتر بن جاؤں، اگر میں مارا جاؤں تو میرے اور حرم کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ اگر میں دریا کنارے مارا جاؤں تو وہ حرم میں قتل ہونے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سرخ ریت کے صحرا میں قتل ہونا حرم میں قتل ہونے سے بہتر ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے ابن زبیر! اگر میں دریائے فرات کے کنارے دفن ہوجاؤں تو یہ آستانِ کعبہ میں مدفون ہونے سے بہتر ہے۔

(مترجم: اس سے امام علیہ السلام کا مقصود اپنی شہادت کی خبر دینا تھی کہ وہ کربلا میں شہید ہوں گے اور عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں مارا جائے گا۔ آپ نے اُسے بتا دیا تھا کہ تو مکہ میں قتل ہوجائے گا لیکن اُس نے امام علیہ السلام کی بات کو نہیں سمجھا تھا۔ اگر سمجھا بھی تھا تو پرواہ نہیں کی تھی۔ آخر ابن زبیر مکہ میں قتل ہوا)۔

بیت اللہ کی طرف حضرت امام حُسین علیہ السلام کا پیدل جانا

صاحبِ کتاب نجوم نے ''کتاب دلائل حمیری'' سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک سال حضرت امام حُسین علیہ السلام نے بیت اللہ کی طرف پیادہ سفر کیا۔ پیدل چلنے کی وجہ سے آپؑ کے پاؤں مبارک پر ورم آگئے تھے۔ آپؑ کے کسی

دوست نے عرض کیا: آپؑ سواری پر سوار ہوجائیں تاکہ آپؑ کے قدم مبارک کو سکون مل سکے۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: میں سواری پر ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔ جب ہم منزل کے قریب پہنچیں گے تو ایک سیاہ رنگ کا آدمی تیرے پاس آئے گا۔ اس کے پاس روغن ہوگا۔ اُس روغن کو ہر قیمت پر خرید لینا۔ اُس آدمی نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوجائیں۔ ہمارے راستے میں کوئی گھر وغیرہ نہیں ہے کہ وہاں کوئی ہو اور وہ ہمیں روغن بیچے۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں گھر ہے، وہ آدمی ہمیں ضرور ملے گا۔

جونہی ایک میل کا سفر طے ہوا تھا کہ ایک سیاہ چہرے والا مرد سامنے آیا۔ آنحضرتؑ نے اپنے غلام سے کہا: جاؤ یہ وہی آدمی ہے، جس کے بارے میں میں نے تمھیں کہا ہے، اس سے روغن خرید لو۔ جب وہ غلام اس سیاہ مرد کے پاس آیا کہ اُس سے روغن خریدے۔ اُس نے کہا: تم یہ روغن کس لیے خریدنا چاہتے ہو؟ اُس نے کہا: میں اپنے آقا حضرت امام حُسین علیہ السلام کے لیے خریدنا چاہتا ہوں۔ اُس آدمی نے وہ روغن اس غلام کے حوالے کیا اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا:

اے فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ کا محب ہوں۔ میں آپؑ سے اس روغن کی قیمت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ میری درخواست ہے آپؑ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بے عیب فرزند عطا فرمائے جو وہ آپؑ کا دوست ہو۔ میں جب آپؑ کی طرف آیا اُس وقت میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا تھی۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: واپس جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمھیں بے عیب بیٹا عطا کیا ہے۔

جب وہ مرد واپس اپنے گھر آیا تو اُس نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے بچے کو جنم دے رکھا ہے اور بچہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ وہ آدمی دوبارہ آپؑ کے حضور آیا اور عرض کیا: اس کے بچے کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی: پس آنحضرتؑ نے اس روغن سے اپنے پاؤں کی مالش کی۔ ایک لحظہ میں ورم زائل ہوگیا۔ (فرج الھموم، ص ۲۲۶، الکافی، ج ۱، ص ۴۶۳)

(مصنف نے فرمایا ہے کہ یہ حکایت حضرت امام حسن علیہ السلام کے معجزات میں موجود ہے۔ اس قضیہ کا صدور دونوں بزرگواروں سے بغیر کسی کمی یا زیادتی کے بسیار بعید ہے۔ ظاہری صورت میں یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے معجزات میں سے دکھائی دیتا ہے)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعۂ کربلا کی خبر دینا

علامہ طبری نے کتاب دلائل الامامت میں حذیفہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جب حضرت امام حسین علیہ السلام ابھی طفلِ صغیر تھے۔ آپؑ نے فرمایا: بخدا! اُموی طاغوت میرے قتل کے لیے ہر صورت جمع ہوں گے اور ان کے لشکر کا امیر عمر بن سعد ہوگا۔

حذیفہ کہتے ہیں: میں نے آپؑ کے حضور عرض کیا: اس امر کی خبر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: مجھے خود بھی معلوم ہے۔

حذیفہ کہتے ہیں: میں نے اس واقعے کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو آپؐ نے فرمایا: میرا علم اُس کا علم ہے اور ان کا علم میرا علم ہے۔ ابھی کوئی واقعۂ معرضِ وجود میں بھی نہیں آتا کہ ہم اُسے جانتے ہیں۔ جو واقعہ ہونے والا ہوتا ہے، اس کے وقوع سے پہلے ہم اُسے جان لیتے ہیں۔ (شیخ حسین عبدالوہاب، عیون المعجزات، ص ۵۶، شیخ صدوق: من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص ۵۳۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دُعا سے بارش کی آمد

کتاب عیون معجزات میں سید مرتضیٰؒ سے روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ایک دن اہلِ کوفہ نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی بارگاہ میں قحط سالی کی شکایت کی: مولاؑ! کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی۔ آپؑ دعا فرمائیں کہ بارش ہوجائے۔

جناب امیر علیہ السلام نے اپنے نوردیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا:

بیٹا! ان کے لیے بارش کی دعا کیجیے۔ پس امام حسین علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں اپنے خالق کی حمد و ثنا کی۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا، پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ مُعْطِيَ الْخَيْرَاتِ وَمُنْزِلَ الْبَرَكَاتِ أَرْسِلِ السَّمَاءِ عَلَيْنَا مِدْرَارًا وَاسْقِنَا غَيْثًا مِغْزَارًا وَاسِعًا غَدَقًا مُجَلِّلاً سَحًّا سَفُوحًا فِجَاجًا تُنَفِّسُ بِهِ الضَّعْفَ مِنْ عِبَادِكَ وَتُحْيِي بِهِ الْمَيْتَ مِنْ بِلَادِكَ آمِينَ رَبَّ الْعَالَمِينَ

"اے اللہ! جو خیرات عطا کرنے والا ہے اور اپنی برکات نازل کرنے والا ہے، پس ہماری طرف بارش برسانے والا بادل بھیج اور ہمیں موسلادھار بارش سے سیراب فرما، جو زمین کے تمام اطراف کو اپنی لپیٹ میں لے لے، اور اس کے ذریعے اپنے بندوں کی کمزوری و احتیاج کو دُور فرما اور اس کے ذریعے مُردہ زمینوں کو زندہ کر"۔

جونہی آپؑ کی فصیح و بلیغ دعا ختم ہوئی اچانک خداوند تعالیٰ نے بغیر کسی توقف کے موسلادھار بارش برسائی کہ ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ کوفہ کے نواحی علاقے سے ایک آدمی آیا۔ اس نے رپورٹ دی کہ برساتی نالوں میں اتنا پانی ہے کہ ہر طرف طغیانی آئی ہوئی ہے۔ (عیون المعجزات، ص ۵٦، من لا یحضرہ الفقیہ، ج ا، ص ۵۳۵)

(مترجم: بارش کا اس قدر برسنا کہ برساتی نالوں کی موجیں اس قدر بلند ہوئیں، یعنی ہر طرف بیابانوں میں پانی جاری ہوگیا اور مکمل علاقے سیراب ہوگئے)۔

اجابتِ سریعہ

اسی کتاب میں عطا بن سائب نے اپنے بھائی سے روایت کی کہ میں کربلا کی جنگ میں موجود تھا کہ عاشورا کے دن ایک آدمی جو قبیلہ بنو تمیم کا تھا، جس کا نام عبیداللہ بن جویرہ تھا۔ ابن زیاد کے لشکر سے نکلا اور امام حسین علیہ السلام کو آواز دی: یا حسینؑ!

اس وقت آپؑ نے فرمایا: تو کیا کہنا چاہتا ہے؟

اس شقی نے کہا: تمھیں جہنم کی بشارت ہو (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بارگاہِ خداوندی میں ایک خاص مقام رکھتا ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بھی ایک بہت بڑا مقام رکھتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تو کون ہے؟

اس شقی نے کہا: میں ابن جویرہ ہوں۔

پس آنحضرتؑ نے بارگاہِ خداوندی میں اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ اس وقت آپؑ کے زیرِ بغل سفیدی دیکھی گئی۔ آپؑ نے فرمایا: اے میرے پروردگار! اس آدمی کو جہنم داخل فرما۔

جس وقت اس ملعون نے آپؑ کی گفتار سنی تو اس نے غضب ناک ہوکر آپؑ پر حملہ کیا تو اس ملعون کا گھوڑا مضطرب ہوا، لڑکھڑایا اور بدکا۔ اس ملعون کے پاؤں رکاب میں پھنس گئے۔ گھوڑا پوری شدت کے ساتھ بھاگنے لگا اور اس کا سر زمین پر پڑے پتھروں سے ٹکرا رہا تھا۔ آخر اس کی پنڈلیاں اس کے جسم سے جدا ہوگئیں اور رکابوں میں اس کے بدن کا ایک حصہ پھنسا ہوا تھا۔ آخر اس ناپاک کی ناپاک روح ناپاک جسم سے نکلی اور جہنم رسید ہوگیا۔ (عیون المعجزات، ص ۵۷)

منور پیشانی اور منور گلوئے مبارک

بعض معتبر کتب میں منقول ہے: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کسی مقام پر تاریکی میں تشریف فرما ہوتے تھے تو لوگ آپؑ کو پہچان لیتے تھے کیونکہ آپؑ کی پیشانی مبارک اور آپؑ کا نازنین گلا ہمیشہ منور ہوتے تھے۔ اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوسے تھے کیونکہ آپؐ اپنے نواسے کے گلے اور پیشانی کے بہت زیادہ بوسے لیتے تھے۔ (ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۵)

حضرت جبرئیل امینؑ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ باتیں کرنا

مروی ہے: ایک دن جناب جبرئیل امینؑ زمین کی طرف تشریف لائے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر آئے۔ اس وقت حضرت زہراؑ محوِ خواب تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے گہوارے میں گریہ کر رہے تھے۔ پس جبرئیلؑ آپؑ کے گہوارے کے قریب آئے اور آپ کو لوریاں دینے لگے۔ اس طرح جس طرح ایک شفیق ماں اپنے بچے کو گریہ سے ساکن کرنے کے لیے خنداں آمیز باتیں کرتی ہے۔

جس وقت جناب زہرا سلام اللہ علیہا نیند سے بیدار ہوئی تو انھوں نے کسی کی آواز سنی

جو امام حسین علیہ السلام سے محوِ گفتگو تھا لیکن بولنے والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پس جب دخترِ رسولؐ بارگاہِ رسالت میں پہنچیں اور یہی واقعہ گوش گزار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنابِ جبرئیلؑ تھے۔

مصنف نے بیان کیا کہ کچھ معجزات کا ذکر ہو چکا ہے۔ باقی معجزات کا بیان بابِ شہادت میں ان شاء اللہ آئے گا یا شہادت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ان کا بیان اگلے صفحات میں اپنے مقام پر موجود ہے۔

***

باب سوم

مکارم اخلاق، تاریخِ ولادت وشہادت

حضرت سید الشہدا علیہ السلام

اخلاقِ کریمانہ

حضرت امام حسین علیہ السلام مکارمِ اخلاق کی ان رفعتوں پر پہنچے ہوئے تھے، جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک دن اس شہزادہ کا گزر کچھ مساکین کے قریب سے ہوا جو اپنی عبا پر روٹی رکھے ہوئے تھے اور اُسے کھانے میں مصروف تھے۔ جب آپؑ ان کے قریب ہوئے تو ان کو سلام کیا۔ انھوں نے آپؑ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپؑ نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے۔ آپؑ نے ان سے فرمایا: اگر تمھاری یہ غذا صدقات نہ ہوتی تو میں ضرور تناول کرتا، میں نے تمھاری دعوت قبول کی ہے۔ اب تم میری دعوت کو قبول کرو۔ میرے پاس میرے گھر آؤ پس وہ مساکین وہاں سے اُٹھ کر امام علیہ السلام کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ آپؑ نے اپنی کنیز سے فرمایا: جو کچھ گھر میں موجود ہے، باہر معزز مہمان تشریف فرما ہیں، ان کے لیے لے آیئے۔ پس ان لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر آپؑ نے اُنھیں قیمتی لباس عطا کیے اور اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ انھیں وافر مقدار میں درہم بھی دیے جائیں۔

عیاشی کی روایت کے مطابق آپؑ نے ان مساکین کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ آپؑ نے یہ بھی فرمایا: خداوند تعالیٰ متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ (محمد بن مسعود عیاشی، تفسیر العیاشی، ج ۲، ص ۲۵۷)

مقروض کا قرض ادا کرنا

عمرو بن دینار کے مناقب میں روایت ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دن اُسامہ بن زید کے گھر تشریف لے گئے تو اُسے بہت زیادہ حیران و سرگرداں دیکھا جو اُس وقت وہ حسرت آمیز گفتگو کر رہا تھا۔

آپؑ نے اُس سے پوچھا: اے برادر جان! تو اتنا کیوں پریشان ہے؟
اُس نے جواب دیا: میں اس وقت ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔
آپؑ نے فرمایا: تمھارا یہ قرض مَیں ادا کروں گا۔
اُس نے آپؑ کے حضور عرض کیا: مجھے خوف ہے کہ میں مرجاؤں اور میرا قرض باقی رہ جائے۔

آپؑ نے فرمایا: تیری زندگی میں مَیں تیرا قرض ادا کروں گا۔ آپؑ نے اس کی وفات سے قبل اس قرض کو ادا کردیا۔

آپؑ کی ملکوتی باتیں

بادشاہوں کی بدترین خصلتوں میں سے ہے کہ انھیں ہر وقت اپنے دشمنوں کے خوف کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ وہ کمزور لوگوں پر سختی کرتے رہتے ہیں اور ضرورت مندوں سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ (مناقب آلِ ابی طالب، ج ۴، ص ۶۵)

بستن زبان طعن بوسیلہ احسان

کتاب انس المجالس میں مروی ہے: ایک دن فرزدق شاعر حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں آیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب مروان نے فرزدق کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرزدق کو چار صد درہم عطا کیے۔ بعض حاضرین نے اعتراض کیا کہ فرزدق ایک فاسق و فاجر شاعر ہے، اُسے زجر و توبیخ کرنا تھا نہ کہ اس پر انعام واحسان کرنا تھا۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: بہترین مال وہ ہے، جس سے عزت و آبرو کی حفاظت کی جاسکے۔ آپؑ نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن زہیر پر کرامت فرمائی تھی، اُسے مال دیا تھا اور آپؐ نے عباس بن مرداس کے بارے میں فرمایا تھا کہ صلہ و احسان کے ذریعے اس کی زبان کو بند کیجیے۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۵)

اندازِ سخاوت

مروی ہے: ایک اعرابی مدینہ آیا۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا: مدینہ میں سخاوت کے اعتبار سے سب سے زیادہ شہرت کون رکھتا ہے؟

لوگوں نے کہا: فرزندِ رسولؐ حضرت امام حُسین علیہ السلام سخی ترین انسان ہیں۔ پس وہ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اُس وقت امام علیہ السلام مصروفِ نماز تھے۔ وہ آپؑ کے برابر آیا اور آپؑ کی شان میں یہ اشعار پڑھے:

لَمْ یَخِبِ الْاٰنَ مَنْ رَجَاكَ وَمَنْ
حَرَّكَ مِنْ دُوْنِ بَابِكَ الْحَلْقَهْ
اَنْتَ جَوَادٌ وَاَنْتَ مُعْتَمَدٌ
اَبُوْكَ قَدْ كَانَ قَاتِلَ الْفَسَقَهْ
لَوْلَا الَّذِیْ كَانَ اَوَائِلُكُمْ
كَانَتْ عَلَیْنَا الْجَحِیْمُ مُنْطَبِقَهْ

"وہ شخص ہرگز ہرگز نااُمید نہیں ہوسکتا کہ جس کسی نے تیرے جود و کرم سے اپنی اُمیدیں وابستہ کیں، جس کسی نے تیرے دروازے کے حلقہ کو حرکت دی اور دق الباب کیا۔ آپؑ کریم و سخی و جواد ہیں۔ آپؑ بے چارے لوگوں کی پناہ گاہ ہیں اور ان کی داد و فریاد سننے والے ہیں۔ آپؑ کے والد بزرگوار فاسقین کو قتل کرنے والے تھے۔ اگر آپؑ کے بزرگوار نہ ہوتے تو ہم دوزخ میں جلتے رہتے۔ ہم نے آپؑ کے بزرگواروں اور آپؑ کے ذریعے جہنم سے نجات حاصل کی"۔

جب آنحضرتؑ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے قنبر سے فرمایا: مالِ حجاز میں کوئی چیز موجود ہے؟

اس نے عرض کیا: چار ہزار دینار پڑے ہیں۔

پس آپؑ نے فرمایا: وہ مال میرے پاس لے آ، جو آدمی میرے پاس آیا ہے وہ اس

مال کا اہل ہے۔ آپؑ وہاں سے اُٹھے اور خانۂ اقدس پر تشریف لے گئے۔ آپؑ نے اپنی چادر جسم شریف سے اُتاری اُسی میں وہ چار ہزار دینار باندھے اور اپنے دست معجز نما سے ایک شگاف سے باہر کیے کیونکہ آپؑ اس رقم کو ایک معمولی رقم سمجھ رہے تھے اور آپؑ کو سائل سے شرم آرہی تھی۔ آپؑ نے وہ رقم چادر میں بندھی ہوئی اس اعرابی کے حوالے کی اور ازراہِ معذرت ان اشعار کو اپنی زبانِ اقدس پر جاری فرمایا:

خُذْهَا فَاِنِّیْ اِلَیْكَ مُعْتَذِرٌ
وَاعْلَمْ بِاَنِّیْ عَلَیْكَ ذُوْشَفَقَهْ
لَوْ كَانَ فِیْ سَیْرِنَا الْغَدَاةَ عَصَا
اَمْسَتْ سَمَانَا عَلَیْكَ مُنْدَفِقَهْ
لٰكِنَّ رَیْبَ الزَّمَانِ ذُوْغِیَرٍ
وَالْكَفُّ مِنِّیْ قَلِیْلَةُ النَّفَقَهْ

"اس تھوڑے سے حقیر مال کو لے لو میں اپنے معزز مہمان سے معذرت خواہ ہوں لیکن تم یقین رکھو، میں تجھ پر مہربان ہوں تم میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکے ہو۔ اگر آج میرے پاس ریاست ظاہری ہوتی تو میرے جود وعطا کا آسمان تم پر خوب برستا لیکن حوادثِ زمانہ نے مجھے اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے کہ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ تیری تمام ضروریات کو پورا کروں"۔

آپؑ کا حوادث روزگار کی شکایت کرنے کا مفہوم یہ تھا کہ غاصبین نے ہمارے حقوق کو غصب کر رکھا ہے۔ ہماری جو منزلت تھی، لوگوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔

پس اس اعرابی نے وہ مال لیا اور رونا شروع کر دیا۔

یہ دیکھ کر آپؑ نے فرمایا: شاید مال کم ہے اس لیے تو رُو رہا ہے۔

اُس نے عرض کیا: آپؑ کا مال ایک بہت بڑا مال ہے میں نے اسے کم نہیں سمجھا ہے میرے رونے کی وجہ اور ہے۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ آپؑ جیسا آسمانِ سخاوت آخر اس دنیا

سے چلا جائے گا اور خاک میں پنہاں ہو جائے گا۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۵)

پشتِ مبارک پر زخم

شعیب بن عبدالرحمن خزاعی سے روایت ہے: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو فرات کے کنارے پر شہید کر دیا گیا تھا تو اس وقت آپؑ کی پشتؑ مبارک پر زخم دیکھا گیا جو نیزہ و شمشیر کا زخم نہیں تھا۔

اس زخم کے بارے میں لوگوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: آپؑ راتوں کو آٹا اور روٹیاں اور دوسرا سامان اُٹھاتے اور یتامیٰ اور مساکین اور بیوگان کے گھروں پر جاتے اور ان میں تقسیم فرماتے تھے۔ یہ آپؑ کی زندگی کا معمول تھا۔ یہ زخم بوجھ اُٹھانے سے ہوا ہے۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ص ۶۶)

معلمِ قرآن کی پذیرائی

عبدالرحمن سلمی جو معلمِ قرآن تھے۔ اُس نے آپؑ کے کسی فرزند کو سورۂ حمد کی تعلیم دی۔ جب آپؑ کے فرزند نے آپؑ کو سورۂ حمد سنائی تو امام حسین علیہ السلام نے اس استاد کو ایک ہزار دینار اور ایک ہزار قیمتی لباس عطا کیے اور اس کے دھن کو موتیوں اور جواہر سے پُر کر دیا۔

حاضرین میں سے کسی نے آپؑ پر اعتراض کیا کہ آپؑ نے معمولی کام کا اتنا بڑا معاوضہ دیا ہے۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: جس قدر اس استاد نے میرے بچے کو عطا کیا ہے۔ یہ مال جو میں نے اُسے پیش کیا ہے، اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے اپنی زبانِ مبارک پر یہ اشعار جاری فرمائے:

اِذَا جَادَتِ الدُّنْیَا عَلَیْکَ فَجُدْبِهَا
عَلَی النَّاسِ طُرًّا قَبْلَ اَنْ تَتَفَلَّتْ
فَلَا الْجُودُ یُفْنِیْهَا اِذَا هِیَ اَقْبَلَتْ
وَلَا الْبُخْلُ یُبْقِیْهَا اِذَا مَا تَوَلَّتْ

"جس وقت دولت و مال ومنال و جاہ وجلال دنیا نے تجھ پر ہجوم کر رکھا ہو پس تو اُسے ہر ضرورت مند پر خرچ کر اور اپنی جود وسخا کے دریا بہا دے اس سے قبل کہ دنیا تجھ سے اپنا رُخ پھیرے۔ جب دنیا نے تیری طرف رُخ کیا ہوا ہے تو یہ مالِ دنیا جود وسخاوت سے کم نہیں ہوتا۔ جس زمانے میں یہ مال ومنال تجھ سے روگردان ہو جائے تو بخل و سختی مال و دولت کو باقی اور پائیدار نہیں بناتے"۔ (ارشاد القلوب، ج۱، ص ۱۳۸، دیوانِ امام علیؑ، ص ۶۲)

عفو و بخشش

صُولی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حُسین علیہ السلام اور حضرت محمد بن حنفیہ کے درمیان شکایت آمیز گفتگو ہوئی۔ جب دونوں بزرگوار ایک دوسرے سے دُور ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے آپؑ کی طرف خط لکھا:

امابعد! اے برادر! آپؑ کے اور میرے والد امام علی علیہ السلام ہیں۔ از جہت پدر آپؑ مجھ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے۔ آپؑ کی والدہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر ہیں۔ اگر یہ تمام زمین سونے سے بھر جائے اور میری والدہ اس کی مالک ہو جائے باوجود اس مال ومتاع، میری ماں آپؑ کی والدہ کے فضائل کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ جس وقت آپؑ میرا خط پڑھ لیں تو میرے پاس تشریف لائیں کیونکہ آپؑ کی ذات والاصفات عفو وغفران کی سزاوار ہے۔

جب اس معدنِ جود وکرم نے محمد بن حنفیہ کے خط کو پڑھا۔ اُسی وقت آپؑ اُس کے گھر تشریف لے گئے اور اُسے راضی وخوشنود فرمایا۔ پھر ان کے درمیان کوئی شکایت آمیز گفتگو نہ ہوئی۔ (دیوانِ امام علیؑ، ص ۶۲، ارشاد القلوب، ج۱، ص ۱۳۸)

شجاعتِ حضرت امام حُسین علیہ السلام

مناقب میں آپؑ کی شجاعت و دلیری کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں۔

ایک روایت میں ہے: ایک دفعہ گورنر مدینہ ولید بن عتبہ اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کے درمیان ایک مزرعہ کے بارے میں تنازع واقع ہوا۔ آپؑ نے ولید کا عمامہ اس کے سر سے اُٹھایا اور اس کی گردن میں ڈال دیا اور اُسے زمین پر گرا دیا۔ اس وقت مروان بن حکم نے کہا: میں نے اس قدر جرأت و بہادری آج تک نہیں دیکھی کہ جس طرح جناب امام حُسین علیہ السلام نے حاکمِ شہر کے ساتھ سلوک کیا۔ مروان کے ان کلمات پر ولید نے تعجب کیا اور کہا: بخدا! تو نے یہ الفاظ میری خیر خواہی کے لیے اپنی زبان پر جاری نہیں کیے۔ لیکن تو نے میرے حلم و بُردباری کے مقابلے میں حسینؑ کے غضب و خشم پر حسد کیا۔ تو نے میرے اور ان کے درمیان فساد و فتنہ کی آگ کو بھڑکانا چاہا۔ یہ حقیقت ہے کہ مزرعہ حسینؑ کا مال ہے، حق ان کے ساتھ ہے۔

جس وقت ولید کی اس گفتگو کو اس معدن علم و حلم نے سنا تو ولید سے فرمایا: اے ولید! یہ کھیت اب تیرا ہے۔ آپؑ وہاں سے اُٹھے اور وہی کھیت ولید کے حوالے کر دیا۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ص ۶۷)

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے

آپؑ کی جواں مردی و شجاعت کے بارے میں روایت ہے: روزِ عاشورا عمر سعد کے لشکر سے کسی ملعون نے آواز لگائی کہ اے حسینؑ! اپنے چچا کے بیٹوں کی اطاعت کر لو یعنی یزید ملعون کی بیعت کر لو۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: بخدا! ایسا نہیں ہوگا، میں ہرگز ذلت و خواری کے ساتھ اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔ میں تمھارے سامنے غلاموں اور کمزوروں کی طرح نہیں بھاگوں گا اور نہ تمھارے سامنے غلاموں کی طرح تعمیل کروں گا۔ بعدازیں آپؑ نے لشکرِ اشقیاء کو آواز دی:

اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ

"اے بندگانِ عاصیانِ خدا! میں اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس متکبر و جبار سے جس کا روزِ جزا و حساب پر ایمان نہیں ہے۔" (سورۂ غافر (مومن)، آیہ ۲۷)

پھر آپؑ نے فرمایا: اس زندگی سے جو ذلت وخواری سے دوچار ہو موت بہتر ہے۔

آپؑ نے اپنی شہادت کے دن فرمایا تھا:

اَلْمَوْتُ خَيْرٌ مِنْ رُكُوْبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوْلَى مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

وَاللهِ مَا هٰذَا وَهٰذَا جَارِيْ

بعض نسخوں میں وَاللهِ مِنْ هٰذَا وَهٰذَا جَارِيْ کے کلمات ہیں۔(علی بن عیسیٰ اربلی، کشف الغمہ، ج۲، ص ۳۲)

"آپؑ نے فرمایا: عزت و جوانمردی کے ساتھ قتل ہونا عار و شنار اور ذلت وخواری کی زندگی سے بہتر ہے"۔

اس سے آپؑ کی مراد یزید ملعون کی بیعت اور ابن زیاد کی اطاعت تھی۔ ذلت و عار کے بالمقابل حوادث و مشکلات میں اُترنا آسان ہے۔(مناقب آلِ ابی طالب، ج ۴، ص ۴۸، اعلام الوریٰ، ص ۲۹۸؛ کشف الغمہ، ج ۲ ص ۳۲)

گویا امام بزرگوار کی مراد اس کلام معجزنما سے یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی دو امروں کے درمیان تردد کا شکار ہوجائے۔ ایک طرف عزت و شجاعت کے ساتھ قتل ہونا ہو اور دوسری طرف ذلت و رسوائی کی زندگی تو پھر اگر امر خداوندی کی مخالفت نہ ہو تو پھر قتل ہونا بہتر ہے۔

جفائے زمانہ و دنیا

حلیہ میں مسطور ہے کہ محمد بن حسن سے مروی ہے: جب روز عاشور لشکرِ اشقیاء نے امام علیہ السلام کو ہر طرف سے گھیر لیا اور آپؑ نے جان لیا کہ اب یہ کافر ضرور مجھ سے جنگ کریں گے تو آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

قَدْ نَزَلَ مَا تَرَوْنَ مِنَ الْاَمْرِ وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوْفُهَا وَاسْتَمَرَّتْ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ وَاِلَّا خَسِيْسُ عَيْشٍ كَالْمَرْعَى الْوَبِيْلِ اَلَا تَرَوْنَ الْحَقَّ لَا يُعْمَلُ بِهٖ وَالْبَاطِلَ لَا يُتَنَاهٰى عَنْهُ لِيَرْغَبَ الْمُؤْمِنُ فِيْ لِقَاءِ اللهِ وَاِنِّيْ لَا اَرَى الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا بَرَمًا

"آزمایش و ابتلا نازل ہو چکی ہے جو تمھارے سامنے ہے جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ دنیا منقلب ہو چکی ہے۔ ہر اچھائی و نیکی ہم سے رُوگردان ہو چکی ہے اور اُس نے بدترین شکل اختیار کرلی ہے۔ اب اس میں اس قدر اچھائیاں باقی ہیں جتنی کسی برتن کی تہہ میں باقی رہ جانے والی تلچھٹ ہوتی ہے۔ اب زندگی کچھ اس طرح ذلت آمیز اور پست تر ہوگئی ہے جیسے کوئی چراگاہ اُجڑ جاتی ہے جس کی طراوت و زیبائی ختم ہوجاتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں حق پر عمل نہیں ہو رہا اور کوئی باطل سے روکنے والا نہیں ہے۔ ان حالات میں ایک مومن عاقبت اندیش وسعادت کیش پر لازم ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ملاقات کی آرزو کرے۔ میں جوانمردی و جانبازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا ذلت و ملال و حقارت ہے"۔ (مجموعۂ ورام، ج ۲، ص ۱۰۲، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۲، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۸)

(مترجم: یہ خطبہ شریفہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ورودِ کربلا کے موقع پر ان شاء اللہ آئے گا)۔

حرکت بہ سُوئے کربلا

مروی ہے: جب آنحضرتؑ کربلا کی طرف متوجہ ہوئے تو آپؑ نے قبیلہ اوس کے ایک آدمی کے اشعار پڑھے جب وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کے لیے نکلا تو اس کے چچازاد بھائی نے روکا تھا کہ اُدھر نہ جاؤ ورنہ قتل ہوجاؤ گے تو اس مجاہد نے یہ اشعار پڑھے تھے:

امام علیہ السلام نے اس کے اشعار کو اپنی زبان پر جاری فرمایا۔

سَأَمْضِي فَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتَى

إِذَا مَا نَوَى خَيْراً وَجَاهَدَ مُسْلِمًا

وَوَاسَى الرِّجَالَ الصَّالِحِيْنَ بِنَفْسِهِ
وَفَارَقَ مَذْمُوماً وَخَالَفَ مُجْرِمًا
أُقَدِّمُ نَفْسِی لَا أُرِیْدُ بَقَاءَهَا
لِتَلْقَی خَمِیْسًا فِی الْهِیَاجِ عَرَمْرَمَا
فَإِنْ عِشْتُ لَمْ أُرْغَمْ وَ إِنْ مِتُّ لَمْ أُلَمْ
كَفَی بِكَ ذُلًّا أَنْ تَعِیْشَ فَتُرْغَمَا

''میں ضرور جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کروں گا۔ ایک نوجوان بہادر کے لیے موت کوئی ننگ و عار نہیں ہے۔ جب اس کی نیت میں خیر خواہی ہو اور وہ دین اسلام کے لیے جدوجہد کرنا چاہتا ہو، وہ اپنی جان عزیز کو نیک و صالح لوگوں پر قربان کرے گا اور ہر اُس آدمی سے جدائی اختیار کرے گا جو معیوب و مذموم ہے اور وہ کہ جس نے ضلالت وگمراہی کا راستہ اپنایا ہے۔ میں تمام لوگوں پر سبقت کروں گا میں فانی زندگی کو نہیں اپنانا چاہتا۔ میں میدانِ جنگ میں سب سے آگے رہوں گا۔ مجھے نفس کی بقا نہیں چاہیے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملاقات ہوگی۔ پس اگر میں قتل نہ ہوا اور زندہ واپس آیا تو ذلت وخواری سے دُور رہوں گا۔ اگر قتل ہوگیا تو مجھے کوئی غم نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے گا تو تیرے لیے یہ ذلت وخواری کافی ہے۔ تیری ناک ذلت اور لوگوں کی سرزنش ملامت سے رگڑی جائے گی۔ (ابن شہرآشوب مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۹ وج ۴، ص ۹۶، امالی شیخ صدوق، ص ۱۵۶، شیخ مفید الارشاد، ج ۲، ص ۸۱)

(مصنف: لشکر کو خمیس کہا گیا ہے کیونکہ جب کوئی لشکر میدانِ جنگ میں آتا ہے تو اُسے پانچ حصوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے (مقدمہ) یہ دستہ آگے آگے رہتا ہے (قلبِ لشکر، میمنہ و میسرہ، ساق)۔ (مترجم: شاید ''جناح'' سے مراد ساق لشکر ہے۔ اگر جناح، ساق نہیں ہے تو پھر لشکر کے چھ حصے بنتے ہیں)۔

خوفِ خدا

مناقب میں روایت ہے: آپؑ زہد میں اپنی مثال آپؑ تھے۔ ایک دن آپؑ کے حضور عرض کیا گیا: آپؑ اپنے خدا سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں قیامت کے دن وہ شخص اللہ کے خوف سے مامون رہے گا جو اس دنیا میں اُس سے خوف کھاتا ہے۔

پیدل حج

مروی ہے: آپؑ نے اپنی زندگی میں پچیس مرتبہ پیدل حج کیے حالانکہ گھوڑے آپؑ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

جدّہ کے مزار پر

صاحب عیون المحاسن نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امام حُسین علیہ السلام اپنی جدہ (نانی) حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے مزار پر انس بن مالک کے ساتھ تشریف لے گئے تو وہاں آپؑ نے خوب گریہ کیا۔ آپؑ پر گریہ کا غلبہ ہوگیا۔ آپؑ نے انس سے کہا: تم مجھ سے دُور چلے جاؤ۔

انس کہتا ہے: میں آپؑ سے بہت دُور چلا گیا۔ میں ایک جگہ اکیلا بیٹھ گیا۔ آپؑ نے نماز پڑھنا شروع کی۔ آپؑ کی نماز نے طول کھینچا۔ آخر میں نے آپؑ کی مناجات سنی آپؑ فرما رہے تھے:

یَارَبِّ یَارَبِّ اَنْتَ مَوْلَاہُ
فَارْحَمْ عُبَیْدًا اِلَیْکَ مَلْجَاہُ

"اے میرے پالنے والے! تو ہی اس کا سردار اور آقا ہے، پس اپنے حقیر بندے پر رحم فرما، تو ہی اس کے لیے پناہ گاہ ہے"۔

یَاذَا الْمَعَالِیْ عَلَیْکَ مُعْتَمَدِیْ
طُوْبٰی لِمَنْ کُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاہُ

طُوبىٰ لِمَنْ كَانَ خَائِفًا اَرِقًا
يَشْكُو اِلىٰ ذِي الْجَلَالِ بَلْوَاهُ

''اے بلند و بالا و ارفع و اعلیٰ ذات پر میرا بھروسہ تجھ پر ہے۔ کائنات کی سعادتیں اس شخص کا طواف کرتی ہیں، جس کا تو آقا و مولا ہے اور تیرے علاوہ اُس نے کسی اور کو اپنا آقا نہیں بنایا۔ خوش قسمت ہے، وہ آدمی کہ جو تیرے غضب سے ترساں و خائفاں ہے۔ وہ از شب تا سحر تیرے غضب کو فرو کرنے کے لیے بیدار رہتا ہے۔ وہ اپنی ہر مصیبت کی شکایت رب ذوالجلال کی بارگاہ میں کرتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ لایزال اور کریم ہے۔ اس کا کوئی مقابل نہیں۔ اس لیے تیری بارگاہ میں اپنی شکایت پیش کرتا ہے''۔

وَمَا بِهٖ عِلَّةٌ وَ لَا سَقَمٌ
اَكْثَرَ مِنْ حُبِّهٖ لِمَوْلَاهُ

''اس کے لیے نہ کوئی بیماری ہے اور نہ کوئی پریشانی ہے، یعنی اُسے اپنے تن من کی کوئی پرواہ نہیں ہے اُسے صرف اپنے آقا و مولا سے محبت ہے، آقا کی محبت اس پر غالب ہے کہ اُس نے اس کی محبت میں اپنے جسم کو علیل و کمزور کر رکھا ہے۔ تمام ناخوشیاں اور نامساعد حالات اس کی محبت میں معدوم و مضمحل ہیں''۔

اِذَا اشْتَكىٰ بَثَّهٗ وَ غُصَّتَهٗ
اَجَابَهُ اللّٰهُ ثُمَّ لَبَّاهُ
اِذَا ابْتَلَا بِالظَّلَامِ مُبْتَهِلًا
اَكْرَمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اَدْنَاهُ[1]

---

(1) ایک رات حضرت امام سجاد علیہ السلام کعبہ کے پردے کو پکڑ کر مناجات کر رہے تھے۔ باقی اشعار کے ساتھ یہ شعر بھی آپؑ نے زبان پر جاری فرمایا۔ آپؑ کی اس مناجات میں دوسرا مصرع یوں ہے: اکرمہ ربہ ولباہ۔ یہی اشعار دیوان امام علیؑ میں بھی موجود ہیں جہاں ادناہ ہے وہاں الباہ ہے۔ (طریحی، ج ۴، ص ۲۳۲)

''جس بارگاہِ خداوندی میں وہ اپنے حزن و اندوہ کی شکایت کرتا ہے تو خداوندا اپنے اس عبد کے لیے لبیک کہتا ہے اور اُس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ جب شب کی تاریکی چھا جاتی ہے اور وہ اس تاریکی میں اس سے رابطہ کرتا ہے اور اُس کے حضور تضرع و زاری کرتا ہے تو خدا اس کا اِکرام کرتا ہے اور اُسے اپنا مقامِ قرب عطا کرتا ہے''۔

ان اشعار سے یہ مراد لینا بھی ممکن ہے کہ جب بندہ بارگاہِ خداوندی میں اپنے آپ کو امتحان کے لیے پیش کرتا ہے تو وہ اس وقت یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے آقا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت کیا ہے۔ جب رات ہر طرف اپنی سیاہ زلفیں بکھیر دیتی ہے اور ہر طرف تاریکی کی حکومت ہوتی ہے اور بندہ خلوت میں اس کی بارگاہ میں ہوتا ہے اور اس کے حضور تضرع و زاری کرتا ہے، نالہ و فریاد بلند کرتا ہے تا کہ یہ دیکھے کہ اس کا سیّد و سردار اس کی آہ و بکا کے مقابلے میں اُس پر اپنا فضل و احسان کرتا ہے یا نہیں؟ جی ہاں! اس حال میں اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے شاملِ حال ہوتا ہے اور وہ اُسے محترم و مکرم بنا دیتا ہے، اور اس کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے۔

گویا وجہ اوّل مراد ہے، کیونکہ اس کی موید وہ روایت ہے جو جناب امام زین العابدینؑ سے نقل کی گئی ہے۔ ان ابیات کو وہاں نقل کیا گیا ہے۔

إِذَا خَلَا فِي الظَّلَامِ مُبْتَهِلًا
أَكْرَمَهُ اللهُ ثُمَّ أَدْنَاهُ

''جب تاریکی میں خلوت نشین ہوتا ہے تو اُس کی بارگاہ میں نالہ و فریاد بلند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے مکرم بنا دیتا ہے اور اُسے اپنا قرب عطا کرتا ہے''۔

انس روایت کرتے ہیں: جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مناجات ختم کیں تو قاضی الحاجات کی بارگاہ سے اچانک ہاتف کی صدا گونجی جسے میں نے سنا۔ آنحضرتؑ کے ابیات میں جواب دیا جا رہا تھا:

لَبَّیْکَ عَبْدِی وَ اَنْتَ فِی کَنَفِیْ
وَ کُلَّمَا قُلْتَ قَدْ عَلِمْنَاہُ

''اے بندہ گرامی من! میں نے تیری مناجات کو سنا ہے اور اُسے قبول کرلیا ہے اور تو میری پشت و پناہ میں ہے۔ جو کچھ تو نے کہا: میں نے اُسے قبول کیا اور اُسے میں بخوبی جانتا ہوں''۔

صَوْتُکَ تَشْتَاقُہُ مَلَائِکَتِی
فَحَسْبُکَ الصَّوْتُ قَدْ سَمِعْنَاہُ

''میرے ملائکہ تیری خوب صورت ملکوتی درد بھری آواز سننے کے لیے بے چین و بے قرار رہتے ہیں۔ میں نے تیرے حُسن و جمال، خشوع و خضوع سے لبریز آواز کو اپنے لطف و مہربانی کے کانوں سے سنا ہے''۔

دُعَاکَ عِنْدِی یَجُوْلُ فِی حُجُبٍ
فَحَسْبُکَ السِّتْرُ قَدْ سَفَرْنَاہُ

''تیری عزت و عظمت سے بھرپور صدا میری عزت و جبروت کے حجابات اور ارفع و اعلیٰ ملکوتی مقامات میں گونج کر رہ جاتی ہے۔ حجابات کی کیا جرأت کہ تیری حسین آواز کو راستہ نہ دیں۔ میں نے اپنے اور تیرے درمیان پردوں کو اُٹھا دیا ہے''۔

لَوْ ھَبَّتِ الرِّیْحُ مِنْ جَوَانِبِہٖ
خَرَّ صَرِیعاً لِمَا تَغَشَّاہُ

مصنف نے اس کلامِ شریف کی دو توجیہیں پیش کی ہیں:

اوّل: جوانبہ کی ضمیر دعا کی طرف راجع ہے، یعنی تیری دُعا بارگاہِ خداوندی کے قرب میں پہنچ چکی ہے۔ اگر کوئی آدمی صاحبِ عقل و شعور اور رَوح و رُوح ہو تو وہ تجلیاتِ انوارِ جلال خداوندی اور احاطہ اشراقاتِ ربانی سے مدہوش و بے خود ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی انسان بے خود ہو اور اس پر ہر طرف سے تند و تیز آندھیاں چلنے لگیں

تو وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔

دوم: اگر "جوانبہ" کی ضمیر کا مرجع حضرت امام حسین علیہ السلام ہوں، کیونکہ اُنھوں نے اس قدر کثرت کے ساتھ عبادت کی، کثرت خشوع و خضوع اور بے انتہا محبت نے ان کے جسمِ اقدس کو نہایت ہی کمزور کر دیا ہے۔ اگر کسی طرف سے کوئی ہوا چلے تو وہ ہوا کے جھونکوں کو برداشت نہیں کر سکتے، گر پڑتے ہیں)۔

سَلْنِی بِلَا رَغْبَةٍ وَلَا رَهَبٍ
وَلَا حِسَابٍ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ

"جو کچھ آپ کے دل کی کائنات میں ہے وہ مجھ سے بے خوف و خطر مانگ لو، میں خداوند عالمیان ہوں، میری جود وعطا میں کوئی حساب نہیں ہے، جتنا مانگو گے میں اتنا عطا کروں گا"۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۹)

دنیائے فانی کا غرور

مناقب میں آپؑ کی طرف اس شعر کی نسبت دی گئی ہے:

یَااَهْلَ لَذَّةِ دُنْیَا لَا بَقَاءَ لَهَا
اِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمُقٌ

"اے وہ شخص! جو لذتِ مال و منال اور جاہ و جلال کا گرویدہ ہو چکا ہے اور اس پر اِترا رہا ہے اس دنیا اور اس کی لذت کو کوئی بقا حاصل نہیں ہے۔ اس کا انجام فنا و زوال ہے۔ اس کی مثال شجرِ آبدار کے سائے جیسی ہے جو جلد زائل ہونے والا ہے۔ زوال پذیر اور فانی چیزوں پر مغرور ہونا حماقت ہے"۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۹)

ابیات رُوح فزا

سَبَقْتُ الْعَالَمِیْنَ اِلَی الْمَعَالِیْ
بِحُسْنِ خَلِیْقَةٍ وَعُلُوِّ هِمَّةٍ

وَلَاحَ بِحِكْمَتِي نُوْرُ الْهُدٰی فِيْ
لَيَالٍ فِي الضَّلَالَةِ لَهِجَةٌ
يُرِيْدُ الْجَاحِدُوْنَ لِيُطْفِؤُهُ
وَيَأْبَى اللهُ اِلَّا اَنْ يُتِمَّهُ

"میں تمام عالمین پر حسن و خوبی، خلق و طبیعت اور علوِ ہمتی سے سبقت لے گیا ہوں۔ میری بے پایاں حکمتوں اور نورِ ہدایت سے تیرہ و تاریک راتیں جگمگا اٹھیں۔ منکرینِ حق نے ارادہ کرلیا کہ شمعِ نورِ ہدایت درخشندہ و تابندہ کو گل کردیں لیکن میرے اللہ نے انکار کردیا کہ یہ نورِ ہدایت ہمیشہ درخشندہ و تابندہ رہے گا"۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام اور تکبیر

حفص بن غیاث کے مناقب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے اُٹھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام آپؐ کے پہلو میں تھے تاکہ رسولؐ اللہ کی اتباع میں تکبیر کہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی تو آپؐ کے جواب میں امام حسین علیہ السلام نے تکبیر نہ کہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں یاد دلانے کے لیے تکبیر کہی لیکن اس مرتبہ بھی آپؑ خاموش رہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھے مرتبہ تکبیر کہی لیکن آپؑ خاموش رہے، صحیح ادائیگی نہ کرسکے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں مرتبہ تکبیر کہی تو امام حسین علیہ السلام نے اس مرتبہ ان کی اتباع میں تکبیر کہی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ چھے تکبیریں سنت ہیں اور تکبیرۃ الاحرام کے ساتھ سات ہوگئیں۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۳، التہذیب، ج ۲، ص ۶۷، علل الشرائع، ج ۲، ص ۳۳۱)

(مترجم) یہ چھے تکبیریں حضرت امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے سنت بن گئیں۔ یہ امر آپؑ کی عزت و منزلت کی دلیل ہے کہ آپؑ بارگاہِ خداوندی میں بزرگ تر و عظیم تر تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا تکبیریں کہنا اور آپؑ کا خاموش رہنا حکمت سے خالی نہیں۔ آخر تمام لوگوں پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ آپؑ بارگاہِ رسالت اور بارگاہِ خداوندی میں عظیم مقام رکھتے ہیں کہ آپؑ کی وجہ سے چھے تکبیریں قیامت تک اُمت کے لیے سنت بن گئیں۔ خداوند تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت کرے، جو اس روایت کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں: نعوذ باللہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ تکبیر رسولؐ اللہ کی اتباع میں صحیح ادا نہ کرسکیں اور رسولؐ اللہ کو بار بار تکبیر دہرانا پڑے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ حکم و مصالح سے بے خبر ہیں، اس لیے اعتراض کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللہ مِنْ شَرِّ اَنْفُسِنَا)۔

امام حسین علیہ السلام اور اُداس غلام

اسی مذکورہ کتاب میں روایت ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: بہترین عمل بعد از نماز، قلبِ مومن کو خوش کرنا ہے لیکن وہ گناہ نہ ہو۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے ایک دن ایک غلام کو دیکھا جو ایک کتے کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے اُس غلام پر اعتراض کیا اور پھر اُس سے اس بات کی وجہ پوچھی۔

اُس نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! میں مغموم و پریشان ہوں، اس لیے اس طریقے سے اِسے خوش کر رہا ہوں۔ شاید اس کی خوشی میری خوشی کا سبب بن جائے۔ میرا مالک یہودی ہے۔ میں چاہتا ہوں مجھے اُس سے آزادی مل جائے۔

جب امام علیہ السلام نے اس کی یہ بات سنی تو اپنے خانۂ اقدس پر واپس آئے۔ دو سو دینار اُٹھائے اور اس غلام کی قیمت کو ادا کرنے کے لیے اس کے مالک کے پاس آئے۔ آپؑ نے اس یہودی سے غلام کے خریدنے کی بات کی۔ جب اس یہودی نے یہ بات سنی تو اُس نے آپؑ کے حضور عرض کیا: آپؑ نے اس غلام کی وجہ سے میرے پاس قدم رنجہ فرمایا۔ میں آپؑ کے مبارک قدموں کے عوض اسے آپؑ کے حوالے کرتا ہوں اور یہ باغ اس غلام کے حوالے کرتا ہوں۔ آپؑ کی رقم آپ کو واپس کرتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تجھے یہ مال ہبہ کرتا ہوں۔

اس یہودی نے عرض کیا: آپؑ کا مال میں قبول کرتا ہوں اور پھر اس غلام کے حوالے کرتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے اس غلام کو آزاد کیا اور یہ سب کچھ اُس کا ہے۔

اس یہودی کی بیوی نے عرض کیا: میں دین اسلام کو قبول کرتی ہوں اور اپنا حق مہر اپنے شوہر کو بخشتی ہوں۔ اس کے شوہر نے کہا: میں بھی دین اسلام قبول کرتا ہوں اور اپنا گھر اپنی بیوی کے حوالے کرتا ہوں۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۵، مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۳۹۸، ج ۷، ص ۱۴۴)

حضرت امام حسینؑ رسولؐ خدا کے مشابہ تھے

جامع ترمذی میں مسطور ہے: جس وقت سید الشہداء کا سر مقدس ابن زیاد کو پیش کیا گیا تو اس ملعون نے آپؑ کے سر مبارک کی بے ادبی کرنا چاہی۔ پھر اس نے کہا: میں نے آج تک اس طرح کا کٹا ہوا خوبصورت سر نہیں دیکھا۔

انس اس وقت بیٹھا تھا، اس نے کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام تمام لوگوں اور تمام بنوہاشم میں سب سے زیادہ رسول اللہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۵)

معمولی ہدیہ کے عوض کنیز کی آزادی

کشف الغمہ میں انس سے مروی ہے: میں ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور حاضر تھا کہ ایک کنیز آپؑ کے حضور خوشبو، بطور تحفہ لائی۔ آپؑ نے اُسے آزاد کر دیا اور فرمایا: میں نے تجھے اللہ کی رضا کے لیے آزادی دے دی ہے۔

میں نے عرض کیا: یہ کنیز جو آپؑ کے حضور خوشبو بطور ہدیہ لائی ہے اس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے اور آپؑ نے اُسے اس کے عوض آزاد کر دیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ ہم ایسا ہی کریں۔ آپؑ

نے فرمایا ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (سورۂ نساء، آیہ ۸۶)

"جب تمھیں ہدیہ سلام دیا جائے تو تم اُس سے بہتر طور پر جواب دو یا اس جیسا جواب دو"۔

اس کنیز کے تحفے کا بہتر جواب اُس کی آزادی تھی۔ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۱)

اپنے برادر امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض

روایت میں آیا ہے: ایک دن حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اپنے برادر بزرگوار حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: میں چاہتا ہوں آپؑ کی زبان مجھے لگ جائے اور میرا دل آپ کو لگ جائے۔ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۱)

(مترجم: شاید آپؑ کا مقصد یہ ہو کہ آپؑ کی فصاحت و بلاغت مجھے مل جائے اور میری سخاوت آپؑ کو مل جائے، یعنی آپؑ کی اس سے مراد یہ تھی کہ یہ دونوں صفات ظاہر ہو جائیں حالانکہ دونوں بزرگواروں میں دونوں صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں)۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام اور شعراء

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی طرف لکھا کہ آپ شعراء کو حد سے زیادہ عطا کرتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام نے ان کے جواب میں لکھا: اے برادر بزرگوار! آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بہتر مال وہ ہوتا ہے کہ جو ایک مرد کی عزت کی حفاظت کرے۔ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۱)

(مترجم: حضرت امام حسن علیہ السلام نے امام حُسین علیہ السلام کی طرف خط اس انداز کا اس لیے جاری فرمایا تھا تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ امام حُسین علیہ السلام شعرا کو حد سے زیادہ کیوں دیتے ہیں تاکہ معترض زبانیں بند ہو جائیں کیونکہ امامؑ کا ہر کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا)۔

روزہ دار کے لیے تحفہ

کشف الغمہ میں مروی ہے: عبداللہ بن زبیر اور اس کے ساتھیوں نے آپؑ کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ آنحضرتؑ نے انھیں فرمایا: مجھے اس وقت روزہ ہے، لیکن مجھے روزہ دار کا تحفہ دے دیجیے۔

اُنھوں نے عرض کیا: روزہ دار کا تحفہ کیا ہوتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: عُود اور انگیٹھی ہے۔ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۱)

عفو و درگزر

مروی ہے: آپؑ کے کسی غلام نے کوئی غلطی کی، جس کی بنا پر وہ سزا کا مستحق ٹھہرا۔ آپؑ نے فرمایا: اسے سزا دیجیے۔ اس وقت اس غلام نے عرض کیا: وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (آل عمران، آیہ ۱۳۴) ("اور غصہ کو روکتے ہیں")۔

آپؑ نے اس کی سزا موقوف کر دی۔

اس نے پھر عرض کیا: وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران، آیہ ۱۳۴) ("جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں")۔

آپؑ نے فرمایا: جا میں نے تجھے معاف کیا۔

پھر اُس نے کہا: وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران، آیہ ۱۳۴) ("اور اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے")۔ آپؑ نے فرمایا: میں نے تجھے آزاد کیا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور فرزدق

فرزدق سے منقول ہے: جب میں کوفہ سے واپس آرہا تھا۔ راستے میں میری ملاقات امام حسین علیہ السلام سے ہوئی۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابوفراس! کوفہ کے حالات کیسے ہیں؟

میں نے عرض کیا: کیا حقیقتِ حال کی خبر دوں!

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

اس وقت میں نے عرض کیا: اہلِ کوفہ کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنواُمیہ کے ساتھ ہیں، فتح و کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

آنجنابؑ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔ لوگوں کا روزگار مالِ دُنیا ہے وہ دین کو بے فائدہ اور لغو خیال کرتے ہیں۔ دین کو ظاہری صورت میں اپناتے ہیں اس لیے کہ ان کا معاشی معاملہ اچھا ہوجائے۔ وہ دین کی حفاظت کے لیے زندگی و مال کو ضرر نہیں پہنچانا چاہتے۔ جب اُنھیں آزمایا جاتا ہے اور دین و دنیا ان کے سامنے معارض ہوتے ہیں تو اس وقت دین دار بہت کم ملتے ہیں۔ اکثر لوگ دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہیں اور دین کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۲، ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ، ج ۷، ص ۲۴۹)

سائل کا رد نہ کرنا

آپؑ کا فرمان ہے: جو آدمی تیرے پاس سائل بن کر آتا ہے تو وہ تجھ سے اپنی عزت کی حفاظت نہیں کرتا۔ اور وہ سوال و اظہارِ حاجت کے ذریعے اپنی عزت کو تیرے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ اب تیرا فریضہ یہ ہے کہ اس کے سوال کو رد کر کے اپنی عزت اس کے قدموں میں مت ڈال، اب اس کی حاجت کو پورا کر کے اپنے آپ کو اس کی نگاہوں میں معزز بنالے۔ (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، مذکورہ مصدر)

چار خصال

بعدازیں آپؑ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو میرے پاس آتا ہے تو چار فوائد میں سے اُسے ایک فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے:

① وہ محکم آیت ہیں یعنی وہ علم ہیں اور قرآن کی محکم آیت ہیں، یعنی ان کے پاس قرآن کا علم ہے اور اس کے غیر کے پاس نہیں ہے۔

② وہ قضیہ عادلہ ہیں، یعنی جو شخص ان کے پاس آتا ہے، وہ آئینِ رسولؐ سے مطلع ہوتا ہے۔

③ جب ایک برادرِ دینی اور حقیقی دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو یہ بات دنیا و

آخرت کے لیے باعثِ سعادت ہے۔

۞ علما کی مجالس ابدی سعادت کا سبب ہیں۔ (کشف الغمہ، ج۲، ص ۳۲، شرح نہج البلاغہ ابی الحدید، ج۷، ص ۲۴۹)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عبادت

کتابِ مصباح، کتابِ عقد میں مروی ہے: جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ کے پدر بزرگوار کی اولاد کس قدر کم ہے؟

یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: مجھے تو اس بات پر تعجب ہے کہ میں کس صورت میں ان سے پیدا ہوا ہوں کیونکہ آپ تو ہر شبانہ روز ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ (فلاح السائل، ص ۲۶۹، لہوف، ص ۹۴)

احسان بقدرِ معرفت

صاحبِ جامع الاخبار نے منقلِ آلِ رسولؐ سے روایت کی ہے: ایک اعرابی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں نے کامل دیت ادا کرنی ہے، میں اس کی ادائیگی سے عاجز ہوں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ایک کریم ترین آدمی سے سوال کروں۔ میرا خیال ہے کہ اہلِ بیت رسولؐ سے کوئی زیادہ کریم ہے ہی نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میرے تین سوال ہیں اگر تو نے ان میں ایک کا جواب دے دیا تو تجھے ایک تہائی مال دوں گا۔ اگر تو نے دو سوالوں کا جواب دے دیا تو تجھے ۲/۳ مل جائے گا۔ اگر تینوں سوالوں کا جواب دے دیا تو سارا مال جو تجھے ضرورت ہے، دے دوں گا۔

اُس اعرابی نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ جیسا بزرگوار جو اہلِ بیت رسولؐ میں سے ہے، علم و شرف جن کی میراث ہے، مجھ جیسے جاہل سے سوال کرے گا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! میں نے اپنے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: احسان معرفت کے مطابق ہونا چاہیے۔

اعرابی نے عرض کیا: جو کچھ آپؑ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیے۔ اگر جواب دے دیا تو یہ

میرے لیے فخر ہوگا۔ اگر جواب نہ دے سکا تو آپؑ سے پوچھ لوں گا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

آپؑ نے فرمایا: تُو یہ بتا سب سے افضل ترین عمل کون سا ہے؟

اعرابی نے کہا: اللہ پر ایمان رکھنا۔

آپؑ نے فرمایا: ہلاکتوں سے کون سی چیز نجات دیتی ہے؟

اعرابی نے کہا: خدا پر توکّل و بھروسا۔

آپؑ نے فرمایا: مرد کی زینت کیا ہے؟

اعرابی نے کہا: علم جس کے ساتھ حلم ہو۔

آپؑ نے فرمایا: اگر علم نہ ہو تو پھر اس کے لیے کون سی چیز زینت ہے؟

اعرابی نے کہا: مال جس کے ساتھ سخاوت و مروّت ہو۔

آپؑ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے لیے باعثِ زینت کون سی چیز ہوگی؟

اعرابی نے کہا: فقر و افلاس جس کے ساتھ صبر ہو۔

آپؑ نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو۔

اعرابی نے کہا: تو پھر آسمان سے بجلی آئے اور اُسے خاکستر کر دے۔ پھر وہ اسی چیز کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور چیز کا اہل نہیں ہے۔

یہ سن کر آپؑ ہنس پڑے۔ آپؑ نے اعرابی کی طرف ایک طلائی دیناروں کی تھیلی بڑھائی، جس میں ایک ہزار کی تعداد کے دینار تھے۔ آپؑ نے اپنی انگوٹھی مبارک بھی اُسے دے دی کہ جس کے نگینے کی قیمت دو سو درہم تھی۔ آپؑ نے فرمایا: یہ رقم لے جاؤ اس سے قرض چکاؤ اور اس انگوٹھی کی قیمت سے اپنا خرچ چلاؤ۔

اعرابی نے مال اُٹھایا اور کہا: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے''۔ (جامع الاخبار، ص ۱۳۷)

امامت حکومت پر بھاری ہے

مؤلف نے بعض کتب سے روایت کی ہے کہ ابوسلمہ ناقل ہیں: میں ایک دن حضرت

عمر بن خطاب کے ساتھ حج کے لیے نکلا۔ جب مقام ابطح پر پہنچے تو اچانک ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی ہمارے نزدیک آیا اور حضرت عمر سے کہا: میں حج کے لیے نکلا ہوں اور احرام باندھ لیا ہے۔ راستے میں احرام کی حالت میں شتر مرغ کے انڈے اُٹھائے، اُنھیں آگ میں بھون کر کھا لیا ہے، اب مجھ پر کفارہ کیا ہے؟

حضرت عمر نے کہا: میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے، بیٹھیے شاید اللہ تیری اس مشکل کو حل کر دے کہ اللہ کوئی اپنے رسول کا صحابی بھیج دے اور تیری مشکل حل ہو جائے۔

ابو سلمہ کہتے ہیں: اچانک میں نے دیکھا امیر مومناں، لنگرِ زمین و آسمان حضرت علی علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام آپؑ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر نے کہا: یہ ہیں علی بن ابی طالبؑ، اُٹھ اور ان سے مسئلہ پوچھ لے۔

پس اعرابی وہاں سے اُٹھا اور بارگاہِ امامت میں پہنچا اور اپنا سوال آپؑ کے سامنے دہرایا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اُسے فرمایا: اے اعرابی! یہ مسئلہ اس جوان سے پوچھ جو تیرے قریب تشریف فرما ہے۔

اعرابی نے کہا: یہ کیا بات ہوئی کہ تم میں سے ہر ایک مجھے دوسرے کے حوالے کیے جا رہا ہے۔

حاضرین نے کہا: اے اعرابی! افسوس کا مقام ہے یہ فرزندِ رسولؐ اللہ ہیں، ان سے مسئلہ پوچھ لیجیے۔

پس اعرابی نے اپنا سارا قصہ سنایا۔ اس کا قصہ سننے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تیرے پاس اُونٹ ہیں؟ اُس نے عرض کیا: جی ہاں!

آپؑ نے فرمایا: تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی اُونٹنیاں باقی مال سے جدا کر، پھر انھیں اُونٹوں کے ساتھ ملا جس قدر بچے ہوں وہ خانۂ خدا میں قربانی کے لیے بھیجنا۔

جب حضرت عمر نے آپ کا یہ فیصلہ سنا تو کہا: اے حسینؑ! بعض اوقات اُونٹنیاں بچے پیدا نہیں کرتیں یا بعض اوقات بچے سقط بھی ہو جاتے ہیں۔

آنجناب ؑ نے فرمایا: اے عمر! یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر انڈے سے بچہ پیدا ہو۔

یہ سن کر حضرت عمر نے کہا: آپ ؑ نے سچ فرمایا۔

جناب امیر المومنین امام علی علیہ السلام اپنے مقام سے اُٹھے اور امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ''بعض کی اولاد کو بعض سے، اور خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے''۔ (آل عمران، آیہ ۳۴)۔ (عوالم العلوم، ج ۱۷، ص ۶۰)

آپ ؑ میں کچھ تکبر دیکھا جاسکتا ہے؟

کنز جامع الفوائد میں منقول ہے: ایک آدمی نے آپ ؑ کے حضور عرض کیا: آپ ؑ میں کچھ تکبر دیکھا جاسکتا ہے؟

آپ ؑ نے فرمایا: ہر قسم کی کبریائی خداوند تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، جو واحد و یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جو کچھ میرے اندر دیکھا جاتا ہے، وہ عزت اور بزرگواری ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (سورۂ منافقون، آیہ ۸)

''عزت اللہ اور اس کے رسول ؐ اور مومنین کے لیے ہے''۔(تاویل الآیات الظاہرہ، ص ۶۷)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا دودھ پینا

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپ ؑ نے فرمایا: حضرت امام حسین علیہ السلام نے کسی خاتون کا دودھ نہیں پیا حتیٰ کہ اپنی والدہ گرامی حضرت زہرا علیہا السلام کا دودھ بھی نہیں پیا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً آپ ؑ کے پاس تشریف لاتے تھے اور اپنی معجزنما انگشت ابہام ان کے دہن مبارک میں داخل کرتے اور آپ ؑ اس قدر چوستے کہ دو تین دن تک وہ غذا آپ ؑ پر کافی ہو جاتی۔ آپ کو پھر کسی اور غذا یا دودھ کی ضرورت نہ رہتی۔ پس آپ ؑ کے جسم کا گوشت و پوست اور خون، رسول ؐ کے خون اور گوشت سے روئیدہ ہوا اور

اس طریقے سے آپؑ کی پرورش ہوئی۔ دنیا میں کوئی بچہ بھی اپنی ماں کے پیٹ میں چھے ماہ رہ کر متولد نہیں ہوا سوائے جناب عیسیٰؑ بن مریمؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے، ان دونوں کی مدت حمل چھے ماہ ہے۔ (۱)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی تاریخ ولادت

(مترجم: علامہ مصنف نے آنحضرتؑ کی ولادت مبارک کی بہت سی روایات بیان کی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان کا ماحصل یہ ہے:

بعض روایات کے مطابق آپؑ کی ولادت باسعادت و میمنت ۴ ہجری ہے۔ آپؑ جنگِ خندق والے سال ۵ شعبان کو پیدا ہوئے۔ بعض کا گمان ہے کہ آپؑ ربیع الاول کے آخر میں پیدا ہوئے۔ بعض نے پانچ جمادی الاولیٰ کی روایت بیان کی ہے۔ علمائے شیعہ کے درمیان مشہور ترین روایت ۳ ماہ شعبان ہے۔

آپؑ کی عمر شریف میں بھی علمائے تشیع اور علمائے تسنن کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علما کا گمان ہے کہ وقتِ شہادت آپؑ کی عمر شریف پچاس سال تھی۔ بعض دوسروں نے ۵۶ سال نقل کی ہے۔ بعض نے ۵۷ سال پانچ ماہ نقل کی ہے لیکن شہادت کے مہینہ کا کہیں اختلاف نہیں ہے۔ تمام علمائے خاصہ و عامہ کا اتفاق ہے کہ آپ دس محرم بروزِ جمعہ، ہفتہ یا سوموار کے دن شہید کیے گئے۔ (۲)

ابوالفرج نے اپنے مقاتل میں نقل کیا ہے کہ آپؑ کی شہادت بروزِ جمعہ دس ماہ محرم ہے۔ اہلِ سنت کا نظریہ ہے کہ آپ سوموار کے دن شہید ہوئے۔ یہ نظریہ باطل ہے، ان کے

---

(۱) ثقۃ الاسلام کلینی، کافی، ج۱، ص ۴۶۳، ابن قولویہ، کامل الزیارات ۵۶۔ سید شرف الدین حسینی تاویل الآیات الظاہرہ، ص ۵۶۳۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کے دہن مبارک میں داخل کرتے تھے اور وہ مبارک زبان سے آپؑ کی زبان کو چوستے تھے اور علاوہ رشد بھی حاصل کرتے تھے۔ آپؑ نے کسی خاتون کا دودھ نہیں پیا۔

(۲) مدارک بحث مناقب آل ابی طالبؑ ج ۴، ص ۷۶۔ مثیر الاحزان، ص ۱۶۔ مقاتل الطالبین، ص ۸۴۔ اعلام الوریٰ، ص ۲۱۳۔ کشف الغمہ، ۲، ۳، ۴، ۵۳۔ اللہوف، ص ۱۳۔ مصباح المتہجد، ۲۲۶، ۲۵۲۔ اقبال الاعمال، ص ۳۸۹۔ شیخ مفید الارشاد ج ۲، ص ۱۳۷۔ التہذیب، ج ۶، ص ۳۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۴۶۱

پاس اپنے اس قول کی کوئی سند نہیں ہے کیونکہ ہندی حساب سے جو میں نے استخراج کیا ہے، اس کے مطابق حضرت کی شہادت ماہِ محرم میں ہوئی۔ اس ماہِ محرم کی یکم بدھ کے دن ہوئی۔ اس اعتبار سے آپؑ کی شہادت کا دن جمعہ ہے نہ کہ سوموار، یہ دلیل صحیح اور واضح ہے کیونکہ روایت، اس کے مطابق ہے۔ آپؑ کے اصحاب کی تعداد باب شہادت میں آئے گی، ان شاء اللہ!

ناسازیٔ طبیعت

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ایک سال حضرت امام حسین علیہ السلام عمرہ مفردہ کے لیے مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ راستے میں مریض ہو گئے۔ آپؑ کی ناسازیٔ طبیعت کی اطلاع حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ملی تو آپؑ فوراً اُن کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپؑ منزل سُقیا پر اپنے فرزند سے جا ملے اور وہاں آپؑ کی طبیعت ناساز دیکھی۔ آپ نے حال دریافت فرمایا۔

آپؑ نے عرض کیا: میرے سر میں شدید درد ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے اُسی مقام پر اُونٹ منگوایا اور اُسے نحر کرایا۔

آپؑ نے فرمایا: امام حسین علیہ السلام کے سر کے بال اُتار دیجیے اور انھیں واپس مدینہ لایئے۔ جب آپؑ کی طبیعت صحیح ہو گئی تو دوبارہ آپؑ حج و عمرہ کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(کافی، ج ۴، ص ۳۶۹۔ دعائم الاسلام، ج ۳، ص ۳۳۵)

○○○

بابِ چہارم

حضرت امام حُسین علیہ السّلام اور اصحاب امامؑ مظلوم کے احتجاجات

حضرت امام حسین علیہ السلام کا خطبہ اور امیرِ شام

موسیٰ بن عقبہ کے مناقب اور احتجاج میں روایت ہے: ایک روز لوگوں نے امیر شام سے کہا: لوگوں کی نگاہیں حضرت امام حسین علیہ السلام پر لگی ہوئی ہیں اور وہ انھیں خلافت کا اہل جانتے ہیں۔ اے کاش کہ تم انھیں منبر پر جانے کی اجازت دیتے اور وہ خطبہ دیتے۔ ان کی زبان سنگین اور درماندگی ہے۔ جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ وہ خطبہ نہیں دے سکتے تو وہ انھیں خلافت کے لیے مسترد کردیں گے۔ بات ہی ختم ہوجائے گی۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرا خیال امام حسن علیہ السلام کے بارے میں یہی تھا لیکن ان کی مقبولیت پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ ان کے بارے میں میرا یہی خیال تھا کہ وہ منبر پر جائیں اور خطبہ پڑھیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ان کے پاس کوئی خاطرخواہ علم وفضل نہیں ہے۔ اس گمان کے تحت میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا: وہ منبر پر جائیں اور خطبہ دیں۔ جب وہ منبر پر گئے تو انھوں نے فصاحت و بلاغت سے لبریز خطبہ دیا، جس سے میری بہت زیادہ رسوائی ہوئی اور وہ لوگوں کی نظروں میں معظم ہوگئے۔

لیکن اہلِ شام کا اصرار بڑھا کہ امام حسین علیہ السلام کو خطبے کی اجازت دی جائے۔ آخر اُس نے امام علیہ السلام کے حضور عرض کیا: وہ منبر پر جاکر خطبہ دیں۔ پس آپؑ منبر پر تشریف لے گئے۔ خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اپنے جد بزرگوار پر درود وسلام بھیجا اور آپؑ نے بالائے منبر سنا کہ اہلِ مجلس ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ یہ کون ہے جو خطبہ دے رہا ہے۔

آپؑ نے فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطبہ دیا لیکن آپؑ نے اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی فصاحت و بلاغت بھی ظاہر ہو، ان کی امامت اور دانش بھی لوگوں کے سامنے آئے اور اپنا تعارف بھی ہوجائے۔

آپؑ نے فرمایا:

نَحْنُ حِزْبُ اللهِ الْغَالِبُوْنَ وَعِتْرَةُ رَسُوْلِ اللهِ الْاَقْرَبُوْنَ وَاَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبُوْنَ وَاَحَدُ الثَّقَلَيْنِ الَّذِيْنَ جَعَلَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَانِيَ كِتَابِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، الَّذِيْ فِيْهِ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ ﴿لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ (سورۂ فصلت، آیہ ۴۲) وَالْمُعَوَّلُ عَلَيْنَا فِيْ تَفْسِيْرِهٖ وَلَا يُبْطِئُنَا تَأْوِيْلُهٗ، بَلْ نَتَّبِعُ حَقَائِقَهٗ فَأَطِيْعُوْنَا فَاِنَّ طَاعَتَنَا مَفْرُوْضَةٌ اِذْ كَانَتْ بِطَاعَةِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ مَقْرُوْنَةً،

قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (سورۂ نساء، آیہ ۵۹)

وَقَالَ: ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورۂ نساء، آیہ ۸۳)

وَاُحَذِّرُكُمُ الْاِصْغَاءَ اِلٰى هُتُوْفِ الشَّيْطَانِ بِكُمْ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾، (سورۂ بقرہ، آیہ ۱۶۸) فَتَكُوْنُوْا كَاَوْلِيَائِهِ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمْ:

﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ﴾ (سورۂ انفال، آیت ۴۸)

فَتُلْقَوْنَ لِلسُّيُوْفِ ضَرْبًا وَلِلرِّمَاحِ وَرْدًا وَلِلْعُمُدِ حَطْمًا وَلِلسِّهَامِ غَرَضًا ثُمَّ لَا يُقْبَلُ مِنْ نَفْسٍ ﴿اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ (سورۂ انعام، آیہ ۱۵۸)

''ہم ہی حزب اللہ ہیں، ہم ہی عترتِ رسولؐ اللہ ہیں اور تمام لوگوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور ہم ہی اُن کے اہلِ بیتؑ ہیں، جو پاک و پاکیزہ ہیں اور ہر عیب و رجس سے پاک ہیں اور ثقلین میں سے ایک ہم ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں کتاب اللہ کا ثانی قرار دیا کہ جس میں ہر چیز کی

تفصیل موجود ہے۔ (باطل نہ اُس کے سامنے آتا ہے اور نہ پیچھے اور اس کے احکام کی تفصیل اور آیات کی تفسیر اور اس کی مشکلات کی وضاحت ہم سے ہی ممکن ہے۔ ہمارے سوا اس کی حقیقی تفسیر نہیں کی جاسکتی۔ ہم اس کی تاویل میں معطل نہیں ہوتے، ہم شکوک وشبہات سے دُور ہیں بلکہ ہم اس کے حقائق کی اطلاع رکھتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ پس ہماری اطاعت کرو کیونکہ ہماری اطاعت تم پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (سورۂ نساء، آیہ ۵۹) ''تم اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔ پھر اگر تمھارے درمیان کسی بات میں نزاع ہوجائے تو اس سلسلے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو''۔

پھر آپؑ نے ایک اور آیت کی تلاوت کی: (اور اگر وہ اس خبر کو رسولؐ اور اپنے میں سے صاحبانِ امر تک پہنچا دیتے تو ان میں سے اہلِ تحقیق اس خبر کی حقیقت کو جان لیتے اور تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک افراد کے سوا باقی تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے''۔

اے حاضرین! میں تمھیں تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت کرتا ہوں اور میں تمھیں شیطان کی فتنہ انگیز صدا پر کان رکھنے سے خوف زدہ کرتا ہوں کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے، ورنہ تم اس کے ان ساتھیوں جیسے ہوجاؤ گے کہ اس نے جنگِ بدر کے دن کہا تھا: ''آج لوگوں میں سے تم پر کوئی فتح حاصل کر ہی نہیں سکتا اور میں تمھارے ساتھ ہوں۔ پھر جب دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگ گیا اور کہنے لگا: میں تم لوگوں سے بیزار ہوں''۔

پس اگر تم شیطان ملعون کے وساوس کے تابع رہے اور اس کے جھوٹ

کے گرویدہ رہے اور اس کے اباطیل پر فریفتہ رہے۔ پھر تم پر تلواروں کی ضربات پڑیں گی اور تم پر نیزوں کے وار ہوں گے جس سے تمھاری ہڈیاں شکستہ ہوں گی اور تمھیں تیروں کا نشانہ بنایا جائے گا کیوں کہ تم شیطان کے تابع رہے ہو، تمھاری کوئی بات قبول نہ ہوگی (جو نشانی کے آنے سے) پہلے ایمان نہ لاچکا ہو یا حالتِ ایمان میں اُس نے کوئی کارِ خیر انجام نہ دیا ہو"۔

ابھی امام علیہ السلام کا خطبہ جاری تھا کہ امیر شام نے دیکھا کہ فصاحت و بلاغت کا سمندر موجزن ہے۔ کہیں لوگ ان کی طرف مائل نہ ہوجائیں اور خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوجائیں۔ آپؑ کے حضور عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپؑ نے اپنی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے یا اپنی فصاحت و بلاغت کو آشکار کیا ہے۔ (الاحتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۲۹۸۔ مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۶۷، امالی شیخ طوسی، ۹/۱۲۱، امالی شیخ مفید، ص ۳۴۸۔ العدد القویہ علی بن یوسف حلی، ص ۳۹)

(مترجم: آپ کا جنگِ بدر کی طرف اشارہ سے مراد امیر شام کی سرزنش تھی کہ جنگِ بدر میں اس کا باپ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں تھا۔ اُموی طاغیوں کا گروہ اُس کے ساتھ موجود تھا۔ انھوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی اور پھر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ آپ کی مراد شیطان سے وہ مخصوص فرد ہے جو لوگوں کو حق سے ہٹا کر گمراہی و ضلالت کی طرف کھینچ رہا تھا اور زمانۂ جاہلیت کے باطل رسوم کو اُمتِ محمدیہ میں رواج دینے لگا تھا)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور مروان

محمد بن سایب سے مروی ہے: ایک دن مروان نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور عرض کیا: اگر تمھارا فخر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے مربوط نہ ہوتا اور آپؑ ان کے بیٹے نہ ہوتے تو پھر تم ہم پر کوئی فضیلت نہ رکھتے، یعنی تم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیٹے ہو اور وہ رسول اللہؐ کی بیٹی ہیں اس کے علاوہ تمھاری کوئی فضیلت نہیں ہے۔

جب آپؑ نے اس نابنجار کی بکواس آمیز گفتار سنی تو آپؑ اپنی جگہ سے غیظ و غضب کی حالت میں اُٹھے، جرأت و بہادری میں تو آپؑ اپنی مثال آپؑ تھے۔ آپؑ نے اس کے حلق نجس میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اس کا عمامہ اس کے سر سے کھینچ کر اس کی گردن میں ڈال دیا۔ اس قدر کھینچا کہ وہ زمین پر گر گیا اور پھر اُسے کھینچ کر قریش کی ایک جماعت کے پاس لے آئے اور فرمایا: میں تمھیں خداوند تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں اگر میں سچا ہوں تو میری تصدیق کرنا اور حق کو نہ چھوڑنا اور سچی گواہی دینا۔

آپؑ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی دو فرد ہم دونوں بھائیوں کے سوا ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہم سے زیادہ محبوب ہوں؟ میرے اور میرے برادر امام حسنؑ کے علاوہ کوئی اور ہے جو شہزادی رسول کا بیٹا ہو؟

حاضرین نے کہا: نہیں، آپؑ نے سچ فرمایا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: روئے زمین پر میں، ملعون، ابن ملعون کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اور اس کے باپ کو مدینہ سے باہر بھگا دیا تھا اور ان پر غضب ناک ہوئے تھے، یعنی مروان اور اس کا باپ حکم۔

پھر آپؑ نے مروان سے فرمایا: اے مروان! بخدا، جابلقا اور جابلسا کے درمیان ان دونوں شہروں میں سے ایک شہر اُفق مشرق میں ہے اور ایک اُفق مغرب میں ہے۔ کوئی دو آدمی جو دین اسلام سے مربوط ہوں اور رسولؐ اور آل رسولؐ کی عداوت میں تجھ سے اور تیرے باپ سے زیادہ ہوں مجھے نظر نہیں آتے!

میری گفتار کی صداقت کی علامت یہ ہے کہ جس وقت تیرے سینہ پُرکینہ میں آتش غضب شعلہ ور ہوگی تو تیرے کندھے سے تیری چادر گر پڑے گی۔

اس سے قبل کہ مروان اس محفل سے باہر نکلتا، راوی نے اس کے بارے میں یہ خبر دی بخدا وہ ابھی مجلس سے نہیں نکلا تھا کہ غصے سے لال پیلا ہوگیا اور اس کی چادر اس کے کندھے سے گر پڑی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا فرمان سچ ثابت ہوا۔ (الاحتجاج، ج ۲، ص ۲۹۹، مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۵۱)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: جب مروان مدینہ میں داخل ہوا تو تخت پر پشت کے بل لیٹ کر یہ آیت پڑھی:

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ

"پھر وہ اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ آگاہ رہو فیصلہ کرنے کا حق صرف اُسی کو حاصل ہے، اور وہ نہایت سُرعت سے حساب لینے والا ہے"۔ (سورۂ انعام، آیہ ۶۲)

حضرت امام حُسین علیہ السلام کا ایک غلام وہاں موجود تھا۔ جب وہ آپؑ کے حضور پہنچا تو امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: جب مروان مدینہ میں آیا تو اُس نے سب سے پہلی کون سی گفتگو کی؟

اس نے عرض کیا: اُس نے یہ آیت پڑھی ہے (مذکورہ آیت)۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: بخدا! میں اور میرے اصحاب بہشت کی طرف لوٹیں گے۔ مروان اور اس کے ساتھی جہنم کی طرف جائیں گے۔ ان کی بازگشت جہنم ہے۔ (تفسیر العیاشی، ج ا،ص ۳۶۲)

(مترجم: اس سے شاید مروان کی مراد امام حُسین علیہ السلام پر طنز و تعریض ہو)۔

بنو ہاشم میں یزید کے لیے خواستگاری

مناقب میں مذکور ہے: جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ کے لیے خواستگاری کی تو مروان نے یہ رشتہ نہ ہونے دیا اور اس نے کہا کہ میں اس سے عبداللہ بن زبیر کی تزویج کروں گا۔ جب امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوگئی۔ ان دنوں مروان معاویہ کی طرف سے حجاز کا حاکم تھا۔ اُس نے مروان سے کہا کہ تم عبداللہ بن جعفر کے پاس جاؤ اور اس کی بیٹی اُم کلثوم کے لیے یزید کی خواستگاری کرو۔ مروان جناب عبداللہ کے پاس آیا اور معاویہ کی بات اُن کے حضور عرض کی۔

جناب عبداللہ نے فرمایا: اس بچی کے رشتے کا اختیار ہمارے آقا امام حُسین علیہ السلام کے

پاس ہے، کیونکہ وہ بزرگوار میری دختر کے ماموں ہیں۔ جب واقعہ کی اطلاع حضرت امام حسین علیہ السلام کو ملی تو آپؑ نے فرمایا: میں اپنے اللہ سے اس بچی کے لیے اچھائی کا طلب گار ہوں۔ آپؑ نے دعا فرمائی: اے پروردگار! اس بچی کا رشتہ آلِ محمدؐ میں قرار دے جو تیری رضا کے مطابق ہو۔

مسجد نبویؐ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ مروان مسجد میں آیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس وقت امام عالی مقام اشراف و بزرگان کی ایک جماعت کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اس نے اپنی بات کا آغاز کیا۔ معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؑ سے یزید (لعین) کے لیے خواستگاری کروں اور بچی کا حق مہر اس کے والد کے اختیار میں دوں تا کہ یہ قرابت دو قبیلوں کے درمیان صلح کا موجب بن جائے اور اس کے والد کا قرض ادا کردوں۔

مروان نے کہا: اے حسینؑ! جب یزید (لعین) تمھارا قریبی ہوجائے گا اور تمھارا داماد بن جائے گا تو کوئی بھی آپ سے حسد نہیں کرے گا۔

مروان نے اپنی گفتگو میں کہا: اے حسینؑ! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یزید (لعین) تمھیں مہر کیوں دیتا ہے کیونکہ یزید تو وہ کفو ہے کہ کوئی کفو اس کا ہم سر نہیں ہے۔

اس نے کہا: یزید (لعین) اس قدر حسین وجمیل ہے کہ وہ اپنے رخسار کے پانی سے بادل کو سیراب کرتا ہے۔

اے ابوعبداللہ! مجھے کوئی اچھا جواب دیں اور اس خواستگاری کو قبول کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا جواب

جب آپؑ نے مروان کی باتیں سن لیں تو فرمایا: خداوند تعالیٰ کی ذات تمام حمد وثنا کے لائق ہے، کہ جس نے ہمیں اپنا تقرب عطا کیا اور اپنی ولایت کے لیے ہمیں اختیار کیا اور ہمیں اپنے دین کے لیے پسند کیا اور ہمیں عالمین پر فضیلت بخشی اور تمام مخلوق پر ہمیں حجت ٹھہرایا۔

آپؑ نے فرمایا: اے مروان! میں نے تیری تمام باتیں سنی ہیں کہ تو نے کہا ہے کہ مہر کا اختیار اس کے والد کے پاس ہے اور جو کچھ چاہو گے وہ دیا جائے گا، مجھے اپنی جان کی

قسم! اگر ہمیں یہ رشتہ قبول بھی ہو تو سنت نبویؐ کے بغیر ہم کسی صورت میں مہر قبول نہ کریں گے کہ جس قدر آپؐ نے سنت مقرر کی ہے، ہم بھی اُسی قدر حق مہر مقرر کرتے ہیں۔ ان کی سنت ۱۲ اوقیہ ہے، جو چار سو اسی درہم بنتے ہیں۔ ہم اس سے زیادہ حق مہر پسند نہیں کرتے۔

جہاں تک تو نے بات کی ہے کہ اس بچی کے باپ کا قرض ادا کیا جائے گا تو نے کب اور کس زمانے میں دیکھا ہے کہ بنو ہاشم کی لڑکیوں نے اپنی تزویج کے وقت ہمارے قرض ادا کیے ہوں کہ اب یہ دختر وقتِ تزویج اپنے باپ کا قرض ادا کرے گی؟

جہاں تک تو نے بات کی ہے کہ ہر قرابت دو قبیلوں کے درمیان صلح کا سبب بنے گی، ایسا کبھی نہیں ہوگا، کیونکہ ہماری تم سے جو عداوت ہے وہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہے۔ اللہ کی رضا اس میں ہے کہ ہم تمھیں اپنا دشمن سمجھیں۔ ہم ہرگز دنیاوی اُمور کی مصلحت کے لیے تم سے دوستی و صلح نہ رکھیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! میں تجھے یاد دلاؤں کہ بطنی قرابت اور صلبی سبب نے ہمیں تم جیسوں کی دوستی سے عاجز کر رکھا ہے تو پھر مُصاھری ودامادی قرابت کے ذریعے کس صورت میں ہمارے تمھارے درمیان دوستی و صلح کا سبب بنے گی۔

تیری یہ بات تعجب انگیز ہے کہ تو نے کہا ہے کہ یزید اپنی تزویج کے لیے حق مہر کیوں دیتا ہے؟ اس بات میں تُو جھوٹا ہے کیونکہ اس شخص نے بھی مہر دیا جو یزید اور اس کے باپ اور اس کے دادا سے بہتر تھا، اور تو نے یہ بات کی کہ یزید ایسا کفو ہے کہ کوئی شخص اس کے برابر نہیں ہے۔ پس جو شخص کہ پہلے اس کا کفو تھا آج بھی وہی اس کے باپ کا کفو ہے، ظلم و جبر کے ساتھ بادشاہ بن جانا اس کی شرافت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

یہ جو تو نے بات کی ہے کہ یزید کے چہرے کے حُسن و جمال سے اَبر سیراب ہوتے ہیں۔ تمھیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے جلال و جمال سے بادل سیراب ہوتے تھے، نہ کہ نحس و نجس یزید سے کہ جس کے چہرے سے کفر و نفاق ظاہر و ہویدا ہے۔

اب رہی بات یہ کہ تو نے کہا ہے کہ جو لوگ ہم پر رشک کرتے ہیں، جب یزید کی ہمارے ساتھ یہ قرابت ہوگی تو یزید کی وجہ سے لوگ ہم سے پہلے سے زیادہ رشک کریں

گے۔ جی ہاں! اس قرابت کے سبب جاہل و گمراہ لوگ ہم پر رشک کریں گے اور یزید پر ہماری اس قرابت کی وجہ سے رشک کریں گے۔ اگر یہ قرابت ظہور میں آجائے لیکن صاحبانِ علم و عقل اس وقت یزید پر رشک کریں گے اگر یہ تزویج ہو جائے کیونکہ یہ یزید کے لیے فخر کی بات ہوگی کہ اُسے رسول اللہ ﷺ کے خاندان کی قرابت مل گئی ہے لیکن یزید کے ساتھ قرابت ہمارے لیے فخر کی بات نہیں ہے کہ ہم بنواُمیہ کے ایک طاغی اور سطحی آدمی سے قرابت پیدا کریں۔ آنحضرتؑ نے چند ایک باتیں اور فرمائیں۔

پھر آپؑ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم گواہ رہنا کہ میں عبداللہ بن جعفر کی دختر اُم کلثوم کا عقد اس کے چچا کے بیٹے قاسم بن محمد بن جعفر کے ساتھ کر رہا ہوں۔ میں نے اس کا حق مہر ۴۸۰ درہم مقرر کیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: مدینہ میں میرا جو کھیت ہے یا آپ نے اپنی دوسری زمین عقیق کا حوالہ دیا کہ میں اس دختر کو ھبہ کرتا ہوں۔ ہر سال اس کا حاصل آٹھ ہزار دینار طلائی کے برابر ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ یہ اس کے لیے اور اس کے شوہر کے لیے بطور نفقہ ہوگا۔

جب مروان نے نورِ دیدہ رسولؐ اللہ کی یہ گفتگو سنی تو اس کا رنگ غیر ہو گیا اور کہنے لگا: اے فرزندانِ ہاشم! مجھے تم نے دھوکے میں رکھا ہے تمھیں ہر وقت بنواُمیہ کی عداوت کا خیال رہتا ہے۔

آپؑ نے مروان کو حضرت امام حسنؑ کی خواستگاری یاد دلائی کہ جب انھوں نے حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ کی خواستگاری چاہی تھی تو تُو رکاوٹ بنا تھا کیونکہ مروان نے اس وقت کہا تھا کہ میں اس دختر کی تزویج عبداللہ بن زبیر سے کروں گا۔

آپؑ نے فرمایا: اے مروان! کہاں ہے مکر وحیلہ، مکاری وحیلہ گری تمھارا کام ہے نہ کہ ہمارا، جب کوئی آدمی کسی سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے میں بہتری نہیں دیکھتا تو اُسے سرانجام نہیں دیتا۔ اس بات کو مکر وحیلہ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ اُس وقت مروان نے کہا:

أَرَدْنَا صِهْرَكُمْ لِنُجِدَّ وُدًّا
قَدْ أَخْلَقَهُ بِهِ حَدَثُ الزَّمَانِ

فَلَمَّا جِئْتُكُمْ فَجَبَهْتُمُونِي
وَبُحْتُمْ بِالضَّمِيرِ مِنَ الشَّنَآنِ

''ہم نے تم سے قرابت اور دامادی کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ اپنی محبت و مودت کو تازہ کریں اور اُسے انتہا تک پہنچائیں کہ جسے حوادث روزگار نے بوسیدہ کردیا ہے، پس میں تو اس خیال سے آپ کے پاس آیا تھا لیکن تم نے انکار کرکے مجھے پشیمان کردیا ہے اور تمھارے دل میں جو دشمنی وعداوت ہے اُسے آشکار کردیا''۔

جب بنوہاشم کے آزاد کردہ غلام ''ذکوان'' نے مروان کی یہ بات سنی تو اس کا جواب ان اشعار میں دیا:

أَمَاطَ اللهُ مِنْهُمْ كُلَّ رِجْسٍ
وَ طَهَّرَهُمْ بِذٰلِكَ فِي الْمَثَانِي
فَمَا لَهُمْ سِوَاهُمْ مِنْ نَظِيْرٍ
وَلَا كُفُوٌ هُنَاكَ وَلَا مُدَانِي
أَتَجْعَلُ كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ
إِلَى الْأَخْيَارِ مِنْ أَهْلِ الْجِنَانِ

''اللہ تعالیٰ نے پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیتؑ سے ہر برائی اور گناہ کو دُور کردیا ہے اور اللہ نے ان کی طہارت کا اعلان اپنی پاکیزہ کتاب میں فرمایا ہے۔ اس بھری کائنات میں ان بزرگواروں کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ مثیل ہے۔ ان کے قرب ومنزلت تک کسی کو رسائی حاصل نہیں ہے۔

اے مروان! کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ تو ہر جبار عنید کو ایسی جماعت سے نسبت دینا چاہتا ہے اور اُن کے برابر سمجھتا ہے، جو اہلِ بہشت سے بہتر اور برتر ہیں؟'' (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۳۷)

بنواُمیہ کا تعداد میں زیادہ ہونا اور اُن کی مونچھوں کا جلد سفید ہونا

محاسن برقی میں منقول ہے: ایک دن عمرو عاص نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری اولاد بنوہاشم کی اولاد سے بڑھ کر ہے؟

آپؑ نے اُس کے جواب میں فرمایا:

بُغَاثُ الطَّيْرِ اَكْثَرُهَا فِرَاخًا

وَ اُمُّ الصَّقْرِ مِقْلَاتٌ نَزُوْرٌ

''گدھ کے بچے بڑی کثرت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ باز ایک شریف پرندہ ہے، اس کے بچے بہت کم ہوتے ہیں''۔

اس کے بعد اُس نے آپؑ سے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری مونچھیں جلد سفید ہوجاتی ہیں اور آپ لوگوں کی سیاہ رہتی ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تمھاری عورتیں گندہ دھن ہوتی ہیں۔ جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی عورت کے پاس جاتا ہے تو وہ عورت وقتِ مقاربت اپنا منہ مرد کے منہ پر رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمھاری مونچھیں جلد سفید ہوجاتی ہیں۔

روایت میں یوں ہے: اِنَّ نِسَاءَ كُمْ نِسَاءٌ بَخِرَةٌ فَاِذَا دَنَا اَحَدُكُمْ مِنِ اِمْرَاَتِهٖ نَهَكَتْهُ، اگر نَهَكَتْهُ کی بجائے نَكَهَتْهُ ہو تو اسے مصنف نے صحیح ہونے کے زیادہ قریب خیال کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمھاری عورتوں کے منہ بدبودار و متعفن ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے منہ تمھارے منہ کے قریب لاتی ہیں کہ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے شوہروں نے شراب پی رکھی ہے یا نہ، تو اُس وقت اس سے تمھاری مونچھیں سفید ہونے لگتی ہیں۔

امام علیہ السلام کے کلام سے یہ بھی مستفاد ہے کہ بنوہاشم کی خواتین کے دھان خوشبودار و معطر ہوتے ہیں۔ ان کے دھان کی خوشبو کی وجہ سے ان کے مردوں کی مونچھیں جلد سفید نہیں ہوتیں۔

تمھارے بال گھنے کیوں ہیں؟

آپؑ سے عمرو بن عاص نے یہ سوال بھی کیا کہ تمھاری ڈاڑھیوں کے بال گھنے کیوں

ہیں اور ہماری دھاڑیوں کے بال کم کیوں ہیں؟

اس کے جواب میں آنحضرتؑ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا

"جو زمین پاک و پاکیزہ ہوتی ہے اور شورہ زدہ نہیں ہوتی تو اس کی مٹی زرخیز ہوتی ہے۔ اللہ کے اذن سے گھاس اور چارہ ونباتات اُگاتی ہے اور جو زمین خبیث اور شورہ زدہ ہوتی ہے وہ نباتات اور گھاس نہیں اُگاتی مگر بہت کم"۔ (سورۂ اعراف، آیہ ۵۸)

یعنی بنوہاشم کے محاسن شریف بالوں کے اُگانے یا اُن کے باہر آنے کے لیے اس طرح ہیں جس طرح زرخیز اور پاک و پاکیزہ زمین ہوتی ہے اور بنواُمیہ کے لوگوں کے بالوں کے اُگانے کے مقام خبیث اور شورہ زدہ زمین کی طرح ہیں جو بہت کم بال اُگاتی ہیں۔

جب امیرشام نے فصاحت و بلاغت سے لبریز جواب سنے تو اُس نے دیکھا کہ اگر مزید عمرو عاص کے سوالات کا سلسلہ چلتا رہا تو مزید فضیحت و رُسوائی ہوگی تو عمرو عاص سے کہا: تجھے میرے حق کی قسم! اب امام حسینؑ سے مزید بات مت کرنا اور خاموش ہوجا، تجھے معلوم نہیں ہے کہ حسینؑ علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں، وہ تجھ سے مغلوب ہونے والے نہیں ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

إِنْ عَادَتِ الْعَقْرَبُ عُدْنَا لَهَا
وَكَانَتِ النَّعْلُ لَهَا حَاضِرَةً
قَدْ عَلِمَ الْعَقْرَبُ وَاسْتَيْقَنَتْ
أَنْ لَا لَهَا دُنْيَا وَلَا آخِرَةً

"پس اگر بچھو نے دوبارہ ہماری طرف بازگشت کی تو پھر اس کے سر کو کچلنے کے لیے جوتا حاضر ہے۔ اگر اس نے اصرار کیا تو میں جوتے سے اس کی مرمت کروں گا۔ جی ہاں! عقرب کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ نہ اس کی دنیا ہے اور نہ آخرت"۔

آپؑ کی مراد ان اشعار سے واضح ہے وہ آپ کے سامنے شرمسار ہو کر رہ گیا۔ اس معدنِ فصاحت و بلاغت کے نکات و لطائف کسی پر مخفی نہیں ہیں۔

اعرابی کی حاجت روائی

مناقب میں مسطور ہے کہ ایک دفعہ ایک اعرابی امیر شام کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر آیا اور اعرابی نے اُس سے کہا: اس کی ضرورت کو وہ پورا کرے لیکن اُس نے اس کی حاجت کو پورا کرنے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لیا۔ اسی اثناء میں نوردیدہ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام وہاں تشریف لائے تو معاویہ نے آنحضرتؑ سے محفل شروع کردی۔

اُس اعرابی نے حاضرین سے پوچھا: یہ بزرگوار جو ابھی تشریف لائے ہیں کون ہیں؟

لوگوں نے کہا: فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام ہیں۔

وہ اعرابی آپؑ کے پاس آیا اور آپؑ کے حضور عرض کیا: اے فرزند دختر رسولؐ! آپؑ میری اس سے سفارش فرمائیں تاکہ یہ میرا کام کردے۔ پس آنحضرتؑ نے معاویہ سے کہا کہ اس کی ضرورت کو وہ پورا کردے۔ امام حسین علیہ السلام کی سفارش سے معاویہ نے اعرابی کی حاجت پوری کردی۔ اُس نے کہا:

اَتَیْتُ الْعَبْشَمِیَّ فَلَمْ یَجُدْلِیْ
اِلَی اَنْ هَزَّهُ ابْنُ الرَّسُوْلِ
هُوَ ابْنُ الْمُصْطَفٰی کَرَمًا وَ جُوْدًا
وَ مِنْ بَطْنِ الْمُطَهَّرَةِ الْبَتُوْلِ
وَ اِنَّ لِهَاشِمٍ فَضْلًا عَلَیْكُمْ
كَمَا فَضَلَ الرَّبِیْعُ عَلَی الْمُحُوْلِ

"میں ایک خشک و بے برگ و بار درخت کے پاس آیا تو میرے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ آخرکار فرزندِ رسولؐ نے اسے میرے لیے ہلایا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی کرامت اور سخاوت کے اعتبار سے ابنِ مصطفٰیؐ ہیں اور ان

کی والدہ گرامی بتول معظمہ ہیں جو ہر اعتبار سے طیبہ و طاہرہ ہیں۔
اے معاویہ! بنو ہاشم کو تجھ پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح
زمینِ گلزار اور فصلِ بہار کو زمینِ خشک اور بے آب و گیاہ پر فضیلت
حاصل ہوتی ہے"۔

معاویہ نے اُس اعرابی سے کہا: میں نے تمھیں مال دیا ہے، تیری حاجت پوری کی ہے، تجھ پر میری مدح و ستائش لازم تھی تو نے امام حُسین علیہ السلام کی مدح و تعریف شروع کر دی؟

اس پاک سیرت و نیک طینت اعرابی نے معاویہ سے کہا: تو نے جو مال مجھے دیا ہے وہ، اس بزرگوار کے فرمان کے بعد عطا کیا ہے، اس اعتبار سے تیرا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے کہ میں تیری تعریف کروں۔(مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۷)

معاویہ کا اپنے ساتھیوں سے مشورہ

کتاب عقد میں اندلسی سے روایت ہے: ایک دن معاویہ نے مروان سے حضرت امام حُسین علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کیا کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

مروان نے کہا: بہتر ہے کہ حسینؑ کو مدینہ سے نکال کر اپنے پاس شام بلا لو۔ پھر وہاں ان کی نگرانی کرو۔ عراق کا راستہ ان پر بند کردو، نہ وہ ان سے رابطہ رکھ سکے اور نہ اہلِ عراق اُن سے رابطہ کر سکیں۔

یہ سن کر معاویہ نے کہا: بخدا! تو مجھے پریشانیوں میں پھنسانا چاہتا ہے اور خود پُرسکون ہونا چاہتا ہے۔ اگر مصائب و ابتلا کے وقت اس کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کروں تو یہ ایسے ہے جیسے کہ میں نے ناپسندیدہ اُمور کو برداشت کیا۔ اگر اس کی اذیت کے عوض اُسے اذیت دوں تو اس صورت میں قطع رحمی کرنے والا ہوں گا۔ اب کسی کو روانہ کر کہ سعید بن عاص کو میرے پاس لے آئے تا کہ اُس سے اس بارے میں مشاورت کروں۔

جب سعید معاویہ کے پاس آیا تو اُس نے کہا: بخدا! حسینؑ تیرے لیے تو کوئی خطرہ بھی نہیں ہیں لیکن حسینؑ کو تو اپنے بیٹے یزید کے لیے خطرہ جانتا ہے۔ تو اس خوف کو اپنے دل

دماغ سے نکال دے کہ جسے تو حسینؑ کے مقابلے میں خلیفہ بنانا چاہتا ہے وہ حسینؑ کا مقابلہ کرنے والا ہے اور اس کا مضبوط حریف ہے۔ اگر وہ تیرے فرزند سے کشتی لڑنا چاہے تو تیرا بیٹا اس پر غالب آئے، اگر وہ جنگ کرنا چاہے تو پھر بھی فتح تیرے بیٹے کو ہوگی۔ حسینؑ کو اپنے حال پر چھوڑ دے، اُسے کھجور کا درخت سمجھ لے کہ وہ اس علاقے میں جس قدر پانی سے سیراب ہوتا ہے، وہ فضا میں اُوپر کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ وہ اُوپر جتنا بھی بڑھے پھر بھی آسمان تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی درخت خرما اس ملک میں خوب پانی پیتا ہے اور بلند ہوتا رہتا ہے لیکن آسمان تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی حال حسینؑ کا ہے وہ خلافت و رفعت کی آرزو رکھتا ہے لیکن وہ اپنی آرزو کو کبھی نہیں پاسکتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مروان کو جواب

تفسیر فرات بن ابراہیم میں روایت ہے: یہ ان ایام کی بات ہے جب مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ اُس نے ایک دن مسجد میں خطبہ دیا اور حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی تنقیص کی۔ اس طرح اپنے نفاق کا مظاہرہ کیا۔ خطبہ کے بعد اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ جب امام حسین علیہ السلام تشریف لائے تو لوگوں نے آپؑ کو اس واقعے کی خبر دی۔ آپؑ نے لوگوں سے پوچھا: جس وقت مروان یہ باتیں منبرِ رسولؐ پر کر رہا تھا اس وقت میرے برادر امام حسن علیہ السلام تشریف فرما نہیں تھے۔

لوگوں نے جواب دیا: وہ موجود تھے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا انھوں نے مروان کو کوئی جواب نہ دیا۔

لوگوں نے کہا: جی ہاں! وہ خاموش رہے۔

پس امام علیہ السلام غضب ناک صورت میں وہاں سے اُٹھے اور مروان کے پاس آکر فرمایا: اے کبود چشم عورت کے بیٹے! اے جوئیں کھانے والی عورت کے بیٹے! تو کون ہوتا ہے کہ اتنی عظیم الشان ہستی کے بارے میں یہ باتیں کرے۔ یہ سن کر مروان نے کہا: آپؑ بچے ہیں ابھی عقلی بلوغت نہیں رکھتے۔

آپؑ نے فرمایا: میں تمھیں اس کی خبر دوں کہ جو تیرے اور تیرے کفر و الحاد کے بارے میں وارد ہے اور بنواُمیہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں وارد ہے، یعنی وہ آیاتِ قرآنی ہیں، جو تمھارے اور بنواُمیہ کے کفر پر نازل ہوئی ہیں اور وہ آیات جو میرے بزرگوار امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مدح میں نازل ہوئی ہیں؟

خداوند تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

"جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں ان کے لیے رحمٰن عنقریب لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا"۔(سورۂ مریم، آیہ ۹۶)

یہ آیت امام علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ (سورۂ مریم، آیہ ۹۷)

"(اے محمدؐ) پس ہم نے یہ قرآن آپؐ کی زبان میں یقیناً آسان کیا ہے تاکہ آپؐ اس سے صاحبانِ تقویٰ کو بشارت دیں"۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بشارت دی، پس اللہ تعالیٰ کی مراد اس آیت سے امام علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ ہیں۔(تفسیر فرات، ص ۲۵۳)

اگر میرے سو بیٹے ہوتے تو سب کا نام علیؑ رکھتا

کافی میں روایت ہے: معاویہ نے مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا اور اُسے حکم دیا کہ بیت المال میں سے مال بنوہاشم کے جوانوں کی خدمت میں پیش کرو۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں مروان کے پاس آیا۔ اُس نے میرا نام پوچھا: تو میں نے کہا: میرا نام علیؑ بن الحسینؑ ہے۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھا: تمھارے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: ان کا نام بھی علیؑ ہے۔

یہ سن کر مروان نے کہا: بس سب علی، علی، تمھارے باپ کو اس نام کے علاوہ کوئی اور نام نہیں ملتا تھا کہ وہ اُسے اپناتا؟ پس اُس نے میرے لیے مال مقرر کیا۔ جب میں واپس اپنے والد بزرگوار کے حضور آیا تو مروان کا قصہ عرض کیا تو آپؑ نے غصے میں آ کر فرمایا:

اس کبود چشم عورت کے بیٹے کو مجھ سے کس قدر تکلیف ہے۔ اگر میرے سو بیٹے ہوتے تو میں اپنے ہر بیٹے کا نام علیؑ رکھتا۔ (کافی، ج ۶، ص ۱۹)

مروان کو مدینہ میں حضرت امام حُسین علیہ السلام سے سخت خوف تھا

شیخ کشی کی روایت ہے: مروان جن دنوں مدینہ کا گورنر تھا، اُس نے معاویہ کی طرف خط لکھا کہ مجھے عمرو بن عثمان نے خبر دی ہے کہ عراق اور حجاز سے بااثر لوگ اکثر و بیشتر امام حُسین علیہ السلام کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اس معاملے میں مَیں پریشان ہوں۔

عمرو کا کہنا ہے کہ امام حُسین علیہ السلام کے خروج سے مَیں محفوظ نہیں ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ کھڑا نہ ہوجائے۔ تم میرے خط کا جواب دو جس بات کی عمرو نے مجھے خبر دی ہے، میں اس کی تحقیق میں ہوں۔ ابھی تک تو حسینؑ کا خروج کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ شاید وہ انتظار میں ہو کہ تو اس دنیا سے رحلت کرے اور وہ یزید کے لیے فتنہ کھڑا کر دیں۔ پس اس معاملے میں تمھاری جو رائے ہو، وہ میری طرف لکھیے تاکہ اس کی تعمیل کروں۔ والسلام!

جب یہ خط معاویہ کو ملا۔ اُس نے اس کے جواب میں لکھا:

امابعد! تمھارا خط مجھے ملا ہے اس میں جو کچھ تم نے لکھا ہے، اُسے میں نے سمجھا ہے۔ ہاں جب تک وہ تم سے کوئی جھگڑا نہ کریں تو بھی ان سے کوئی جھگڑا نہ کر، کیونکہ جب تک وہ ہمارے ساتھ وفا رکھتے ہیں، میری حکومت میں مجھ سے جھگڑا نہ کریں۔ میں بھی ان سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں چاہتا۔ والسلام!

مکتوبِ معاویہ بنام حضرت امام حُسین علیہ السلام

معاویہ نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی طرف خط لکھا:

آپ کی طرف سے جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو میں اس بارے میں تم سے یہ کہوں گا کہ تم اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے انھیں ترک کر دو۔ آپ کوئی ایسا کام نہ کریں جسے میں پسند نہیں کرتا ہوں۔ آپؑ ان کاموں کو چھوڑ دیں۔

اللہ کی قسم! جو شخص خداوند تعالیٰ سے عہد و پیمان کر لیتا ہے تو اس پر لازم ہے، وہ اپنے عہد کی پاسداری کرے۔ پس جو کچھ آپؑ کے بارے میں مجھے کہا گیا ہے، اگر وہ جھوٹ ہے تو آپؑ ان کا ہرگز ارادہ نہ کریں، اپنے آپ کو نصیحت کریں اور اپنے عہد و پیمان پر باقی رہیں۔ جب آپ عہد شکنی کریں گے تو میں بھی عہد شکنی کروں گا۔ اگر آپ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کریں گے تو میں بھی دھوکا دوں گا۔ پس آپؑ پر لازم ہے کہ اس اُمت کے اتفاق کو پراگندہ نہ کریں اور فتنہ برپا کرنے کا سبب نہ بنیں۔ آپؑ نے لوگوں کو اچھی طرح سے آزما لیا ہے، پس آپ اپنی جان پر اور اپنے جد بزرگوار کی اُمت پر رحم کریں اور ان احمقوں سے دُور رہیں اور وہ لوگ جو حقائق سے واقف نہیں ہیں ان سے بچ کر رہیں، کہیں وہ آپ کو دھوکا نہ دیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا خط بنام معاویہ

جب معاویہ کا خط فرزند رسولؐ اللہ کو ملا تو آپؑ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا:

امابعد! تم نے میری طرف لکھا ہے کہ کچھ باتیں میری طرف سے تجھے پہنچی ہیں، جن سے تو مجھے دُور رکھنا چاہتا ہے اور وہ باتیں تیرے نزدیک میرے لیے اچھی نہیں ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو میری اچھائی یا برائی کو نہیں جان سکتا، نیکیوں کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ کسی امر کی حقیقت تک صرف اللہ ہی کی رسائی ہے۔

بہرحال جو تو نے لکھا ہے کہ کچھ باتیں میری تجھ تک پہنچی ہیں، یہ باتیں تمھیں ان لوگوں نے کہی ہیں جو تیری خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں اور چغل خُور ہیں۔ میرا تم سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن بخدا! تجھ سے جنگ کے ترک کرنے میں میں اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ تجھ سے ترکِ محاربہ میں خدا مجھ پر راضی نہیں ہوگا اور تجھ سے دوستی رکھنے میں وہ مجھ پر خوش ہو اور اس باب میں میرے وہ عذر کو قبول کرے۔ خداوند تعالیٰ مجھ پر ہرگز راضی نہیں ہے کہ میں تیری اس حکومتِ فاسدہ اور خلافتِ باطلہ میں تیری مدد کروں۔ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو جنھوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے اور وہ دینِ خدا سے نکل گئے اور اُنھیں ان کی بدعات پر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دوں اور مصالحت سے کام لوں۔

اگر جنگ کی شرائط پوری ہوگئیں اور لوگوں نے میری نصرت پر اجتماع کرلیا تو میں ضرور تجھ سے جنگ کروں گا کیونکہ اُس حال میں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرے گا کہ میں تجھ سے جنگ نہ کروں یا آپؑ کی اس سے مراد تھی کہ اللہ مسلمانوں پر خوش نہیں ہے کہ وہ تجھ سے جنگ نہیں کرتے اور بغیر کسی عذر کے تجھ سے مصالحت رکھتے ہیں بلکہ تیری نصرت کرتے ہیں۔

آپؑ نے لکھا کیا تو حجر بن عدی کندی کا قاتل نہیں ہے؟ تو نے ان لوگوں کو قتل کیا جو نماز گزار اور عابد و زاہد تھے، وہ ظلم و ستم کو اچھا نہیں جانتے تھے اور اہلِ بدعات کو برداشت نہیں کرتے تھے اور اللہ کی رضا کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف زدہ نہیں رہتے۔ تو نے ایسے عظیم لوگوں کو ظلم و عدوان سے قتل کردیا حالانکہ تو نے ان کے ساتھ عہد و پیمان باندھ رکھے تھے اور قسمیں دے رکھی تھیں کہ وہ انھیں کوئی اذیت نہیں دے گا۔ حالانکہ تیرے اور ان کے درمیان سوائے ہماری محبت کے کوئی دوسری زمانہ قدیم سے عداوت نہ تھی۔

کیا تو عمرو بن حمق صحابی رسولؐ کا قاتل نہیں ہے کہ جو اللہ کا عظیم بندہ تھا کہ کثرتِ عبادت نے اس کے جسم کو لاغر و نحیف و نزار کر رکھا تھا۔ جس سے اس کے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا تھا۔ اس کا جسم گھل گیا تھا۔ ایسے

آدمی کو تُو نے قتل کر ڈالا حالانکہ تو نے اُس سے عہد و پیمان کر رکھے تھے اور اُسے قسمیں دی تھیں۔ اگر یہ عہد و پیمان جو تو نے عمرو سے کیے تھے اگر کسی پرندے سے کرتا تو وہ پہاڑ سے اُڑ کر تیرے پاس آجاتا۔ ان وعدوں کے باوجود تو نے اس عابد و زاہد کو قتل کر ڈالا۔

کیا تو وہ نہیں ہے کہ تو نے سُمیہ کے بیٹے زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا حالانکہ وہ ثقیف کے غلام کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ تو نے یہ کس طرح دعویٰ کیا کہ وہ تیرے باپ کا بیٹا ہے، شاید اسے گمان میں کہ تیرے باپ نے سُمیہ سے زنا کیا تھا اور زیاد تیرے باپ کے نطفے سے پیدا ہوا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

الولد للفراش وللعاهر الحجر

"فرزند اس کا ہے جس کا بستر ہے اور زانی کے واسطے پتھر ہیں"۔

پس تو نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو جان بوجھ کر ترک کیا، اُسے بدل دیا اور اپنے نفس کی پیروی کی اور پھر جسے تو نے اپنے باپ سے لاحق کیا اُسے عراقیوں پر مسلط کیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں قلم کرے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دے اور کھجور کے درخت پر پھانسی دے۔ گویا تو اس اُمت سے نہیں ہے یا وہ اس اُمت سے نہیں تھے؟

کیا تو وہ نہیں ہے کہ جب زیاد بن سمیہ نے لکھا کہ قبیلہ حضرم والے امام علی علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور خلافت کا حق دار اُن ہی کو سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا کیا جائے تو تُو نے اس کے جواب میں لکھا کہ جو آدمی علیؑ کے طریقے پر چلتا ہے اُسے قتل کر دے۔ تو نے اُسے قتل پر مامور کیا اور اُس نے ان کے ناک کان کاٹ ڈالے تھے۔ حالانکہ علیؑ کا راستہ وہی ہے کہ جس دین کے غلبے کے لیے اس بزرگوار نے خداوند تعالیٰ کے فرمان کو اپناتے ہوئے تیرے باپ اور تیرے منہ پر تلوار ماری۔ تو نے

ان کی تلوار کے خوف سے ظاہری صورت میں اس دین کو قبول کیا۔ اُسی امام علیؑ کی تلوار کی برکت سے تو اس تخت پر بیٹھا ہے اور اس حکومت و امارت کو غصب کر رکھا ہے۔

اگر اس دین کی سربلندی کی خاطر علیؑ کی تلوار بلند نہ ہوتی تو تیرے باپ کا اور تیرا وہی کام ہوتا جو تمھارا گزشتہ ایام میں تھا کہ تم ہر سال سردی کے زمانے میں معمولی سی متاع کے ساتھ یمن جاتے تھے اور گرمیوں کے زمانے میں مرچ، کھالیں اور کچھ دوسرا مال مکہ سے شام کی طرف لے جاتے تھے۔ ان دونوں سفروں میں تم معمولی منافع کماتے تھے اور نہایت درجے کی مشقت کے ساتھ تمھاری زندگی گزر رہی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے امام علیؑ کے زورِ بازو سے تمھیں بھوک و افلاس اور مشقت و رذالت سے نجات دے کر غنی کر دیا ہے۔

تو نے میری طرف لکھا ہے کہ میں اپنے آپ پر اور اپنے دین پر اور اُمت محمدیہؐ پر رحم کروں اور اس اُمت میں فتنہ برپا نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ تیری حکومت ایک عظیم ترین فتنہ ہے۔ اس سے بڑا کوئی اور فتنہ ہے ہی نہیں۔ اگر تیرے ساتھ جہاد کے شرائط مجھے میسر آجائیں تو تجھ سے جہاد کر کے اللہ کی اطاعت کروں اور اس کا تقرب حاصل کروں۔ (۱)

تُو نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میں نے تجھے ناراض کیا اور تم سے دھوکا کیا تو تُو بھی مجھ سے دشمنی برتے گا اور مجھ سے دھوکا کرے گا۔

اے معاویہ! تجھ سے میرے بارے میں جو کچھ بن سکے تو اُسے

---

(۱) (مترجم: آپؑ کا اس بیان سے مقصود یہ تھا کہ تیرے خلاف جہاد واجب ہے۔ اگر جہاد کی شرائط مجھے حاصل ہو جائیں اور پھر تجھ سے جہاد نہ کروں تو میں نے واجب کو ترک کیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ معصوم واجب کو ترک نہیں کرتا۔ اگر جہاد کی شرائط میسر آجائیں اور پھر تجھ سے جہاد نہ کروں تو پھر میں واجب کا تارک ٹھہروں۔ میری خدا سے دعا ہے کہ وہ نجات کے اسباب پیدا فرمائے)۔

کرگزر۔ کیونکہ مجھے اپنے خدا کے کرم پر اُمید ہے کہ تو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تُو ضرر سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہنچا رہا ہے کیونکہ تُو اسپ جہالت پر سوار ہے، عہد و پیمان کو توڑنا تیری عادت بن گئی ہے۔ تُو اس پر حریص ہوگیا ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم! یہ حقیقت ہے کہ تیرے لیے ممکن ہی نہیں کہ تو کسی سے وفا کرے۔

تو نے اس جماعت کو قتل کر کے اپنے عہد و پیمان کو توڑا ہے اور اُنھیں تو نے بے گناہ قتل کیا ہے حالانکہ وہ تیرے ساتھ جنگ نہیں کر رہے تھے۔ نہ اُنھوں نے کسی کو قتل کیا تھا کہ تو نے ان کے عوض انھیں قتل کیا ہو۔

تو نے اُنھیں صرف اس لیے قتل کیا کہ وہ ہر جگہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حقوق کی تعظیم کرتے تھے۔ پس تو نے انھیں اس لیے قتل کیا کہ شاید وہ تیرے مرنے کے بعد وہ کام کرلیں جو تجھے پسند نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے بارے میں تو نے جو کچھ سوچا ہے ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

آپؑ کے اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آپؑ نے امیر شام سے فرمایا:

تو نے اُنھیں اس لیے قتل کیا کہ وہ تیرے مرنے کے بعد خلافت و حکومت کو تیرے خاندان سے کھینچ لیں گے اور جن کا حق ہے، ان تک پہنچا دیں گے۔

اے امیر شام! تمھیں بشارت ہو یہ شہدا تجھ سے اپنے خون کا قصاص لیں گے اور یقین جان کہ یہ روزِ قیامت تجھے حساب کے لیے کھڑا کریں گے۔ یقین رکھ اللہ کے پاس ایک نامۂ اعمال ہے، کوئی گناہ نہ چھوٹا اس سے باہر ہے اور نہ بڑا جو تُو نے گناہ کیے ہیں اللہ اُنھیں نہیں بھولا۔

کتنوں کو تُو نے ایک گمان پر قتل کردیا اور کتنے اولیائے اللہ کو تُو نے تہمت لگا کر جان سے مار ڈالا۔ اللہ کے کتنے نیک بندے ہیں کہ جنھیں تُو نے گھروں سے نکال کر شہر بدر کردیا ہے اور اپنے یزید جیسے شرابی اور کتوں سے کھیلنے والے نوجوان کے لیے کس طرح تُو نے لوگوں

سے جبراً بیعت لی ہے۔ تیری یہ سب حرکات اللہ تعالیٰ ہرگز فراموش نہیں کرسکتا۔

تُو نے اپنے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے اور اپنے دین کو تباہ کردیا ہے اور تُو نے اپنی رعایا کو دھوکا دیا اور اپنی عزت کو گنوا دیا۔ وہ لوگ جو جاہل اور احمق ہیں ان کی باتوں کو تو سنتا ہے۔ جو لوگ پرہیزگار اور صالح ہیں، انھیں احمق اور جاہل لوگوں کے کہنے سے خوف زدہ کرتا ہے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ ملکوتی خط معاویہ نے پڑھا تو اپنے آپ سے کہنے لگا: مجھے معلوم نہ تھا کہ حسینؑ کے دل میں اس قدر میرے خلاف کینہ بھرا ہوا ہے۔ جو کچھ اس نے لکھا ہے، اس سے یہ ثابت ہے۔ جو عداوت اس کے دل میں ہے اُس نے وہ میری طرف لکھ دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں میرے خلاف نفرت نے شدت کو اپنایا ہوا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کو یہ خط دکھایا۔ اُس نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ تم امام حسینؑ کی طرف واپسی خط لکھو، جس میں اس کی اور اُس کے باپ کی تذلیل کرو اور اس کے والد پر سب و شتم کرو۔

اس دوران عبداللہ بن عمرو بن عاص ان کے پاس آیا۔ معاویہ نے اُسے بھی امام علیہ السلام کا خط دکھایا۔ جب اُس نے امام علیہ السلام کا خط پڑھا تو اُس نے اُسے یزید (لعین) والا مشورہ دیا۔ یزید نے معاویہ سے کہا: تم نے میرے مشورے کو کس طرح پایا؟ یہ سن کر معاویہ ہنس پڑا اور عبداللہ سے کہا: مجھے یزید نے وہی مشورہ دیا ہے جو تُو نے مجھے دیا ہے۔ عبداللہ نے کہا: یزید نے ٹھیک مشورہ دیا ہے۔

معاویہ اور فضائلِ اہلِ بیتؑ

معاویہ نے ان دونوں سے کہا: تم دونوں نے کوئی درست بات نہیں کہی حالانکہ میں ان کے اور ان کے والد کے بارے میں کوئی عیب نہیں جانتا۔ ہاں اگر میں چند جھوٹی باتیں لکھ کر بھیج دوں تو اُن سے کیا حاصل ہوگا۔ جب کہ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس کی طرف کچھ دھمکی آمیز باتیں لکھوں لیکن اب اُنھیں لکھنا بھی مناسب نہیں جانتا۔

اس روایت کے آخر میں طبرسی نے لکھا ہے کہ معاویہ نے دوبارہ آپؑ کی طرف کوئی ایسا خط نہیں بھیجا، جس میں کوئی ناگوار باتیں ہوں اور آپؑ کی طرف وہ ہدایا اور تحائف جو بھیجا کرتا تھا اُنھیں بھیجتا رہا اُنھیں بند نہ کیا۔ (محمد بن عمر، رجال کشی، ج ۴۹، ص ۹۸-۹۹۔ طبرسی الاحتجاج، ج ۲، ص ۲۹۸)

٭٭٭

بابِ پنجم

وہ آیات جو بحسبِ تاویل امام عالی مقامؑ کی شہادتِ رفیعہ پر دلالت کرتی ہیں

تاویلِ آیاتِ قرآن کریم

(مترجم: قرآن کریم معجزہ ہے اور وہ ہر اعتبار اور ہر صورت سے معجزہ ہے۔ اُس کی اعجازی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُسے اس طرح منظم کیا ہے اور اس کے الفاظ کو اس طرح ترتیب دی ہے کہ اس کی عبارت مختلف معانی کا قالب بن جاتی ہے اور اس کی ایک بات چند چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان میں سے ایک اس کے معانی کو ظاہر کرتی ہے، جسے اس آیت کا ظاہری معنی کہا جاتا ہے اور باقی جو معانی و مفاہیم اس آیت کے دامن میں ملتے ہیں انھیں تاویل کہا جاتا ہے لیکن تاویل وہ صحیح ہے، جو اس گھرانے سے لی گئی ہو، جس گھر پر قرآن نازل ہوا ہے۔ وہ آئمہ طاہرین علیہم السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کیونکہ احادیث موجود ہیں کہ جس نے تفسیر بالرائے کی تو اُس نے خطا کی اور اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۳، ابواب صفات قاضی، باب ۱۳، بحارالانوار، ج ۸۹، کتاب القرآن ۱۰)

ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ جو اپنی فکرِ باطلہ کے ساتھ غلط تاویلات کا ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ نہ اُنھیں کسی حدیث کا علم ہوتا ہے اور نہ کسی روایت کا۔ پس ان روایات کا سہارا لیتے ہیں جو غیر معتبر ہوتی ہیں، جن کا بطلان براہینِ قطعیہ اور دلائل یقینیہ سے واضح ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ بات ہے کہ یہ مواعظ شافیہ اور نصائح کافیہ ان قلوب کو متاثر نہیں کرتے جو پتھر کی مانند ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات بھی حق ہے کہ شیطان نے ان لوگوں کے قلوب میں اپنا بسیرا کر رکھا ہے، اور وہ ہمیشہ انھیں شاہراہِ ہدایت سے بیابانِ ضلالت و گمراہی کی طرف دھکیلتا رہتا ہے۔ یہ ضلالت کا بیابان اتنا وسیع و عریض ہے کہ اس میں چلتے چلتے زندگی ختم ہو سکتی ہے لیکن یہ ختم ہونے والا نہیں ہے۔ میں نے یہاں یہ گفتگو مناسب حال سمجھتے

ہوئے کی ہے، اگرچہ میں نے اس کی تفصیلات علمِ اُصول کی کتاب میں ذکر کی ہیں۔ اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ جب بھی آیاتِ قرآنی کی تفسیر کریں تو عترتِ طاہرہ کی احادیث کی روشنی میں کریں اور اہلِ ضلالت و جہالت کے طریقوں سے اجتناب برتیں۔

صلح حضرت امام حسنؑ و قیامِ حسینیؑ

عیاشی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا

''کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا اپنا ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو؟ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے کچھ لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی بڑھ کر اور کہنے لگے: ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت کیوں نہ دی؟ ان سے کہہ دیجیے دنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور متقی انسان کے لیے نجاتِ اُخروی زیادہ بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ (سورۂ نساء، آیہ ۷۷)

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح کی ہے تو تم ان کی اطاعت میں رہو اور ان کے ساتھ نماز کو قائم رکھو اور پھر جب ان لوگوں کو حضرت امام حُسین علیہ السلام کی ہمراہی میں جہاد کا حکم دیا گیا تو ان لوگون نے کہا: اُنھیں جنگ کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ قریبی وقت تک اُنھیں مہلت کیوں نہیں دی گئی۔ قریبی وقت سے مراد حضرت صاحب الامر علیہ السلام کا قیام ہے۔ نصرت و کامیابی ان کے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"اے میرے نبیؐ! ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ متاعِ دنیا بہت کم ہے اور آخرت کی نیکیاں بہتر ہیں"۔

عیاشی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: بخدا حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح معاویہ میں جو کچھ کیا وہ اس اُمت کے لیے ان تمام اشیا سے جن پر آفتاب تاباں ہوتا ہے بہتر ہے۔ بخدا یہ آیت آنجنابؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ (تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۹۵، ۲۵۷)

تفسیر عیاشی میں حسن بن زیاد سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حُسین علیہ السلام پر جہاد واجب قرار دیا تھا۔ ان کے ساتھ تمام اہلِ زمین پر واجب تھا کہ وہ امام حُسین علیہ السلام کی نصرت میں منافقین سے جہاد کریں۔ (تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۵۹، ۲۵۷)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: اگر تمام اہلِ زمین حضرت امام حُسین علیہ السلام کی نصرت میں جہاد کرتے تو سارے قتل ہوجاتے۔ (تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۹۵، ۲۵۷)

تفسیر عیاشی میں معلّی بن خُنیس سے روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ نفوس کا قتل حرام قرار دیا تھا۔ وہ قتل کردیے گئے پس اُموی سرکشوں نے امام حُسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قتل کردیا۔ (تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۹۹)

(مترجم: روایت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں نفسِ محترمہ کا قتل حرام کیا ہے۔ اس نفسِ محترمہ سے مراد قرآنِ مجید کی آیت کی تاویل کے مطابق حضرت امام حُسینؑ ہیں کہ اُموی طاغیوں نے اللہ کی نہی کی مخالفت کی اور آنحضرتؑ کو اہلِ بیت سمیت قتل کردیا)۔

عیاشی نے معلّی بن خُنیس سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ نفوس جن کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا تھا انھیں اُمویوں، طاغیوں نے شہید کردیا یعنی انھوں نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کو ان کے اہلِ بیت اور اصحاب کے ساتھ قتل کرڈالا۔

(مترجم: اس روایت سے مراد یہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنِ مجید میں چند

ایک مقامات پر نفسِ محترمہ کا قتل حرام کردیا ہے۔ اس آیت میں نفسِ محترمہ سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں جنھیں اُموی طاغیوں نے قتل کرڈالا تھا حالانکہ اللہ نے ان کے قتل سے انھیں روکا تھا، لیکن انھوں نے آنحضرتؐ کو ان کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے ساتھ قتل کرڈالا)۔

عیاشی نے اپنی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا

''اور جس جان کا مارنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُس کو قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر اور جو شخص مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے، پس اُسے بھی قتل میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے یقیناً نصرت اسی کی ہوگی''۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیہ ۳۳)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مظلوم شہید ہوئے۔ ہمارے قائم حضرت امام مہدی علیہ السلام ان کے خون کے وارث ہیں۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام اپنے قیام کے بعد ان کے خون کا مطالبہ کریں گے اور آپؑ ان کا انتقام لیں گے اور اُس مظلوم کے قاتلوں کو قتل کریں گے اور لوگ کہیں گے کہ امامؑ نے قتل کرنے میں اسراف کیا۔

آپؑ نے فرمایا: اس آیت میں مقتول سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں اور ان کے خون کے ولی قائم آلِ محمدؑ ہیں اور اس آیت میں اسراف سے مراد یہ ہے کہ غیر قاتل کو قتل کرے۔ یہ بیان ہوا ہے کہ جس قدر بھی قاتل آنحضرتؐ کے ہوں گے، انھیں انتقام میں قتل کردیا جائے گا۔ تھوڑی مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ایک فرد قیام کرے گا جس کی نصرت کی جائے گی اور وہ رُوئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا حالانکہ وہ اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: یہ آیت حضرت امام

حسین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ ارشاد خداوندی وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا...... تا آخر سے مراد بھی ہے کہ اگر تمام اہل زمین کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کے عوض قتل کر دیا جائے تو پھر بھی یہ اسراف نہیں ہوگا۔

اس بارے میں مصنف نے فرمایا: اس کلام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فَلَایُسْرِف کو قرأت اہل بیتؑ میں ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس میں جو "لا" ہے وہ نافیہ ہے "لائے نہی" نہیں ہے کہ جس قدر لوگ مارے جائیں گے اِسراف نہیں ہوگا۔ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت میں فَلَایُسْرِف کو "فا" ساکن ہے اور "لا" ناھیہ ہے کہ اسراف بہت زیادہ قتل کے ساتھ متحقق نہیں ہوتا کہ اگر تمام اہل زمین حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوں اور اُنھیں ان کی بدکرداری کی بنا پر قتل کر دیا جائے تو یہ اسراف نہیں ہوگا بلکہ اسراف اس امر میں ہوگا کہ اگر ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے جنھوں نے امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شرکت نہیں کی تھی اور ان کے قتل پر راضی بھی نہ تھے۔ ان کا قتل اسراف ہے، چاہے ایک نفر ہی کیوں نہ ہو۔

(مترجم: یہاں اسراف سے لغوی معنٰی مراد ہے اس کا معنٰی ہے حدود سے باہر نکلنا۔ اگرچہ ان آیات میں عموم پایا جاتا ہے لیکن تاویل کے حساب سے امام حسین علیہ السلام کے قتل کو شامل ہیں۔ پھر ان روایات سے مقصود یہ ہے کہ سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کو ناحق قتل کیا گیا اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام ان کے خون کے وارث ہیں اور اس بات کی ان آیات میں خبر دی گئی ہے کہ آپؑ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ امام زمانؑ اپنے قیام کے دوران آپؑ کے خون کا حساب لیں گے اور آپؑ کے قاتلوں کو قتل کریں گے۔

نماز میں سورۂ فجر کو اکثر پڑھیے

جامع الفوائد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپؑ نے ایک دن اپنے دوستوں سے فرمایا کہ اپنی واجب اور مستحب نمازوں میں سورۂ فجر کی تلاوت بہت زیادہ کیجیے کیونکہ یہ سورہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی طرف رغبت کیجیے، اللہ

تم پر رحم فرمائے گا۔

ابواسامہ اس مجلس میں حاضر تھے، اُس نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: وہ کون سی وجہ ہے کہ یہ سورہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خاص کردی گئی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے اس سورہ میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے اس سورہ کے آخر میں فرمایا:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾ (سورہ فجر، آیہ ۲۷ تا ۳۰)

"اے اطمینان والی نفس! اپنے پروردگار کی طرف چل، تو اس سے خوش وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا اور میرے بہشت میں داخل ہوجا"۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نفسِ مطمئنہ کا خطاب حضرت امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے۔ وہی نفسِ مطمئنہ ہیں اور صاحب نفس راضیہ مرضیہ ہیں کیوں کہ امام علیہ السلام خدا پر راضی ہیں اور اللہ ان پر راضی ہے، اور ان کے اصحاب قیامت کے دن اللہ کے فضل وکرم پر راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر راضی ہوگا اور ان پر اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرمائے گا۔

آپؑ نے فرمایا: یہ سورہ حضرت امام حسینؑ بن علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور آپؑ کے اصحاب کی شان میں نازل ہوئی۔ دوسرے لوگ اس میں داخل نہیں ہیں۔ جو شخص اس سورہ کو روزانہ پڑھے گا وہ قیامت کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کے درجہ پر ہوگا اور اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ (تاویل آیات الطاہرہ، ص ۷۶۹)

قرآنِ مجید اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی وطن سے دُوری

تفسیر فرات بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: یہ آیت کریمہ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ...... ("وہ لوگ جنھیں

ان کے وطن سے ناحق نکال دیا گیا محض اس جرم میں کہ وہ یہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے"۔ سورۂ حج، آیہ ۴۰) حضرت امام علیؑ، حضرت حمزہؑ، حضرت جعفر طیارؑ اور حضرت امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں ناحق ان کے دیار و وطن سے نکالا گیا حالانکہ ان کی زبانوں پر تھا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے، جو عالمین کا پروردگار ہے۔ (تفسیر فرات، ص ۲۷۳)

حضرت ابراہیمؑ اور مصائب امام حسینؑ

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: آپؑ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ... فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (سورۂ صافات، آیہ ۸۸-۸۹) "پھر انھوں نے ستاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا: میں تو بیمار ہوں"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے علمِ نجوم کو دیکھا اور ان کی نگاہ زمینِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر پڑی تو آپؑ بہت زیادہ غم زدہ ہوئے کہ کیا حضرت امام حسینؑ پر اس قدر مصائب نازل ہوں گے۔

(مترجم: اس روایت کے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کے ستاروں پر نظر فرمائی۔ آپؑ کی جونہی نظر ان ستاروں پر گئی تو جو علم اللہ نے آپؑ کو عطا کر رکھا تھا اس کے ذریعے آپؑ کی نگاہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر پڑی کہ کچھ اشقیاء کا ایک گروہ کربلا کے میدان میں اُنھیں اپنے گھیرے میں لے گا)۔

آپؑ کو اس واقعہ کی اطلاع علمِ نجوم سے ہوئی تو آپؑ کا دل غم سے بھر گیا۔ آپؑ سخت پریشان ہو کر رہ گئے اور مریض ہو گئے۔ جب آپؑ کی قوم آپؑ کے پاس آئی کہ آپؑ بھی ہمارے ساتھ عیدگاہ کی طرف چلیں اور وہ آپؑ کو عیدگاہ کی طرف لینے آئے ہیں تو آپؑ نے اُنھیں فرمایا: میں سخت پریشان ہوں اور بیمار ہوں، میرا دل سخت پریشان ہے اور میں بیماروں کی طرح بے تاب و ناتواں ہو چکا ہوں۔

کس جرم میں قتل کیے گئے؟

کامل زیارت میں ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں آیا ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۂ تکویر، آیہ ۸-۹)

"جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت شریفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔

(مترجم: اس آیت کی تطبیق مندرجہ بالا مضمون کے ساتھ مشکل ہے۔ کیونکہ آیت میں لفظ "موودۃ" آیا ہے۔ "موودۃ" کا معنٰی ہے ایسی دختر جسے مٹی میں زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں رواج تھا کہ ان کے ہاں جب لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اُسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ (کامل زیارات، ص ۶۳)

اس ظلم کی تین وجوہات بتائی گئی ہیں:

① ان کا گمان یہ تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، وہ اپنی نوزائیدہ بچیوں کو اس لیے زندہ دفن کر دیتے تھے تاکہ وہ ملائکہ سے ملحق ہو جائیں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط

"اور (لوگو) مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو (کیونکہ) اِن کو اور تم کو (سب کو) ہم ہی روزی دیتے ہیں"۔ (سورۂ اسراء، آیہ ۳۱)

② رزق و روزی کے خوف سے ایسا کرتے تھے تاکہ انھیں کھلانا پلانا نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنے قرآن میں فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (بنی اسرائیل، آیہ ۳۱)

"مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ بے شک اولاد کا قتل کرنا بڑا سخت گناہ ہے"۔

اور اس آیت سے قول اوّل کی طرف اشارہ ہے:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

"کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں۔ یہ تو پھر غیر منصفانہ

تقسیم ہے"۔ (سورۂ نجم، آیہ ۲۱-۲۲)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی

"جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں"۔ (سورۂ نجم، آیہ ۲۷)

۳ تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ نوزائیدہ بچیوں کو زندہ درگور غیرت و عار کی وجہ سے کرتے تھے۔ اگر وہ زندہ رہیں تو شوہر دینا پڑے گا اور پھر شوہر کے گھر میں ان کی زندگی پریشانیوں سے دوچار ہو جائے تو انھی امکانات کے پیش نظر ان بیچاریوں کو ان کی پیدائش کے فوراً بعد زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔

اس آیت میں لفظ "موودۃ" کی وجہ سے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی شہادت سے تطبیق کرنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اگر موودۃ سے مطلق اس آدمی کو مراد لیں جس پر مظالم توڑے گئے ہوں پھر ظلم و ستم کے بعد اُسے قتل کر کے خاک میں مدفون کر دیا گیا ہو۔ خواہ زندہ یا قتل کرنے کے بعد، خواہ بیٹی ہو یا عورت، خواہ مرد ہو، ہاں اگر موودۃ کو مودۃ قرأت کیا جائے کہ جس طرح بعض روایات میں آیا ہے۔ اس کی میم پر فتح اور واؤ شدید پڑھی جائے تو اس کے معنٰی ہے قرابت اور رشتہ داری تو پھر یہ آیت ہمارے مضمون کی مطابقت کرسکتی ہے تو پھر اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت کی بنا پر ان کے قاتلوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے انھیں کس جرم میں شہید کیا تھا؟ اگر قُتِلَتۡ "تا" کے سکون کے ساتھ ہو یا پھر قُتِلۡتَ "تا" فتحہ کے ساتھ ہو تو ان دونوں احتمالات کا معنٰی یہ ہوگا جب قیامت کا دن ہوگا تو از راہِ قرابتِ رسولؐ پوچھا جائے گا کہ تمھیں کیوں شہید کیا گیا؟ (تفسیر قمی، ج ۲ ص ۴۰۷، تفسیر فرات، ص ۵۴۱-۵۴۲، تاویلات آیات ظاہرہ، ص ۷۴۱-۷۴۲)

اس باب کی مناسبت سے دوسری روایات موجود ہیں لیکن ان کا ذکر قاتلانِ امام حُسین علیہ السلام کے عذاب کی تاخیر کی علت کے باب میں موجود ہے۔

○○○

بابِ ششم

بارگاہِ خداوندی میں
شہادتِ امام حُسین علیہ السلام کی قدر و قیمت

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں الطاف الٰہی

شیخ طوسیؒ نے اپنی امالی میں محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اور میں نے آپؑ سے یہ حدیث سنی۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے عوض چند انعامات کرامت مقرر فرمائے:

① امامت: اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی اولاد میں امامت رکھ دی ہے۔

② شفا در تربت: آپؑ کی قبر اقدس کی خاک میں شفا رکھ دی ہے۔

③ قبولیتِ دعا: آپؑ کے قبہ اقدس کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

④ آپؑ کے زائرین جب اپنے گھروں سے آپؑ کی زیارت کے لیے نکلتے ہیں اور زیارت کر کے واپس گھر لوٹتے ہیں تو یہ عرصہ ان کی عمر میں شمار نہیں ہوتا۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: یہ تمام انعامات آپؑ کے صدقہ میں دوسروں کے لیے ہیں، خود آپؑ کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کیا انعام ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنے جد بزرگوار کے ساتھ جنت میں مقام عطا فرمایا ہے۔ پھر آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ......

"اور جو لوگ ایمان لے آئے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کے عمل کی پیروی کی، ان کی اولاد کو جنت میں ہم ان سے ملا دیں گے"۔ (سورۂ طور، آیہ ۲۱)

(مترجم: کچھ اربابِ نظر روایت کے کچھ حصوں پر اشکال کرتے ہیں کہ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ تربتِ شریف شفا کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن انھیں شفا نہیں ملتی۔ کچھ لوگ آپ کے قبہ مبارک پر دعا مانگتے ہیں لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ آپ کی زیارت کے سفر کے دوران ہی مرجاتے ہیں)۔

اِشکالات کا جواب

تربتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں جو اِشکال وارد ہے مصنف بزرگوار نے اپنی کتاب تحفہ میں ابن ابی یعفور کی روایت نقل کی ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: ایک آدمی حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی خاک سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور دوسرا آدمی یہ فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: بخدا! ایسا نہیں ہے جو آدمی اس امر پر عقیدہ رکھتا ہے کہ اُسے اس مقدس خاک سے ضرور فائدہ ہوگا تو اُسے ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ (کافی، ج ۴، ص ۵۸۸)

ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: اگر کوئی مومن حضرت امام حسین علیہ السلام کے حق و حُرمت کو جانتا ہے اور ان کی ولایت و امامت پر ایمان رکھتا ہے تو اگر وہ اپنی انگلی کے سرے پر خاکِ شفا لے تو وہ ہر صورت اس کے لیے دوا کا کام دے گی۔ (مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۳۲، حدیث ۱۲۱۲۰)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے: جس کسی کو کوئی مرض لاحق ہو جائے اور وہ امام حسین علیہ السلام کی خاکِ شفا کو کچھ عرصہ مسلسل استعمال کرے تو خداوند تعالیٰ اُسے ضرور شفا دیتا ہے۔ ہاں اگر وہ مرض اس کی موت کا سبب ہو تو پھر نہیں۔ (فقہ الرضاؑ، ص ۳۴۶)

مروی ہے: امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس والی خاک سرخ رنگ کی ہے، جو ہر درد و مرض کا علاج ہے سوائے موت کے۔ (کافی، ج ۴، ص ۵۸۸)

راوی کہتا ہے: میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے سر کی طرف گیا اور وہاں سے گندم کے ایک ذراع کے برابر زمین کو کھودا تو نیچے سے سرخ خاک ایک درہم کے برابر نکلی، اُسے میں نے اُٹھالیا اور کوفہ لایا۔ اُسے دوسری ادویات میں ملایا اور جس بیمار کو دوا دی اُس

نے شفا پائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک سے خاک حاصل کرو جو ہر درد کی دوا اور شفا ہے اور ہر خوف کے لیے ڈھال کا کام دیتی ہے، اور تمام نفع دینے والی اشیا سے زیادہ سودمند ہے۔ کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی سوائے دُعا کے اور جو چیز خاکِ شفا کے اثرات کو زائل کردیتی ہے وہ برتن ہوتا ہے یا جگہ جس میں خاکِ شفا کو رکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ خاکِ شفا سے علاج کرتے ہیں، ان کا خاکِ شفا کی عظمت پر یقین کم ہوتا ہے۔ اس خاک سے اُسے شفا مل سکتی ہے، جو اس پر یقین رکھتا ہو کہ اس خاک سے شفا ملتی ہے۔ جب اِس سے کوئی اپنا علاج کرے گا اُسے شفا ضرور ملے گی۔ اُسے کسی دوسری دوا کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اس تربت کو شیاطین، جنّ اور کافر لوگ فاسد کردیتے ہیں اور وہ اُسے اپنے جسم پر مَل لیتے ہیں۔

شیاطین اور کافر جن بنی آدم سے حسد کرتے ہیں اور تربتِ پاک کو اپنے اُوپر مَل لیتے ہیں تو تربتِ پاک کی اچھائی اور اُس کے خواص اور خوشبو برطرف ہوجاتی ہے۔ جب بھی کوئی تربتِ پاک حائر سے باہر آتی ہے تو فوراً شیاطین اور کافر جن اُسے حاصل کرلیتے ہیں۔ ان شیاطین اور کافر جنوں کی تعداد حائر کے باہر اتنی ہوتی ہے کہ جن کا شمار اللہ کے پاس ہے۔ وہ خاک جب کوئی زائر وہاں سے اُٹھاتا ہے اور حائر سے باہر آتا ہے تو وہ شیاطین اُس سے لے کر اپنے جسموں پر مَل لیتے ہیں۔ ملائکہ اُنھیں حائر میں نہیں آنے دیتے۔ اگر یہ تربت بالکل محفوظ رہے اور وہ جنّ و شیاطین اُسے چھو نہ سکیں تو کوئی مریض ایسی خاک سے علاج کرے تو فوراً اُسے اُسی ساعت میں شفا حاصل ہوجاتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب اس خاک کو اُٹھاؤ تو اِسے اپنے ہاں چھپا کر رکھو اور اس پر اللہ کا نام زیادہ سے زیادہ لو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ اس خاک کو حاصل کرتے ہیں اور اُسے سبک شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ اس مقدس خاک کو جانوروں کے توبروں میں ڈال دیتے ہیں، یا پھر کھانے کے برتنوں میں یا اس قسم کے دوسرے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں جیسے بوریاں وغیرہ تو پھر اس میں کہاں وہ خاصیت اور اثر رہے گا یا پھر

ایسے آدمی اس خاک کی حرمت کا خیال رکھتے ہیں۔

(مترجم: ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، اگر ہم اس خاک میں اثر نہ دیکھیں تو اس میں ہمارا قصور ہے کہ ہم نے اس تربتِ پاک کی شرائط پر عمل نہیں کیا۔ اس تربتِ پاک کے اُٹھاتے وقت اور اس کے استعمال کرتے وقت ایک دُعا خاص ہے، جب خاکِ پاک اُٹھائیں تو اس دعا کو پڑھیں اور جب استعمال کریں تو اُس دعا کو پڑھیں۔ یہاں گنجائش نہیں ہے کہ اس دعا کو نقل کریں)۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ روضۂ حسینؑ پر دعا مانگی جاتی ہے اور دعا قبول نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی امامت و ولایت پر عقیدہ ضعیف ہوتا ہے کیونکہ اُس کے پاس امام علیہ السلام کی امامت و ولایت کی واضح برہان نہیں ہوتی۔ بس وہ اپنے والدین کی تقلید میں ہوتے ہوئے امام علیہ السلام سے مربوط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور دلیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اکثر لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں، ان کا دھیان اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ وہ اپنے والدین کی تقلید سے باہر نکلیں اور اپنے آپ کو علم و اِدراک، استقلال و استدلال سے آراستہ و پیراستہ کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ احتمال اس بات کی طرف بہت زیادہ جاتا ہے جو اس باب میں شرائط مقرر ہیں وہ پوری نہیں ہوتیں کیونکہ علما نے دعا کے لیے شرائط مقرر کی ہیں۔ ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دعا کی استجابت لازمی نہیں ہے کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اُسے مل جائے اور اس کی دعا قبول ہو جائے کیونکہ دعا وہ مستجاب ہوتی ہے جو اس مانگنے والے کے حق میں بہتر ہو۔ بعض اوقات آدمی اللہ سے دعا مانگتا ہے لیکن وہ اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی۔ اس میں اس کا دین و دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو اس کی دعا کو قبول نہیں کیا جاتا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے پیشِ نظر اُسے اس دنیا اور آخرت میں کوئی اور انعامات دے دیے جاتے ہیں، یا اس دعا کے عوض اس کے مصائب دفع کر دیے جاتے ہیں حالانکہ وہ دعا مانگنے والا اپنے اُوپر وارد ہونے والی مصیبت سے مطلع بھی نہیں ہوتا۔ اس دعا کے عوض

آخرت میں اُسے بہترین اجر ملے گا۔

لیکن وہ آدمی جو مومن کامل ہوتا ہے، صاحب یقین و اعتماد ہوتا ہے، وہ اپنے رہبروں کے فرمودات میں عیب و نقص تلاش نہیں کرتا بلکہ ان کے فرمودات پر یقین کامل رکھتا ہے۔

وَفَّقَنَا اللهُ لِهِدَايَةِ الْاِعْتِقَادِ الصَّحِيحِ وَجَنَّبَنَا عَنِ الشَّكِّ وَالرَّيْبِ وَالْوَسْوَسَةِ الشَّيْطَانِيَّةِ

"اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عقیدہ کی ہدایت عطا فرمائے اور شکوک و شبہات اور وسواس سے محفوظ رکھے"۔

تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:

روایت ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت پر زائر کے جتنے ایام صرف ہوتے ہیں وہ اس کی زندگی میں محسوب نہیں ہوتے۔ اس مضمون پر مشتمل بہت سی روایات موجود ہیں کیونکہ قیامت کے دن انسان کی زندگی کے لمحے لمحے کا حساب ہوگا کہ اُس نے اپنی یہ عمر کہاں گزاری؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ زائر کی عمر حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی وجہ سے پر برکت ہوجاتی ہے۔ جتنا عرصہ اُس نے زیارت پر لگایا ہوتا ہے، اُتنی زندگی اُسے مزید مل جاتی ہے لیکن بعض اوقات یہ اثرات سامنے نہیں آتے تو اس کی وجہ بھی خود زائر ہے جو شرائط آنجناب کی زیارت کے مقرر ہیں، وہ اُس سے صادر نہیں ہوتے جس کی بنا پر اُسے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آنحضرتؑ کی زیارت طول عمر کے لیے علت تامہ نہیں ہے، البتہ قبیل مقتضی ہے۔ پس اگر اس میں دوسرے موانع نہ ہوں تو ایسا ممکن ہے۔ موانع سے مراد قطع رحمی ہے۔ لوگوں پر مظالم ہیں یا والدین کی طرف سے عاق شدہ ہونا وغیرہ ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل میں امامت

کتاب اکمال الدین میں حضرت جعفر امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپؑ نے

فرمایا: جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے شکمِ اقدس میں حضرت امام حسین علیہ السلام آئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زہرا علیہا السلام سے فرمایا:

خداوند تعالیٰ نے آپؑ کو وہ فرزند کرامت عطا فرمائے گا جن کا نام حسینؑ ہے اور میری اُمت اُنھیں قتل کردے گی۔

یہ سن کر سیدہ نے عرض کیا: مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں ہے، جسے قتل کردیا جائے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے مجھ سے اس فرزند کے لیے وعدہ فرمایا ہے کہ سلسلۂ امامت ان کے بعد ان کی نسل میں چلے گا۔

یہ سن کر سیدہ نے جواب دیا: بابا جانؐ! اے اللہ کے رسولؐ! میں راضی ہوں۔

(کمال الدین، ج ۲، ص ۴۱۶، علل الشرائع، ۱، ۵۰، ۱۰۲)

***

بابِ ہفتم

حضرت امام حُسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئیاں

امامؑ مظلوم کی شہادت کی خبر حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ حروف اخبارِ غیب سے مربوط ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو علمِ غیب سے مطلع فرمایا۔ بعدازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں نازل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی اور یہ قصہ کچھ اس طرح سے ہے:

ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: مجھے پنج تن پاک کے اسمائے گرامی تعلیم کیے جائیں، تاکہ مَیں اپنے شدائد و مصائب کے ایام میں ان حضرات سے بارگاہِ اَحدیت میں توسّل کرسکوں۔ جبرئیلؑ امین زمین پر ان کے پاس تشریف لائے اور جنابِ زکریؑا کو ان مقدس اسمائے کی تعلیم دی۔

جب حضرت زکریؑا ان مبارک اسماء میں سے محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ کو اپنی زبان پر جاری کرے تو ان کے قلبِ مبارک سے ہر قسم کے اندوہ وغم زائل ہوجاتے اور ان کی حیرانی و پریشانی دُور ہوجاتی اور ان کا دل باغ باغ ہوجاتا۔ جب وہ حضرت امام حسینؑ کا اسمِ گرامی ''حسین'' زبان پر لاتے تو ان کا جی بھر جاتا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے، رونے سے ان کی ہچکی بندھ جاتی، بولنے سے عاجز آجاتے، ان پر حیرانی و پریشانی کا سماں بندھ جاتا۔

ایک دن اُنھوں نے بارگاہِ خداوندی میں مناجات عرض کی کہ جب میں ان مبارک اسماء میں سے چار ناموں کا ذکر کرتا ہوں تو کائنات کی خوشیاں میری جھولی میں آجاتی ہیں۔ میرے دُکھ ٹل جاتے ہیں، میرا دل باغ باغ ہوجاتا ہے لیکن جب نامِ حسینؑ کا ذکر کرتا ہوں

تو مجھ پر غم واندوہ ہجوم کر لیتے ہیں۔ میں بے اختیار رونے لگتا ہوں۔ اس قدر میں غم زدہ ہوتا ہوں اور میں یہ خیال کرنے لگتا ہوں کہ ابھی میری روح پرواز کر جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جناب زکریاؑ پر کرم فرمایا اور سید الشہداء کی شہادت اور مصائب جاں گداز کی اُنھیں خبر دی۔ ان پر یہ حروف مقطعات نازل فرمائے: کھیعص کاف سے مراد کربلا ہے۔ ''ھا'' سے مراد عترت طاہرہ کا اس واقعہ ہائلہ میں بے دردی کے ساتھ شہید ہونا ہے۔ ''یا'' سے مراد یزید (لعین) ہے، جو سید الشہداءؑ کو بے دردی کے ساتھ شہید کرا دے گا۔ ''عین'' سے مراد عطش و تشنگی ہے، ''صاد'' سے مراد مصائب خونچکاں و جاں سوز ہیں۔

فلسفۂ خلقتِ حضرت یحییٰ علیہ السلام

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب سنے اور ان کی دردناک شہادت کی داستان سنی تو حزن و غم نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور درد والم نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ تین دن تک مسجد میں بند ہو کر رہ گئے۔ کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا۔ گریہ و بکا تھا اور اللہ کے نبی تھے۔ مسلسل روتے رہتے تھے اور امام حسین علیہ السلام پر آہ و بکا کرتے رہتے تھے۔ آپؑ نے گریہ و زاری و بے قراری میں بارگاہِ خداوندی میں مناجات کے انداز میں مرثیہ کہا:

''اے پروردگار! تو ایسے شخص کے قلب کو اُس کے فرزند کے غم واندوہ میں مبتلا کرے گا جو تیری تمام مخلوق میں بہتر و برتر ہے۔

اے پروردگار! تو ایسی مصیبت کو اپنے حبیب پر زمانہ قریب میں نازل کرے گا۔

اے پروردگار! کیا تو اس عظیم مصیبت کی پوشاک علیؑ و فاطمہؑ کے مبارک اجسام پر پہنائے گا؟

خداوندا! کیا اس طرح کے درد والم کو ان کی منزل و رفعت و جلال میں جگہ دے گا؟''

بعدازیں آپؑ نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے ایک فرزند عطا کر کہ اس بڑھاپے میں میری آنکھیں اس کے دیدار سے روشن وٹھنڈی ہوں۔ پھر مجھے اس کی محبت میں فریفتہ وگرویدہ کردے، پھر مجھے اس کے دکھ وکرب میں کربناک و اندوہناک فرما۔ اس طرح کہ جس طرح تیرے حبیب کا قلب مبارک غم ناک واندوہ ناک ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو جناب یحییٰؑ کی صورت میں فرزند عطا فرمایا جو حضرت امام حُسین علیہ السلام کی طرح درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدتِ حمل اپنی مادر کے شکم میں چھے ماہ تھی اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کی مدتِ حمل بھی شکمِ مادر میں چھے ماہ تھی۔

(مترجم: یہی روایت اگلے صفحات میں حضرت امام حُسین علیہ السلام کے سفرِ عراق میں دوبارہ بیان ہوگی۔ اس روایت میں آپؑ نے فرمایا تھا: یہ دنیا کتنی بے وفا ہے کہ جناب یحییٰ بن زکریا کا مبارک سر زانیہ عورت کو ہدیہ کیا گیا)۔ (اعلام الوریٰ، ص ۲۱۹، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۸۱ تا ۸۳۔ قصص الانبیا، ج ۸، ص ۳۹، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۹۔ اللہوف، ص ۳۱)

امامؑ کی شہادت کی پیشن گوئی

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی امالی میں روایت بیان کی ہے۔ اس روایت کے راوی سالم بن ابی جعدہ ہیں، اس نے کہا: میں نے کعب الاحبار سے سنا، اُس نے ایک دن کہا کہ ہماری کتاب تورات میں موجود ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندوں میں سے ایک فرزند شہید کردیا جائے گا۔ اُس کے جانثاروں کا پسینہ ابھی خشک نہ ہونے پائے گا کہ وہ سب بہشت میں داخل ہوں گے اور حورانِ بہشت سے وہ معانقہ کریں گے۔ اسی دوران حضرت امام حسن علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ حاضرین نے کہا: کیا وہ بزرگوار یہی ہیں؟ اُس نے کہا: نہیں۔ پھر اس دوران حضرت امام حُسین علیہ السلام کا گزر ہوا۔ پھر لوگوں نے پوچھا: کیا وہ مظلوم یہی ہیں؟ کعب الاحبار نے کہا: جی ہاں! وہ یہی ہیں۔

کلیسائے روم کی دیوار پر شعر

قبیلہ بنو سُلیم کے ایک بزرگ کی روایت ہے: اس نے کہا: میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے، ایک دفعہ ہم اہلِ روم سے جنگ کرنے نکلے تھے، دورانِ جنگ ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہوا۔ ہم ایک گرجا میں داخل ہوئے تو ہم نے کلیسا کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا:

اَیَرْجُو مَعْشَرٌ قَتَلُوْا ①

شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

''کیا وہ گروہ جو سید الشہدا حضرت امام حُسین علیہ السلام کو شہید کرے گا تو پھر وہ قیامت کے روز بارگاہِ خداوندی میں کس صورت میں آپؑ کے جدِّ بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا اُمیدوار ہوگا؟''

راوی کہتا ہے: میں نے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہ شعر کب سے لکھا ہوا ہے؟ اُنھوں نے کہا: تمھارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے تین سو سال قبل یہ شعر یہاں لکھا ہوا ہے۔

ابوعبدالرحمن بن مسلم سے مروی ہے: ہم ایک دفعہ روم کے ملک میں ایک علاقہ میں جنگ کے لیے گئے، ہم نے جنگ میں غلبہ حاصل کرلیا۔ ہم قسطنطنیہ کے نزدیک ایک گرجا میں داخل ہوئے، وہاں گرجا کی ایک دیوار پر رومی زبان میں ایک تحریر موجود تھی۔ ہم نے اپنے ان ساتھیوں سے جو شام سے تعلق رکھتے تھے اور رومی زبان جانتے تھے، سے پوچھا اس تحریر کا کیا مطلب ہے؟ جب اُنھوں نے اس کا معنیٰ بیان کیا تو وہی مذکورہ بیت کا مفہوم تھا، جو اُوپر بیان ہوچکا ہے۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۱۳۱، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۲۰۱)

بعثتِ نبویؐ سے تین سو سال قبل ایک سنگی تحریر

ابوعمرو زاہد نے اپنی کتاب یاقوت میں عبداللہ بن صفار سے روایت کی ہے: ہم نے ایک دفعہ قومِ نصاریٰ سے جنگ کی۔ ہم نے ان کے بہت سارے آدمیوں کو اسیر بنایا۔ ان اسیروں میں سے ایک بزرگ تھے جو صاحبِ علم و رُشد تھے۔ ہم اُس کے ساتھ نہایت

---

① اس مصرعہ کی عبارت میں اختلاف ہے، کہیں اترجوا اُمۃٌ..... کے الفاظ بھی ہیں۔

ہی احسان و اکرام کے ساتھ پیش آئے۔ اس دوران اس بزرگوار نے ہمیں ایک داستان سنائی کہ محمد عربی ﷺ کی بعثت سے تین سو سال قبل روم کے کسی علاقے میں کچھ لوگ ایک گڑھا کھود رہے تھے۔ کھدائی کے دوران اُنھیں اچانک ایک پتھر ملا جس پر حضرت شیث علیہ السلام کے کسی بیٹے کی تحریر تھی:

أَتَرْجُو عُصْبَةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةُ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

"کیا وہ گروہ جس نے حسینؑ کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا، وہ قیامت کے دن اس کے جدِّ بزرگوار کی شفاعت کی اُمید بھی رکھتا ہے"۔

(مثیر الاحزان، ص ۹۶)

خُونی تحریر

مثیر الاحزان میں شیخ جعفر نما قدس سرہٗ نے سلیمان اعمش سے روایت کی ہے: میں ایک سال حج کرنے کے لیے بیت اللہ میں مصروفِ طواف تھا کہ میں نے اپنے قریب ایک آدمی کو دیکھا، جو دعا مانگنے میں مصروف تھا اور کہہ رہا تھا: خداوندا! مجھے معاف فرما لیکن میں جانتا ہوں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔

میں نے اُس سے پوچھا: اے شخص! تو مایوس کیوں ہے؟

اُس نے بتایا: میں ان چالیس آدمیوں میں سے ایک ہوں جو امام حسین علیہ السلام کا سرمبارک یزید (لعین) کی طرف لے جا رہے تھے۔ جونہی ہم کربلا سے نکلے ہماری پہلی منزل نصاریٰ کا گرجا تھی۔ ہم نے وہاں پڑاؤ ڈالا اور آنحضرتؑ کے سرمبارک کو نیزے پر نصب رہنے دیا اور کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران ہم نے اچانک دیکھا، دیوار سے ایک ہاتھ برآمد ہوا، اور اُس نے آہنی قلم سے دیوار پر خون کے ساتھ یہ شعر لکھا:

أَتَرْجُو أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةُ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

"کیا اُمت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد ان کے نانا بزرگوار کی شفاعت کی اُمیدوار ہو سکتی ہے؟"

یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر ہم حیران و پریشان ہو کر رہ گئے۔ ہمارے ساتھیوں نے چاہا کہ وہ اس ہاتھ کو پکڑیں، جب پکڑنے کا ارادہ کیا وہ ہاتھ غیب ہو گیا۔

نورِ دیدہ رسول بر سینہ رسولؐ

شیخ صدوق نے اپنی امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُم سلمہؓ کے خانۂ اقدس میں تشریف فرما تھا۔ آپؐ نے حضرت اُم سلمہؓ کو منع کیا کہ ان کے پاس کسی کو نہ آنے دیں۔ اس دوران شہزادۂ بتولؑ جگر گوشہ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام وہاں تشریف لائے۔ اُس وقت آپؑ طفلِ صغیر تھے۔ آپؑ نے اپنے نانا کے حضور جانا چاہا لیکن جناب اُم سلمہؓ نے آپؑ کو روکنے کی کوشش کی لیکن آپؑ نہ رُکے اور اپنے نانا کے حضور چلے گئے۔

جنابِ اُم سلمہؓ ان کے پیچھے حجرہ میں تشریف لے گئیں۔ جونہی ان کی نگاہ آپؐ پر پڑی تو اُنھوں نے دیکھا کہ شہزادہ رسولِ خدا کے سینۂ مبارک پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس وقت رسولؐ اللہ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ آپؐ اُسے کبھی دائیں ہاتھ میں لیتے اور کبھی بائیں ہاتھ میں اور زار و قطار گریہ فرما رہے تھے۔

آنحضرتؐ نے اُم سلمہؓ سے فرمایا: اے اُمِ سلمہؓ! ابھی جبرئیل امینؑ میرے ہاں نازل ہوئے ہیں، اور اُنھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ میرا فرزند شہید کیا جائے گا، جو چیز میرے ہاتھ میں ہے وہ اُسی سرزمین کی مٹی ہے، جس میں اُنھوں نے شہید ہونا ہے۔

اے اُمِ سلمہؓ! اِس مٹی کو اپنے پاس رکھیں، اِسے دیکھتے رہنا۔ جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا حبیبؑ مارا گیا ہے۔

جنابِ اُم سلمہؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ اپنے خدا سے دعا فرمائیں کہ آپؐ کے اس فرزند سے یہ مصیبت دُور ہو جائے!

آپؑ نے فرمایا: میں نے بارگاہِ احدیت میں استدعا کی ہے، میری طرف وحی آئی کہ ان کی شہادت میں درجات و منازل ہیں، ان درجات کو ان کے سوا مخلوق میں کوئی نہیں پا سکے گا۔ میری اُمت کا ایک گروہ میرے حبیب حسینؑ کا شیدا و گرویدہ ہے۔ قیامت کے دن اُنھوں نے میری اُمت کے گناہ گاروں کی شفاعت کرنی ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کی شفاعت ان گناہ گاروں کے حق میں قبول فرمائے گا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی اسی میرے بیٹے کی اولاد میں سے ہیں۔ بخدا حسینؑ کے اصحاب اور ان کے شیعہ قیامت کے روز کامیاب و کامران ہیں۔

داستانِ آرزو ابراہیمؑ در ذبح اسماعیلؑ

عیونِ اخبار الرضا اور امالی شیخ صدوق میں فضل سے روایت ہے: امام علیہ السلام نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان سے آنے والے دُنبے کے ذبح کرنے پر مامور فرمایا تو اُس وقت آپؑ نے خواہش کی: اے کاش! کہ وہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں ذبح کرتے اور اس کی جگہ دُنبے کو ذبح نہ کرتے تو اس سے آپؑ محزون و مغموم ہو کر رہ گئے کہ وہ یہ قربانی کرتے اور بارگاہِ خداوندی میں اس آزمائش کے عوض بلند ترین درجات حاصل کرتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جنابِ ابراہیمؑ پر وحی فرمائی: ہ اے ابراہیمؑ! اس بھری کائنات میں تم سب سے زیادہ کس سے محبت رکھتے ہو؟

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: اے پروردگار! تو نے اپنی مخلوق میں کوئی شخص ایسا پیدا نہیں فرمایا جو تیرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبت کے لائق ہو، میں اُن سے محبت کرتا ہوں۔

پھر وحی فرمائی: اے ابراہیمؑ! کیا تم محمدؐ کو زیادہ چاہتے ہو یا اپنی جان کو؟

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: خداوندا! میں محمد مصطفیٰؐ کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہوں، پھر وحی آئی کیا تم فرزند محمد مصطفیٰؐ کو زیادہ دوست رکھتے ہو یا اپنے فرزند اسماعیلؑ کو؟

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: خداوندا! میں تیرے حبیب کے فرزند کو اپنے فرزند کے

مقابلے میں زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

پھر آپؑ پر وحی ہوئی: اے ابراہیمؑ! کیا میرے حبیب (محمدؐ) کے فرزند کا دشمنوں کے ہاتھوں بے دردی کے ساتھ قتل ہونا تمھارے لیے درد و مصیبت کا باعث ہے یا اپنے فرزند اسماعیلؑ کا میری اطاعت میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا؟

آپؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: محمدؐ کے فرزند کا دشمنوں کے ہاتھوں سے قتل ہونا میرے قلب وجگر کو اپنے فرزند کے ذبح کرنے سے زیادہ غم زدہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ پیغمبر آخرالزمان کی اُمت میں سے ہیں اور وہی لوگ اُس کے فرزند دلبند حسینؑ کو ظلم و ستم کے ساتھ اس طرح قتل کریں گے کہ جس طرح گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے اور وہ گروہ اس ظلم وستم کے سبب میرے غضب کے سزاوار ہوں گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو آپؑ بے تاب ہو گئے۔ آپؑ کے دل کو غم ومصائب نے گھیر لیا اور آپؑ بے اختیار رونے لگے۔ خداوند تعالیٰ نے جنابِ ابراہیمؑ کو ندا دی کہ ہم نے تیرے اس جزع فزع، بے چینی اور بے قراری کو جو تو نے اپنے فرزند اسماعیلؑ کے ذبح کرنے پر کی، اسے اس جزع فزع اور بے قراری کا فدیہ قرار دیا، جو آپؑ نے آخرالزمان نبیؐ کے فرزند حسینؑ ابن علیؑ کے شہید ہونے پر کیا۔ اور ہم نے تمھاری اس بے چینی اور بے قراری اور آہ و بکا کے عوض تمھیں بلند ترین درجات عطا کردیے ہیں۔

(عیونِ اخبار الرضا، ج۱، ص ۲۰۹، الخصال، ج۱، ص ۵۸، ۷۰۹، قصص الانبیا، ص ۱۳۹)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنی یہی ہے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (سورۂ صافات، آیہ ۱۰۷)

”ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا“۔

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

مؤلف کتاب فرماتے ہیں: اس حدیث میں اشکال ہے کہ اگر ذبح عظیم سے مراد

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہے تو اس صورت میں امام حسین علیہ السلام فدیہ بن رہے ہیں، تو آپؑ جس کا فدیہ بن رہے ہیں تو وہ مرتبہ میں آپؑ سے بلند و برتر ہوگا اور آپؑ اس کے مقابلے میں کم تر ہوں گے، کیونکہ فدیہ عوض ہوتا ہے اور عوض کم تر ہوتا ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ فدیہ کا رُتبہ اور مرتبہ بزرگ تر ہے اس کے مرتبہ سے جس کا فدیہ واقع ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے آئمہ معصومین کا مرتبہ پیغمبران اولوالعزم اور غیر اولوالعزم سے بلند تر ہے۔ بعض علما نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر جنابِ اسماعیلؑ ذبح ہوجاتے تو ہمارے نبیؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام اور باقی انبیاؑ جو نسلِ اسماعیلؑ سے ہیں وہ پیدا نہ ہوتے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے ذبح ہونے کو فرزندانِ اسماعیلؑ سے یعنی حضرت امام حسینؑ کے قتل کو عوض اور فدیہ ذبح اسماعیلؑ مقرر کیا گویا کہ ایک شخص کے ذبح ہونے کو کل کا عوض مقرر کیا، یعنی ذبح امام حسین کُل انبیاؑ و مرسلینؑ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کہ جو اولادِ حضرت اسماعیلؑ سے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کُل کا مرتبہ اس حیثیت سے کہ وہ کُل ہے جز سے عظیم اور بزرگ تر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث میں انه فدی اسماعیل بالحسینؑ وارد نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے: انه فدی جزع ابراهیم علی اسماعیل بجزعه علی حسین۔

ظاہر ہے کہ لفظ فدیہ اس تقدیر میں اپنے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اس سے مراد عوض ہے یعنی جس وقت جنابِ ابراہیمؑ اس ثواب کے فوت ہونے پر رنجیدۂ خاطر ہوئے جو اُنھیں اپنے فرزند اسماعیلؑ کے ذبح ہونے پر آہ و بکا سے ملتا، اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض ایک ایسی چیز دی جس کا ثواب بہت زیادہ ہے، یعنی امام حسین علیہ السلام پر رونے کا ثواب۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا امر زمانۂ اَلست سے مقرر تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کے ذبح پر موقوف نہ تھا، تاکہ شہادتِ امام حسینؑ حضرت اسماعیلؑ کے قتل کا فدیہ ہو تو جو کچھ ہم نے ابھی بیان کیا ہے تو اس بنیاد پر آیت اپنے دامن میں دو احتمال رکھتی ہے:

ایک احتمال یہ ہے کہ مضاف مقدر ہو، یعنی فدیناہ بذبح عظیم الشان، اور دوسرا

احتمال یہ ہے کہ ذبح میں باسببیت ہو اور آیت کی تقدیر اس طرح ہو: فدیناہ بسبب مذبوح عظیم، اور ان دونوں تقدیروں پر تقدیرِ مضاف ضروری ہے یا پھر فدیناہ میں مجاز فی الاسناد ہو۔ "اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔

آیت کریمہ میں مذکور اسماعیل کون ہیں؟

کامل الزیارات میں برید عجلی سے منقول ہے: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: اس آیت کریمہ میں جس اسماعیل کا ذکر ہوا ہے، وہ کون تھے؟

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا

"یعنی کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو کہ وہ صادق الوعد تھے، رسول اور نبی تھے"۔ (سورۂ مریم، آیہ ۵۴)

کیا یہ اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے یا یہ کوئی اور تھے؟ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل وفات پا گئے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حجتِ خدا، قائم امر اور صاحبِ شریعت تھے۔ پس آپؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو اپنی اُمت کے کسی گروہ کی طرف ہدایت کے لیے بھیجا تھا کہ اللہ نے اُنھیں اپنی رسالت سے متصف کیا؟

راوی بُرید کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں! یہ بتایئے کہ یہ اسماعیل کون تھے؟

آپؑ نے فرمایا: قرآن میں جس اسماعیلؑ کا ذکر ہوا ہے وہ اسماعیل بن حزقیل تھے۔ وہ پیغمبرؑ خدا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایک قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے آپؑ کو جھٹلایا اور اُنھیں قتل کر دیا اور ان کی کھال اُتار دی۔ پس اللہ ان پر غضب ناک ہوا اور عذاب کا ایک فرشتہ طاطائیل ان کی طرف بھیجا۔ اس فرشتہ نے جناب اسماعیلؑ کے حضور عرض کیا: میں عذاب کا فرشتہ ہوں۔ اللہ نے مجھے آپؑ کی طرف بھیجا ہے، تاکہ آپ کی اس قوم کو

مختلف عذابوں میں گرفتار کروں۔

اس وقت جناب اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنی قوم کے عذاب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: اے اسماعیلؑ! آپ کی حاجت کیا ہے؟

جناب اسماعیلؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ تو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تو نے خبر دی ہے کہ جب آخری نبی آئیں گے تو اُن کی اُمت ان کے فرزند کو ان کی وفات کے بعد قتل کرے گی اور تو نے حسینؑ سے وعدہ فرمایا ہے کہ تو اُسے دنیا میں واپس لائے گا تاکہ وہ ظالموں سے انتقام لیں۔ پس میری حاجت یہ ہے کہ مجھے بھی اس زمانے میں واپس دنیا کی طرف بھیجنا، تاکہ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں انھیں قتل کروں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جناب اسماعیلؑ سے وعدہ فرمایا کہ اُنھیں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ دنیا کی طرف بھیجے گا۔ (کامل الزیارات، ص ۶۵)

علل الشرائع میں روایت ہے: جناب اسماعیل علیہ السلام نے اُس عذاب کے فرشتے سے فرمایا: مجھے ان لوگوں کے عذاب سے کوئی غرض نہیں ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے اُوپر ہونے والے مظالم پر صبر کروں تاکہ میں حسینؑ ابن علیؑ کی تاشی اور پیروی سے مربوط ہو جاؤں۔ (علل الشرائع، ج ا، ص ۷۷، کامل الزیارات، ص ۴۴)

(مترجم: مصنف نے اس باب میں جبرئیلؑ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینے میں بہت سی روایات کا تذکرہ کیا ہے، سب کا بیان کرنا خالی از تکرار نہیں ہے)۔

خبر شہادت امام حسین علیہ السلام اور جبرئیلؑ

شیخ طوسی نے امالی میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے جدّ بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں موجود تھے، اچانک جناب جبرئیلؑ آسمان سے تشریف لائے اور بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ اپنے اس فرزند سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں!

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپؐ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپؐ کی اُمت انھیں شہید کردے گی۔

اس خبر کو سن کر رسول اللہ ﷺ سخت محزون وغم ناک ہوئے۔

جبرئیل امینؑ نے عرض کیا: اگر آپؐ چاہیں تو جس سرزمین پر حسینؑ شہید ہوں گے، وہ سرزمین آپؐ کو دکھاؤں؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

پس اُسی وقت جبرئیل امینؑ نے زمین کربلا کو مجلس رسولؐ کے ساتھ پیوستہ کردیا (حضرت امام صادق علیہ السلام نے اس امر کو اپنی دونوں انگلیوں کو آپس میں چسپاں کر کے واضح فرمایا)۔ ابوبصیر جو اس روایت کے راوی ہیں، نے کہا: وہ دونوں زمینیں اس طرح آپس میں چسپاں ہوگئیں۔ پس جنابِ جبرئیلؑ نے اپنے پَر کے ساتھ زمینِ کربلا کی خاک اُٹھائی اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر رکھی۔ پھر اُس نے زمین کو پھیلا دیا کہ ایک لحہ میں وہ اپنی جگہ پر واپس چلی گئی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خوشا حال! اے تربتِ کربلا خوشا حال! وہ شخص جو تجھ پر شہید ہوگا۔ (امالی شیخ طوسی، ص ۳۱۴، بشارت المصطفیٰ، ص ۲۱۴)

مصنف نے جنابِ میکائیلؑ کے حوالے سے روایت کی ہے: وہ فرشتہ جس نے خاکِ کربلا پیغمبرؐ کو لا کر دی، وہ جنابِ میکائیلؑ تھے۔ (امالی شیخ طوسی)

حضرت زینب بنت جحشؓ کی روایت

حضرت زینب بنت جحشؓ وہ فرماتی ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں سو رہے تھے، اس دوران شہزادہ حسینؑ میرے گھر میں تشریف لائے۔ میں نے اُنھیں سنبھالا اور اپنے ہاں مصروف رکھنے کی کوشش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں تاکہ آپؐ کے آرام میں خلل نہ آئے۔ اس دوران میری توجہ ان سے ہٹی تو شہزادہ رسولؐ اللہ

کی طرف چل پڑا۔ میں ان کی طرف اُٹھی اور بڑی سرعت دکھائی کہ رسولؐ اللہ تک انھیں نہ جانے دوں لیکن میں نے دیکھا تو وہ رسولؐ اللہ کے شکمِ مبارک پر بیٹھے تھے اور اُنھوں نے آپؐ کے شکمِ مبارک پر پیشاب کردیا۔ میں نے چاہا کہ شہزادہ کو رسولؐ اللہ کے شکمِ مبارک سے اُٹھاؤں لیکن آپؐ نے منع کردیا کہ ان کے شہزادے کو پیشاب کرنے دیں جونہی بچے کا پیشاب منقطع ہوا۔ آپؐ اُٹھے، آپؐ نے وضو فرمایا اور نماز میں مصروف ہوگئے۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے سجدہ میں سرِ مبارک رکھا تو شہزادہ امام حُسین علیہ السلام آپؐ کی پشتِ مبارک پر سوار ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے اپنے سجدہ کو اس قدر طول دیا جب تک شہزادہ آپؐ کی پشت مبارک سے نہیں اُترا۔ جب آپؐ اپنی نماز کی دوسری رکعت کے لیے اُٹھے تو شہزادے نے واپس جانا چاہا تو آپؐ نے اُنھیں اپنے پاس رکھا۔ جب آپؐ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کو کھول کر فرمایا: اے جبرئیلؑ! مجھے دکھا۔

جنابِ زینبؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! جس طرح آپؐ نے آج یہ کام کیا اس طرح میں نے آپؐ کو کبھی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! ابھی جبرئیل امینؑ میرے پاس آئے اور مجھے اپنے اس شہزادے کی شہادت کی خبر دی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ میری اُمت اسے قتل کردے گی، اور اس کی شہادت کی زمین کی سرخ خاک میرے حوالے کی۔ (امالی شیخ طوسی، روایت ۸۸)

خرائج میں انس بن مالک سے روایت ہے: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت اللہ تعالیٰ نے قومِ نوحؑ کو ہلاک کرنا چاہا تو حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: درخت ساگوان کو کاٹ کر اس کے تخت بناؤ۔ حضرت نوحؑ نے ساگوان درخت کو کاٹا اور اس کے تختے بنائے، لیکن آپؑ حیران تھے کہ ان تختوں کو وہ کیا کریں کہ حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اُنھیں کشتی کا نمونہ دکھایا اور اپنے ساتھ ایک صندوق لائے جس میں ایک لاکھ انتیس ہزار کیلیں تھیں۔ پس حضرت نوحؑ نے ان کیلوں کو کشتی بنانے میں صَرف کردیا۔ جب آپؑ کے پاس پانچ کیلیں باقی رہ گئیں تو آپؑ نے ارادہ کیا کہ ایک کیل کو اُٹھاؤں تو جب آپؑ کے ہاتھ وہ کیل میں آئی تو درخشندہ ستارے کی طرح چمکنے لگی۔ جنابِ نوحؑ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو

آپؑ حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔ وہ کیل فصیح زبان کے ساتھ گویا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سب سے بہتر نبی کے نام پر خلق کیا ہے۔ اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے جبرئیلؑ! میں نے آج تک ایسی کیل نہیں دیکھی۔ جناب جبرئیلؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے تمام انبیاؑ کے سرتاج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے خلق کیا ہے، پس اس کیل کو اپنی کشتی کے دائیں طرف لگا دیجیے۔ بعدازیں جناب نوحؑ نے دوسری کیل اُٹھائی۔ اس کیل سے بھی ایک نور ساطع ہوا۔ جناب نوحؑ نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! یہ کیا ہے؟ جناب جبرئیلؑ نے کہا: یہ کیل ان کے برادر اور پسرِ عم اور بہترین اوصیا علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نام پر خلق ہوئی ہے۔ اسے کشتی کے بائیں طرف لگائیں۔ جب حضرت نوحؑ نے تیسری کیل اُٹھائی تو اس سے بھی ویسا نور ساطع ہوا۔

حضرت جبرئیلؑ نے کہا: یہ کیل حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے نام پر خلق ہوئی ہے۔ اسے کشتی کے داہنی طرف لگاؤ۔ جب حضرت نوحؑ نے چوتھی کیل اُٹھائی تو اس سے بھی ایک نور ساطع ہوا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا: یہ حضرت امام حسنؑ کے نام کی کیل ہے۔ اسے کشتی کے بائیں طرف لگاؤ۔ اس طرح جب جناب نوحؑ نے پانچویں کیل اُٹھائی تو اس سے بھی ایک نور ساطع ہوا، اور اس سے ایک رطوبت بھی ظاہر ہوئی تو جناب جبرئیلؑ نے کہا: یہ کیل امام حسین علیہ السلام کے نام کی ہے۔ اسے بائیں طرف لگاؤ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پوچھا: اس میں یہ تری کیسی ہے؟

جبرئیل امینؑ نے کہا: یہ تری خون ہے۔ اس کے بعد جناب جبرئیلؑ نے جناب نوحؑ کو امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت نوحؑ نے امام حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت فرمائی۔ (الخرائج والجرائح، الامالی، ص ۱۱۸)

امالی شیخ طوسی میں بی بی عائشہ سے روایت ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنابِ امام حسین علیہ السلام کو اپنے مبارک زانو پر بٹھائے ہوئے تھے اور آپؐ انھیں مسلسل بوسے دے رہے تھے کہ اچانک جناب جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور آپؐ کے حضور درخواست کی: آپؐ اپنے اس بچے سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں!

جناب جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا: آپؐ کی اُمت آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے اس فرزند کو شہید کردے گی۔ جونہی آپؐ نے ان کی خبرِ شہادت سنی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس وقت جناب جبرئیلؑ نے عرض کیا: اگر آپؐ چاہیں تو اس کی جائے شہادت آپؐ کو دکھا دوں؟

اس وقت جناب جبرئیلؑ نے زمینِ کربلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی اور کہا: اس زمین کو "طُف" بھی کہا جاتا ہے۔ (الامالی، ص ۳۱۴)

نبیؐ کی علی علیہ السلام سے محرمانہ گفتگو

کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: جبرئیل امینؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر لائے تو اُس وقت آپؐ نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اُنھیں خلوت میں لے گئے۔ یہ دونوں بزرگوار دن کا ایک طویل حصہ آپس میں محوِ گفتگو رہے۔ پھر دوبارہ جنابِ جبرئیلؑ آپؐ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا: خداوند تعالیٰ آپ دونوں کو سلام فرما رہا ہے اور فرمایا ہے: میں تمھیں اپنے حق کی قسم دیتا ہوں کہ صبر و تحمل سے کام لینا اور اس عظیم ترین اور اندوہناک مصیبت پر دل تنگ نہ ہونا۔ پس ان دونوں بزرگواروں نے فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے صبر و شکر سے کام لیا۔

اسی مذکورہ کتاب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: جس وقت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے اس فرزند گرامی شہید دستِ بلا کا حمل ہوا تو جبرئیل امینؑ بارگاہِ رسالت میں آئے اور عرض کیا: آپؐ کی دختر نیک اختر کے ہاں جو فرزند پیدا ہوگا، آپؐ کی اُمت اُنھیں آپؐ کی وفات کے بعد شہید کردے گی۔ جس وقت جنابِ فاطمہ زہراؑ نے اس وحشت ناک خبر کو سنا، تو آپؑ اپنے اس فرزند کے حمل سے ناراحت و ناخوش ہوئیں۔ جس وقت یہ فرزند پیدا ہوئے تو بی بیؑ خوش نہ تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کیا تم نے دیکھا ہے کہ دنیا میں کوئی ماں ولادتِ فرزند سے رنجیدۂ خاطر ہوئی ہو، سوائے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے، وہ معصومہؑ اپنے اس فرزند کی ولادت کے وقت رنجیدہ تھیں، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ ستم گارانِ اُمت اُسے شہید کردیں گے۔

اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (سورۂ احقاف، آیہ ۱۵)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ پر احسان کرنے کا حکم دیا، اس کی ماں نے تکلیف برداشت کر کے اُسے پیٹ میں اُٹھائے رکھا اور تکلیف اُٹھا کر اُسے جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں"۔ (کامل الزیارات، ص ۵۵)

سورۂ احقاف اور حضرت امام حسین علیہ السلام

بعض قراءتوں میں حُسْنًا پڑھا گیا ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا حکم دیا گیا۔ والدین سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ پس آنجناب کو ان کے والدین کا وصی مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ مصنف نے اس قرأت کی بنا پر اس آیت شریفہ کا معنی یہی کیا ہے۔ بہت سی قرأتوں میں حُسْنًا پڑھا گیا ہے۔ اہلِ کوفہ نے اِحْسَانًا پڑھا ہے تو ان دونوں قرأتوں کے پیش نظر معنی یوں ہوگا کہ ہم نے انسان کو وصیت وسفارش کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ حضرت امام حسینؑ کی والدہ گرامی کائنات کی تمام ماؤں سے اپنے اس فرزند کے حمل کے دوران سخت پریشان تھیں اور اُنھوں نے ناخوشی کے عالم میں اس فرزند کو جنم دیا۔ ان کی مدتِ حمل اور دودھ پینے کی مدت تیس ماہ ہے۔ اسی طرح آپؑ کی مدتِ حمل چھے ماہ ہے اور مدتِ رضاعت ۲۴ ماہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (سورۂ بقرہ، آیہ ۲۳۳)

"مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں"۔

یعنی مدتِ رضاعت ۲۴ ماہ ہے، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدتِ حمل چھے ماہ ہے۔

اسی کتاب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن جبرئیل امینؑ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے حضور اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور آپؐ کو بشارت دی کہ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاں فرزند پیدا ہوگا۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی اُمت اُنھیں شہید کردے گی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ سلام صرف میرے ساتھ خاص ہیں لیکن مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ میری بیٹی کے ہاں ولادت پائے اور میری اُمت اسے قتل کردے۔

جنابِ جبرئیلؑ آسمان کی طرف چلے گئے۔ پھر دوبارہ سلام پروردگار لائے اور اس کے ساتھ بشارت بھی لائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی پہلا جواب دیا۔ پھر جبرئیلؑ آسمان کی طرف واپس گئے اور ایک ساعت میں واپس آگئے اور عرض کیا: اے محمدؐ! خداوند تعالیٰ آپؐ کو سلام پیش کرتا ہے اور آپؐ کو اس مبارک فرزند کے بارے میں یہ بشارت دیتا ہے کہ میں امامت و ولایت و وصایت کو آپؐ کے اس فرزند کی اولاد میں رکھ رہا ہوں۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت میرے اس فرزند کے حصے میں رکھ دی ہے تو فرمایا: میں اس فرزند کی ولادت پر راضی ہوں۔ پھر آپؐ نے اپنی شہزادی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو یہ پیغامِ خداوندی سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فرزند کے بارے میں بشارت دی ہے کہ ایک فرزند نے آپؑ کے ہاں پیدا ہونا ہے، جسے میری اُمت قتل کرڈالے گی۔ یہ پیغام سن کر شہزادی نے اپنے بابا کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں ہے کہ آپؐ کی اُمت اُسے قتل کرڈالے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے امانت و ولایت و وصایت کو آپ کے اس فرزند کی نسل میں رکھ دیا ہے۔ پس جب حضرت فاطمہ زہراؑ

نے یہ پیغام سنا تو اپنے باباؑ کی طرف یہ پیغام بھجوایا کہ اب میں اس فرزند کی ولادت پر راضی اور خوش ہوں۔

پس شہزادی اس فرزندِ گرامی کے لیے ناخوشی کی حالت میں حاملہ ہوئیں اور انھیں ناخوشی سے جنم دیا، کیونکہ آپؑ ان کے مصائب سن چکی تھیں۔ ان کی مدتِ حمل اور ایامِ رضاع یعنی دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ بعدازیں آپؑ روز بروز بڑھتے رہے۔ رُشد وقوت حاصل کرتے رہے۔ جس وقت آپؑ کی عمر چالیس سال ہوئی تو آپؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ تو نے جو نعمت مجھ پر نازل فرمائی ہے اور میرے والدین پر نازل فرمائی ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا کروں اور مسلسل عملِ صالح انجام دوں، جس میں تیری رضا وخوشنودی ہو اور میرے لیے اور میری ذُریت کے لیے نجات مقرر فرما اور میری ذُریت سے کچھ کی اصلاح فرما۔ (سورۂ احقاف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر حضرت امام حُسین علیہ السلام واصلح لی ذُریتی کی جگہ فرماتے واصلح لی ذُریتی کہ میری ساری اولاد کی اصلاح فرما تو اس صورت میں آپؑ کی تمام اولاد دین مبین کی پیشوا ہوتی اور اہلِ زمین کی امام ہوتی، کیونکہ امامت صرف چند اشخاص کو ملنی تھی، اس لیے آپؑ نے مخصوص دعا فرمائی۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام ایامِ رضاعت میں

ایک روایت میں ہے: حضرت امام حُسین علیہ السلام نے کسی خاتون کا دودھ نہیں پیا حتیٰ کہ اپنی والدہ کا دودھ بھی نہیں پیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کے ہاں تشریف لاتے تھے اور اپنی انگشتِ ابہام آپؑ کے دھنِ اقدس میں داخل فرماتے۔ حضرت امام حُسین علیہ السلام اس قدر اس انگشتِ ابہام کو چوستے کہ وہ دودھ آپؑ کو دو تین دن کے لیے کافی ہوتا۔ اس دوران آپؑ کو کسی خاتون کے دودھ کی ضرورت نہ رہتی تھی۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام کا گوشت وخون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوشت وخون سے بنا۔ دنیا میں صرف دو فرزند چھے ماہ کے حمل کے دوران متولد ہوئے: ایک جناب عیسیٰؑ بن

مریمؑ اور دوسرے حضرت امام حسین علیہ السلام۔ (کامل الزیارات، ص ۵۶)

(مترجم: کچھ نادان صفت لوگ اس روایت میں اشکال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم الشان شخصیت کو جب بتا دیا گیا تھا کہ انھیں جو فرزند ملنے والا ہے، وہ عظیم المرتبت فرزند ہے جب کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ایسے فرزند کی بشارت دے اور آپؐ اس فرزند کو اس وجہ سے قبول نہ کریں کہ آپؐ کی اُمت کے چند بدکردار لوگ آپؐ کے بعد اُسے قتل کردیں گے، اس امر کے لیے دو دفعہ جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آیا۔

اس اشکال کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ ایک مومن کامل، عالم، دانا جب اس کے سامنے پیشوایانِ دین و پیغمبران، مرسلین اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے افعال و اقوال آتے ہیں، خصوصاً رسولؐ اللہ کے افعال و اقوال جو اشرف کائنات ہیں، برگزیدہ موجودات ہیں، سید المرسلین ہیں تو اس بارے وہ سوچتا تک بھی نہیں ہے۔ ان پر اشکالات کرنے سے اپنے ذہن کے تمام دریچوں کو بند کردیتا ہے اور وہ ان کے افعال و اقوال کو مصلحت پر محمول کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ان امور کے فہم پر قاصر سمجھتا ہے اور ان شیطانی وساوس سے دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ شیطان ملعون ہمیشہ لوگوں کو فریب دیتا رہتا ہے اور اپنے دامِ تزویر میں پھنساتا رہتا ہے اور ان کے عقائد پر حملے کرتا رہتا ہے اور اُنھیں گمراہ کرتا رہتا ہے۔

اس روایت کی حقانیت پر یہ روایت دلالت کرتی ہے جو تفاسیر میں موجود ہے۔ اس روایت کے مضمون کا ماحاصل یہ ہے:

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریا کے کنارے اس ملعون کو دیکھا کہ اُس نے وہاں مُردوں کی ہڈیوں کو جمع کر رکھا تھا۔ اُنھیں اپنے ہاتھ میں لیتا اور ان میں خوب غور وفکر کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: ان میں اتنا غور وفکر کیوں کر رہا ہے۔ اُس نے عرض کیا: میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی وضلالت میں مبتلا کیا ہے اور اُنھیں اس وسوسہ میں ڈالا ہے کہ دوبارہ زندگی محال ہے اور اُنھیں مَیں نے یقین دلایا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس بوسیدگی، پراگندگی اور اس مخلوط صورت میں دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔

پھر میں نے اپنے ان خیالاتِ فاسدہ سے معادِ جسمانی کا منکر بنا دیا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ عالم و دانا لوگ ہرگز پیغمبروں اور آئمہ کے افعال و اقوال میں اشکال نہیں کرتے اور شیطانی وسوسوں کے شکار نہیں ہوتے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے جنابِ جبرئیلؑ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں اس فرزند کی ولادت پر راضی نہیں ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرزند میرے لیے کرامت نہ بنائے بلکہ آپؐ نے فرمایا تھا: مجھے اس اوصافِ مذکورہ کے حامل فرزند کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک باپ کو فرزند کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا فرزند اس کی زندگی اور اس کی موت کے وقت زندہ ہو اور اس کا والد اس سے نفع اُٹھائے، نہ صرف یہ کہ اس کے ہاں فرزند پیدا ہو، زیادہ زمانہ نہ گزرے کہ وہ مارا جائے اور اس کی جزائے ابدی اس کے قتل ہونے کی وجہ سے وجود میں نہ آئے۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا: مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں ہے تاکہ بارگاہِ خداوندی سے یہ معلوم ہو کہ اس فرزند کے قتل کا عوض کیا ہے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس فرزند کی شہادت کا عوض اس قدر ہے تو آپؐ نے ان کی ولادت پر خوشی کا اظہار کیا۔

جب جنابِ جبرئیلؑ یہ خبر لائے کہ امامت و ولایت و وصایت آپؐ کے اس فرزند کی نسل میں رکھ دی گئی ہے تو اس سے اتمامِ حجت ہوگئی کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں امامت جو رکھی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امامت امام حسنؑ کی نسل میں نہیں رکھی گئی اور نہ باقی ہاشمی لوگوں کو یہ عہدہ دیا گیا ہے۔ اس اتمامِ حجت کے باوجود کچھ لوگ ایسے تھے، جنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ امامت امام حسنؑ کی اولاد کا حق ہے۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا بارگاہِ رسالتؐ میں

کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آئیں۔ جب آپؑ کی نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو اس وقت آپؐ کی آنکھوں میں آنسو کی جھڑی لگ گئی تھی۔ آپؐ نے سبب گریہ پوچھا۔

آپؐ نے فرمایا: ابھی جناب جبرئیلؑ میرے پاس آئے ہیں اور مجھے خبر دی ہے کہ میری اُمت میرے اس فرزند کو میرے جانے کے بعد قتل کردے گی۔ جس وقت جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس جاں سوز خبر کو سنا تو آپؑ بھی پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ آپؑ نے خوب جزع وفزع اور گریہ کیا۔

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت کو اس فرزند کی نسل میں رکھ دیا ہے۔ جب جنابِ زہراؑ نے یہ خبر سنی تو آپؑ کو سکون آیا اور رونا بند کردیا۔

امام حُسینؑ اور رسولؐ اللہ کا گریہ

کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہراؑ کے خانۂ اقدس پر تشریف لائے اور اُس وقت جنابِ اُمِ ایمنؓ نے دودھ، مکھن اور خرمے ہماری طرف بھیجے تھے۔ ہم وہ سب چیزیں رسولؐ اللہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے تناول فرمایا۔ پھر وہاں سے اُٹھے اور آپؐ نے گھر کے ایک گوشہ میں چند رکعت نماز پڑھی۔ جس وقت آپؐ آخری رکعت کے سجدہ میں تھے تو آپؐ نے رونا شروع کیا۔ آپؐ بہت زیادہ روئے۔ ہم میں سے کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپؐ کے اجلال وعظمت اور بزرگواری کے سبب آپؐ سے گریہ کا سبب پوچھیں۔ اس دوران میرے نور دیدہ امام حُسینؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور حضرتؐ کے دامن میں جا کر بیٹھ گئے اور عرض کیا:

اے جدِ بزرگوار! جس وقت آپؐ ہمارے گھر تشریف لائے اس سے ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ جس وقت آپؐ نے رونا شروع کیا آپؐ کی چشمانِ مبارک سے آنسو جاری ہوئے۔ ہم سب سخت پریشان ہوگئے ہیں۔ آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟ خداوند تعالیٰ آپؐ کو کبھی نہ رُلائے۔

جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: اے فرزند گرامیؑ! اسی وقت جبرئیل امینؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ اُمت آپ کو میرے بعد شہید کرڈالے گی۔ آپؑ کی جائے قتل اور آپؑ کی قبر ہم سے دُور بنے گی۔

امام حُسین علیہ السلام نے عرض کیا: اے جدِّ بزرگوار! ہماری شہادت کے بعد جب ہماری قبور

ایک دوسرے سے جدا ہوں گی تو ہمارے زائر کے لیے کیا اجروثواب ہوگا؟

آپؐ نے فرمایا: میری اُمت میں سے کچھ لوگ ہوں گے، جو تمھاری قبور کی زیارت کو برکت جانیں گے۔ جب وہ تمھاری قبور کی زیارت کریں گے تو اللہ ان پر برکت نازل کرے گا۔ مجھ پر لازم ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور آپؑ کے زائرین عرصۂ قیامت میں شدتِ خوف میں ہوں گے تو میں انھیں اس دن کی وحشت و شدت سے نجات دلاؤں گا اور آخرکار خداوند تعالیٰ میری شفاعت سے اُنھیں داخلِ بہشت کرے گا۔

ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوچھا: اے جدِّ بزرگوار آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے فرزند گرامیؑ! میں نے جب آپؑ کی طرف دیکھا تو آپ بہت زیادہ شاداں و فرحان تھے اس حالت میں مَیں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ پس اسی وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور خبر دی کہ تمھیں قتل کردیا جائے گا۔ تمھاری قبور ایک دوسرے سے جدا بنیں گی۔ پس اسی وجہ سے میں نے رونا شروع کیا اور میں نے بارگاہِ خداوندی میں اس مصیبت کے مقابلے میں اس کی حمد وثنا اور آپؑ کے لیے خیرونیکی طلب کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عرض کیا: اے جد بزرگوار! جب میری قبر بہت دُور بنے گی اس پراگندگی اور جدائی میں میری زیارت کے لیے کوئی آئے گا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! میری اُمت کا ایک گروہ تمھاری قبور کی زیارت کے لیے آئے گا، وہ مجھ پر احسان کریں گے اور مجھ سے صلۂ رحمی کریں گے۔ وہ اپنی اس زیارت سے سوائے نیکی و صلہ رحمی کے کوئی اور مقصد نہیں رکھیں گے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو عرصۂ محشر میں مَیں اُنھیں یاد کروں گا اور ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر قیامت کی ہولناکیوں اور شدائد سے نجات دلاؤں گا۔

وحیِ الٰہی قلبِ پیغمبرؐ پر

کتاب کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: رسول

اللہ ﷺ ایک دن حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خانۂ اقدس پر تشریف رکھتے تھے اور آپؐ نے اپنے نورِ دیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے زانوئے اقدس پر بٹھا رکھا تھا۔ اچانک آپؐ پر گریہ کا غلبہ ہوا، اور اس وقت آپؐ نے اپنے سرِ اقدس کو سجدہ میں جھکایا اور فرمایا:

اے فاطمہؑ! اے دخترِ محمدؐ! اس وقت خداوندِ علی اعلیٰ اپنے انوارِ جلال و عظمت نے صفاتِ کاملہ سے آپؐ کے خانۂ اقدس پر تجلی فرمائی ہے گویا کہ میں نے اُسے دیکھا ہے۔ پس اُس نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ اے محمدؐ! کیا تجھے حسینؑ سے محبت ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! مجھے اُس سے بے پناہ محبت ہے۔ کیونکہ وہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ میرے بوستان کا پھول ہے، میرے دل کا میوہ ہے، میری آنکھ کی پتلی ہے۔ خداوندِ عالمیان نے اپنی بے کراں رحمتوں میں فرزندِ حسینؑ کو لے لیا ہے اور مجھ سے فرمایا:

اے محمدؐ! آپؐ کا یہ فرزند سراپائے مبارک ہے۔ اس پر میری رحمتیں، برکتیں اور خوشنودیاں برس رہی ہیں، جو اسے شہید کرے گا، اس پر میری لعنت ہوگی اور اس پر میرا غضب نازل ہوگا اور جو حسینؑ سے دشمنی و عداوت رکھے گا اور اُسے مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا اور اُس سے جنگ و جدال کرے گا اس پر میری لعنت ہے۔

اے محمدؐ! آگاہ رہیے، وہ سید الشہداءؑ ہیں، چاہے شہدائے اوّلین میں سے ہو یا آخرین میں سے، وہ سب کے آقا و مولا ہیں۔ وہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ان کے والد ان سے افضل و بہتر و برتر ہیں۔ ان کے والد کو میرا اسلام دیجیے اور یہ بشارت دیجیے کہ وہ میری ہدایت کا پرچم ہیں اور میرے دوستوں کی ہدایت کی شاہراہ ہیں اور میری شریعت کے محافظ ہیں اور میری مخلوق پر میرے گواہ ہیں۔ میرے علم کے خازن ہیں اور اہلِ زمین و آسمان سب پر میری طرف سے حجت ہیں، یعنی جن و انس پر حجت ہیں۔

اُم الفضلؓ کا خواب دیکھنا

شیخ مفید نے ارشاد میں اپنی اسناد کے ساتھ اُم الفضل دختر حرث کی روایت درج کی ہے کہ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ!

میں نے گزشتہ شب ایک بھیانک وڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ کیا خواب تھا؟

اُس نے عرض کیا: وہ ایک ہولناک قسم کا خواب تھا۔

آپؐ نے فرمایا: تُو نے کیا دیکھا؟

اُس نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ آپؐ کے جسمِ مبارک کے گوشت کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری جھولی میں آپڑا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: تم نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے، بہت جلد میری شہزادی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوگا۔ تم اس فرزند کی پرورش کروگی۔ پس چند روز بعد حضرت فاطمہ زہراؑ نے شہزادہ حُسینؑ کو جنم دیا۔

اُم الفضلؓ کا بیان ہے، اس شہزادے کی کفالت و پرورش میرے ذمہ تھی، خواب کی تعبیر وہی ہوئی جو رسولؐ اللہ نے فرمائی تھی۔

وہ فرماتی ہیں: میں ایک دن شہزادۂ حسین علیہ السلام کو اُٹھا کر بارگاہِ رسالت میں آئی، اور میں نے آپؐ کی آنکھوں پر نگاہ کی۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت رسولؐ اللہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے آپؐ کے حضور عرض کیا: میرے والدین آپؐ پر قربان ہوجائیں، آپؐ کی مبارک آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ابھی جناب جبرئیل امینؑ نازل ہوئے تھے اور اُس نے مجھے بتایا کہ میری اُمت میرے اس فرزند کو بے دردی کے ساتھ قتل کردے گی۔ جناب جبرئیلؑ نے اس کی جائے شہادت کی سرخ رنگ کی تربت میرے حوالے کی ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ کی روایت

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شب میرے پاس تشریف فرما تھے۔ پس آپؐ آدھی رات کو باہر تشریف لے گئے اور بڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ جب میں نے آپؐ کی حالت دیکھی تو پریشان ہوکر رہ گئی، کیونکہ آپؐ پریشان حال

اور غبار آلود صورت میں واپس آئے تھے اور آپؐ اپنی مٹھیوں کو بند کیے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا: اے رسولِؐ عالمیان! کیا ہوا کہ آپؐ اس قدر پریشان حال ہیں اور آپ کا سر و چہرہ غبار آلود ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تھوڑی دیر پہلے قدرتِ خداوندی کے ذریعے عراق میں زمینِ کربلا پر گیا ہوا تھا، اور وہاں مجھے میرے فرزند حسینؑ اور ان کے اصحاب کے قتل کے مقامات دکھائے گئے ہیں۔ میں نے اس مقام کی خاک اٹھا رکھی ہے اور وہ یہ ہے۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کو کھولا اور فرمایا: اس خاک کو لے لو اور اس کی حفاظت کرو۔

میں نے دیکھا تو وہ خاک سرخ رنگ کی تھی۔ میں نے اسے ایک شیشی میں رکھا اور اس کے منہ کو بند کر دیا اور میں اکثر اُسے دیکھتی رہتی تھی۔ جب امام حسین علیہ السلام نے عراق کا سفر کیا تو پھر میں اس خاک کو شب و روز دیکھتی اور اس کی خوشبو کو سونگھتی اور ان کے مصائب پر روتی۔

جب دسویں محرم کا دن طلوع ہوا تو میں نے اس خاک کو دیکھا تو وہ خاک ہی تھی۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ جب میں نے اس خاک کو دن کے آخر میں دیکھا تو وہ خاک تازہ خون میں بدل گئی تھی۔ پس میں نے یقین کرلیا کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔ پس میں نے اپنے گھر میں آہ و فریاد بلند کی اور رونا شروع کیا۔ پھر میں نے رونا اور آہ و بکا کرنا بند کر دیا کہ کہیں اہلِ بیتؑ کے دشمن میرا یہ گریہ نہ سن لیں اور انھیں خوشی حاصل ہو اور ان کے قتل سے انھیں خوشی ہو لیکن میں نے اس دن کو اور اس کی اسی کیفیت کو ہمیشہ یاد رکھا یہاں تک کہ امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ میں آئی۔ واقعی آپؑ کی شہادت کی وہی تاریخ تھی، جس دن میرے ہاں خاک خون میں تبدیل ہوئی تھی۔ (الارشاد، ج ۲، ص ۱۳۰، اعلام الوریٰ، ص ۲۱۹، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۱۸، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۹۳)

اشعار پیش از شہادتِ امام حسینؑ

سعد بن وقاص کے مناقب میں یہ روایت موجود ہے کہ قُس بن ساعدہ ایادی رسول

اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ان دو شعروں کو اکثر پڑھتے رہتے تھے:

تَخَلَّفَ الْغَدَّارُ مِنْهُمْ عُصْبَةٌ ثَارُوا بِصِفِّيْنَ وَ فِي يَوْمِ الْجَمَلِ

وَ اَلْزَمَ الثَّارُ الْحُسَيْنُ بَعْدَهُ وَاحتشدوا على انبه حتى قتل

"ایک گروہ مسلمانوں کا اعراض و انکار کرے گا اور صفین اور جمل جیسی جنگیں برپا کر کے سرکشی کرے گا۔ پھر اپنے مقتولین کا انتقام حضرت امام حسینؑ سے لے گا اور ان کے قتل پر اجماع کرے گا"۔ (مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۲)

واقعۂ معراج

تفسیر فرات بن ابراہیم میں جناب حذیفہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے جس زمانے میں آسمانوں پر لے گیا اور مجھے بہشت میں داخل کیا وہاں مجھے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ وہاں میں نے ایک نورانی شجر کو دیکھا جو نور سے مزین تھا۔ میں نے اس کے نیچے دو فرشتوں کو دیکھا جو اس نورانی درخت کو زیب و زینت دینے میں مصروف تھے اور اس پر خوب صورت ترین کپڑے لپیٹ رہے تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ قیامت تک اس درخت کو مزین کرتے رہیں گے۔ میں نے اس درخت میں اچانک سیب لگے ہوئے دیکھے۔ اتنا بڑا سیب میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پس میں نے ایک سیب توڑا تو اس سے ایک حور برآمد ہوئی، جس کی پلکیں دراز تھیں۔ میں نے اُس سے پوچھا: تو کس کے لیے خلق ہوئی ہے؟

اُس نے میری یہ بات سنی تو وہ رونے لگی اور کہا: میں آپؐ کے فرزند حسینؑ بن علیؑ کے لیے خلق ہوئی ہوں، جسے ظلم و ستم سے قتل کر دیا جائے گا۔ میں تھوڑا آگے کی طرف چلا تو میں نے تازہ کھجور دیکھی جو مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں تھی۔ میں نے ان میں سے ایک دانہ کھایا، اس میں بے پناہ لذت تھی۔ پس اُس سے میرے جسم میں نطفہ بنا۔ جب میں واپس آیا تو حضرت خدیجہؓ سے مقاربت کی۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا ان کے شکم

میں حمل ٹھہرا۔ اس اعتبار سے جناب فاطمہؑ انسانوں میں حور ہیں۔ جس وقت مجھے جنت کی خوشبو کا شوق ہوتا ہے میں اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کی خوشبو سونگھ لیتا ہوں۔ (تفسیر فرات، ص ۴۹-۷۵، کشف الغمہ، ج۱، ص ۴۵۹، مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۷۵)

جناب اُم سلمہؓ کی روایت

بعض کتب مناقب معتبرہ میں روایت ہے: حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے: ایک دن جناب جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا: آپؐ کی اُمت حسینؑ کو قتل کردے گی۔ پھر اس نے عرض کیا: اگر آپؐ چاہیں تو ان کے مقتل کی خاک کی آپؐ کو نشان دہی کروں؟

وہ کچھ سنگ ریزے لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں ایک شیشی میں ڈالا اور وہ شیشی میرے پاس رہی۔ جونہی امام حسین علیہ السلام کی قتل کی رات آئی تو میں نے غیب سے آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا:

أَيُّهَا الْقَاتِلُونَ جَهْلًا حُسَيْنًا   أَبْشِرُوا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِيلِ
قَدْ لُعِنْتُمْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ   وَمُوسَى وَ صَاحِبِ الْإِنْجِيلِ

"اے لوگو! جنھوں نے ازراہِ جہل و نادانی حسینؑ کو قتل کیا تو تمھیں دردناک عذاب کی بشارت دی جاتی ہے۔ تم پر جناب داوٗدؑ کی زبانِ مبارک سے لعنت کی گئی ہے اور اس طرح جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ نے تم پر لعنت کی ہے"۔ ①

جناب اُم سلمہؓ فرماتی ہیں: جب میں نے یہ آواز سنی تو میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

---

① بعض مناقب میں ان دو شعروں کے ساتھ اس شعر کا ذکر بھی ہے:

كُلُّ أَهْلِ السَّمَاءِ يَدْعُو عَلَيْكُمْ   مِنْ نَبِيٍّ وَ مُرْسَلٍ وَ قَتِيلٍ

(الارشاد، ج ۲، ص ۱۲۵، کامل الزیارات ۹۷:۱۱۰، اللہوف، ص ۱۷۱، مثیر الاحزان، ص ۱۰۸، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۵۹، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۶۹)

پھر میں اس شیشے کے پاس آئی، اُسے کھولا تو وہ سنگ ریزے خون میں بدل گئے تھے۔

پیغام جبرئیل علیہ السلام

بعض تالیفات میں آیا ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ ان کے بعد امام حسنؑ اور امام حُسینؑ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام دائیں زانو پر اور امام حُسین علیہ السلام بائیں زانو پر بیٹھ گئے۔ پس رسولؐ اللہ کبھی جنابِ امام حسن علیہ السلام کے بوسے لیتے اور کبھی امام حُسین علیہ السلام کے بوسے لیتے۔ اچانک جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور آپؐ کے حضور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ اپنے ان دونوں شہزادوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، میں ان سے محبت کیوں نہ کروں، کیونکہ یہ دونوں میری دنیا کی خوشبو ہیں اور میری دنیا کا زادِ راہ ہیں اور میری آنکھوں کا نور ہیں۔

جبرئیل امینؑ نے عرض کیا: اے رسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان دو بزرگواروں کے لیے جو کچھ مقدر کیا ہے، اس پر صبر فرمانا۔

جنابِ رسولؐ اللہ نے پوچھا: وہ کون سی باتیں ہیں، جن پر میں نے صبر کرنا ہے۔

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپؐ کے اس شہزادے حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر سے شہید کردیا جائے گا اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کی تقدیر میں لکھا ہے کہ اُنھیں گوسفند کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر پیغمبر کی دعا قبول ہوتی ہے اگر آپؐ چاہیں تو اپنے ان دونوں فرزندوں حسن وحسین علیہما السلام کے بارے میں دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں زہر وقتل سے محفوظ فرمائے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے مصائب کے عوض قیامت کے دن اپنی اُمت کے گناہگاروں کے لیے شفاعت کو ذخیرہ بنائیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکم پر راضی ہوں۔ میں وہی چاہتا ہوں، جو میرا خدا چاہتا ہے۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری دعا میری اُمت کے گناہگاروں کے لیے ذخیرہ بنے۔ خداوند تعالیٰ میرے ان دونوں فرزندوں سے جو چاہے، وہ جاری فرمائے۔

رسولؐ اللہ کا حبیب بن مظاہرؓ سے پیار

مروی ہے: ایک دن رسول اللہ ﷺ راستہ چل رہے تھے کہ آپؐ نے بچوں کو دیکھا جو کھیل میں مصروف تھے۔ رسولؐ اللہ ان میں سے ایک بچے کے قریب گئے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور بہت زیادہ پیار کیا اور اُسے اپنی گود میں بٹھایا اور اُس کے بہت زیادہ بوسے لیے۔ آپؐ کے اصحاب نے آپؐ سے اس بچے سے پیار، ملاطفت اور مہربانی کا سبب پوچھا۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے ایک دن اس بچے کو دیکھا کہ میرے شہزادے حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیل رہا تھا اور یہ میرے حسینؑ کے پاؤں کی خاک کو اُٹھاتا اور اُسے اپنے منہ اور اپنی آنکھوں پر ڈالتا تھا۔ مجھے جبرئیل امینؑ نے خبر دی ہے کہ یہ بچہ قضیہ کربلا میں حسینؑ کے انصار میں سے ہوگا۔

(مترجم: بعض کتب مقاتل میں مذکور ہے کہ یہ بچہ حبیب بن مظاہرؓ تھا، حقیقت خدا ہی بہتر جانتا ہے)۔

حضرت آدم علیہ السلام کا کربلا سے گزر

ایک مرسل روایت میں آیا ہے: جب جناب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو آپ کو جنابِ حواؑ نظر نہ آئیں۔ آپؑ نے ان کی جستجو و تلاش شروع کر دی۔ آپؑ زمین میں چکر لگانے لگے کہ کہیں انھیں جنابِ حواؑ مل جائے۔ سفر کرتے کرتے آپؑ کا ورود زمینِ کربلا میں ہوا۔ جونہی آپؑ اس سرزمین پر آئے تو مصائب و آلام نے آپؑ پر ہر طرف سے ہجوم کر دیا۔ آپؑ کا دل غموں سے لبریز ہو کر رہ گیا۔ آپؑ نے اپنے آپ کو دیکھا کہ آپؑ دریائے ھم و غم کی سفاک و بے درد موجوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جس وقت آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقتل پر پہنچے تو آپؑ کا مبارک پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا اور آپؑ کا پاؤں زخمی ہو گیا اور اُس سے خون بہنے لگا۔

جنابِ آدم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! کیا مجھ سے کوئی خطا

ہوئی ہے، جس کی تو مجھے سزا دے رہا ہے اور مجھے مصائب میں گرفتار کر لیا ہے۔ میں نے ساری زمین کا چکر لگایا ہے۔ ایسی مصیبت میں نے کہیں نہیں دیکھی جو یہاں میں نے دیکھی ہے۔

جنابِ آدم علیہ السلام کی طرف مصدرِ جلال کی طرف سے خطاب ہوا:

اے آدمؑ! تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی لیکن جس سرزمین میں تم وارد ہوئے ہو، یہ تمہارے فرزند حسینؑ کا مقتل ہے، جس میں وہ جور و ستم سے شہید کر دیے جائیں گے۔ میں نے چاہا کہ تو بھی اس کی مصیبت کے ساتھ موافقت حاصل کر لے، تیرا خون اس کے خون کے مانند جاری ہو جائے۔

حضرت آدمؑ نے عرض کیا: اے پالنے والے! کیا حسینؑ پیغمبر ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ پیغمبر تو نہیں ہیں لیکن آخری عظیم پیغمبرؐ کے سبط ہیں، جن کا نامِ نامی محمدؐ ہے۔

حضرت آدمؑ نے عرض کیا: اُسے کون قتل کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس کا قاتل یزید ہوگا کہ تمام اہلِ آسمان و زمین اس پر لعنت کریں گے۔

حضرت آدمؑ نے جبرئیلؑ سے پوچھا: میں یہاں کون سا کام کروں کہ اس مصیبت سے نجات حاصل کروں؟

جنابِ جبرئیلؑ نے فرمایا: اس کے قاتل پر لعنت کرو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے چار مرتبہ یزید (لعین) پر لعنت کی اور نفرین کی۔ پھر آپؑ نے چند قدم اُٹھائے تھے کہ آپ میدانِ عرفات میں پہنچے اور وہاں جنابِ حواؑ کو تلاش کر لیا۔

کشتیِ نوحؑ فرازِ کربلا میں

روایت ہے: طوفانِ نوحؑ کے وقت کشتیِ نوحؑ نے پانی پر چلتے ہوئے تمام زمین کا چکر لگایا۔ چلتے چلتے آخر زمینِ کربلا پر پہنچی۔ جونہی اِدھر پہنچی تو گرداب میں پھنس کر رہ گئی۔ حضرت نوحؑ خوف زدہ ہوئے کہ کہیں کشتی یہاں غرق نہ ہو جائے۔ آپؑ نے بارگاہِ ربوبیت میں دعا مانگی اور عرض کیا:

"اے پروردگار! میں نے تمام روئے زمین کا چکر لگایا۔ میں کہیں حیران و مضطرب نہیں ہوا، جس قدر یہاں آ کر ہوا"۔

اُسی وقت جناب جبرئیلؑ رب جلیل کی طرف سے جناب نوحؑ پر نازل ہوئے اور عرض کیا: اے نوحؑ! یہ وہ سرزمین ہے جس میں نورِ دیدہ رسولؐ آخر و اعظم نے شہید ہونا ہے۔

جناب نوحؑ نے پوچھا: اُس بزرگوار کا قاتل کون ہوگا؟

حضرت جبرئیلؑ نے کہا: اس بزرگوار کا قاتل وہ ہے، جس پر ساتوں اہلِ آسمان اور ساتوں اہلِ زمین لعنت کریں گے۔ یہ سن کر حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر چار مرتبہ لعنت کی۔ پس آپؑ کی کشتی نے ہلاکت سے نجات پائی اور اس زمین سے باہر آئی اور کوہ جودی پر آ کر ٹھہری۔

حضرت ابراہیمؑ زمینِ کربلا پر

مروی ہے: ایک دن حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر کر رہے تھے کہ دورانِ سفر آپؑ کا گزر زمینِ کربلا سے ہوا۔ یہاں آپؑ کی سواری کے قدم ڈگمگانے لگے اور آپؑ زمین پر آ رہے، جس سے آپؑ کا سر مبارک زخمی ہوگیا۔ جونہی آپؑ کا خون جاری ہوا۔ آپؑ استغفار میں مصروف ہوگئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

خدایا! مجھ سے کون سی خطا ہوئی ہے کہ میں اس مصیبت میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ پس جبرئیلِ امینؑ اُسی گھڑی آپؑ پر نازل ہوئے اور عرض کیا: اے ابراہیمؑ! آپؑ سے کوئی گناہ و خطا سرزد نہیں ہوئی۔ یہ وہ جگہ ہے، جس میں خاتم انبیاؐ کے سبطِ گرامی اور خاتمِ اوصیاؑ کے فرزند نے شہید ہونا ہے۔ اس لیے آپؑ کا خون جاری ہوا ہے، کیونکہ اس بزرگوار کا خون یہاں جاری ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دریافت کیا: اس بزرگوار کا قاتل کون ہوگا؟

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: اس کا قاتل وہ ہوگا کہ جس پر تمام اہلِ آسمان اور تمام اہلِ زمین لعنت کریں گے۔ قلم نے لوح پر اس کے لیے لعنت لکھ دی ہے حالانکہ اُس نے اس

امر کی اللہ سے اجازت نہیں لی تھی۔ قلم کی طرف اللہ نے وحی فرمائی: اے قلم! تو لائقِ مدح و ثنا ہے کہ تُو نے لوح پر یزید (لعین) کے لیے لعنت لکھی۔ جب جنابِ ابراہیمؑ نے جنابِ جبرئیلؑ سے یہ سنا تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور یزید پر بہت زیادہ لعنت و نفرین کی تو آپؑ کے گھوڑے نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے فصیح زبان میں آپؑ کی اس دعا پر امین کہی۔ اس وقت جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھوڑے سے پوچھا: تمھیں کیسے پتا چلا کہ جس پر مَیں لعنت کر رہا ہوں اور وہ واقعی لعنت کا مستحق ہے اور اس کے لیے امین کہنا چاہیے۔

آپؑ کے گھوڑے نے بہ زبان خوش بیان عرض کیا: اے ابراہیمؑ! مجھے فخر ہے کہ آپؑ جیسے بزرگوار مجھ پر سوار ہیں۔ یہاں میرے پاؤں میں لغزش آئی اور آپؑ میری پشت سے زمین پر آئے۔ مجھے بہت زیادہ شرم آئی تو اس بات کا سبب یزید کی بدبختی بنی۔

گوسفندانِ حضرت اسماعیل علیہ السلام

مروی ہے: حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گوسفند دریائے فرات کے کنارے چرتے تھے۔ ایک دن آپؑ کا چرواہا آپؑ کے پاس آیا اور اُس نے کہا: چند روز سے یہ گوسفند دریائے فرات کا پانی نہیں پی رہے۔

حضرت اسماعیلؑ نے اپنے دستِ مناجات درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کیے اور اپنے گوسفندوں کی حالت کے بارے میں خداوند عالمیان سے دریافت کیا تو اُسی وقت جنابِ جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور آپؑ کے پاس پہنچے اور عرض کیا: اے اسماعیلؑ! آپ خود اپنے ان گوسفندوں سے پوچھیں کہ ان کا یہاں سے پانی نہ پینے کا سبب کیا ہے۔ وہ آپ کو جواب دیں گے اور اس بات کا سبب بتائیں گے۔

آنحضرتؑ نے اپنے گوسفندوں سے پوچھا: تم دریائے فرات کا پانی کیوں نہیں پی رہے ہو؟ ان گوسفندوں نے آپؑ کو فصیح زبان میں جواب دیا: آپؑ کے فرزند حُسینؑ سبطِ گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی زمین میں تشنہ لب شہید ہوں گے۔ اس لیے ہم اس بزرگوار کی مصیبت اور تشنگی کی یاد میں یہاں کا پانی نہیں پی رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا: اے جبرئیلؑ! وہ ملعون کون ہے، جس نے اس بزرگوار کو قتل کرنا ہے؟

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: وہی ہے کہ جس پر تمام اہلِ آسمان اور تمام اہلِ زمین لعنت ونفرین کریں گے۔ تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! قاتلِ حسینؑ پر لعنت فرما۔

حضرت موسیٰؑ زمینِ کربلا میں

مروی ہے: ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وصی جناب یوشعؑ بن نون کے ساتھ سفرِ سیاحت پر نکلے تھے کہ ان دونوں کا گزر سرزمین کربلا سے ہوا۔ جونہی وہ دونوں بزرگوار کربلا میں آئے تو جنابِ موسیٰؑ کے جوتے پھٹ گئے اور نعلین کے بند ٹوٹ گئے اور آپؑ کے پاؤں مبارک خار وخاشاک پر جا پڑے اور وہ زخمی ہوگئے اور ان سے خون جاری ہوگیا۔

اُس وقت آپؑ نے عرض کیا: اے پروردگار! کیا مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے کہ میں اس بلا سے دوچار ہوا ہوں؟ خداوند تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی:

اے موسیٰؑ! یہ وہ جگہ ہے، جہاں حسینؑ نے شہید ہونا ہے اور یہاں ان کا خون بہے گا۔ اس کے خون کے جاری ہونے کی وجہ سے تمھارا خون یہاں جاری ہوا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: اے پالنے والے! حسینؑ کون ہیں؟

خداوند عالم نے جنابِ موسیٰؑ کی طرف وحی کی: حسینؑ سبطِ محمد مصطفیٰؐ ہیں اور فرزند ارجمند حضرت علیؑ مرتضیٰ ہیں۔

آپؑ نے عرض کیا: ان کا قاتل کون ہوگا؟

آپؑ پر وحی ہوئی: اس کا قاتل وہ ہوگا کہ جس پر دریاؤں کی مچھلیاں اور صحراؤں کے جانور اور فضاؤں میں پرندے اس پر لعنت کریں گے۔ پس اس وقت جنابِ موسیٰؑ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور یزید (لعین) پر لعنت کی۔ حضرت یوشعؑ نے آمین کہا۔ پھر وہ دونوں بزرگوار وہاں سے گزر گئے۔

حضرت سلیمانؑ اور زمینِ کربلا

منقول ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپؑ اپنے تخت پر بیٹھتے اور ہوا میں سیر و سیاحت کرتے۔ ایک دن آپؑ کا گزر کربلا سے ہوا۔ جونہی تخت فضائے کربلا میں آیا تو ہوا نے تین مرتبہ اس قدر تخت کو حرکت دی کہ جنابِ سلیمانؑ نے سمجھا کہ ابھی وہ زمین پر گرنے والے ہیں۔ پھر آخر تختِ زمین کربلا پر آگیا تو آپؑ نے ہوا پر عتاب کیا کہ تجھے کیا ہوگیا تھا کہ تو یہاں کیوں ٹھہر گئی تھی اور یہاں تو اس قدر کیوں مضطرب ہوگئی تھی؟ ہوا نے عرض کیا: یہ وہ سرزمین ہے، جس پر حسینؑ نے قتل ہونا ہے۔

جنابِ سلیمانؑ نے پوچھا: حسینؑ کون ہیں، جنھوں نے یہاں قتل ہونا ہے؟

ہوا نے عرض کیا: وہ سبطِ محمدؐ مختار اور فرزند ارجمند علی حیدر کرارؑ ہوں گے۔

آپؑ نے دریافت کیا کہ ان کا قاتل کون ہوگا؟

ہوا نے عرض کیا: ان کا قاتل وہ ہے، جس پر تمام اہلِ آسمان اور تمام اہلِ زمین لعنت کریں گے۔ وہ یزید پلید ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور یزید (لعین) پر لعنت ونفرین کی۔ آپؑ کی لعنت پر تمام انس و جن نے آمین کہا۔ پھر ہوا نے تخت کو اُٹھایا اور اپنے سفر پر نکل پڑی۔

جنابِ عیسٰیؑ اپنے حواریوں کے ساتھ

مروی ہے: حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معمول تھا کہ وہ اپنے حواریوں کے ساتھ بیابانوں کی طرف نکل پڑتے اور سفرِ سیاحت کرتے۔ ایک دن ان کا گزر سرزمینِ کربلا سے ہوا۔ وہ راستہ چل رہے تھے کہ انھوں نے اپنے راستے پر ایک خوفناک شیر کو دیکھا، جو عین راستے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جنابِ عیسٰی علیہ السلام اس شیر کے پاس گئے اور اُس سے عتاب آمیز لہجے میں بات کی کہ تو سرِ راہ کیوں بیٹھا ہے اور تو ہمیں راستہ کیوں نہیں دے رہا کہ ہم یہاں سے گزریں؟ اس شیر نے فصیح زبان میں عرض کیا: وہ ہرگز آپؑ کو یہاں سے نہیں گزرنے دے گا، جب تک کہ وہ یزید قاتلِ امام حسین علیہ السلام پر لعنت نہ کریں۔

حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا: حسینؑ کون ہیں؟

شیر نے عرض کیا: وہ سبطِ پیغمبر مصطفیؐ اور فرزند ارجمند علی مرتضیٰؑ ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا: ان کا قاتل کون ہوگا؟

شیر نے عرض کیا: ان کا قاتل وہ ہوگا، جس پر روزانہ درندے، وحشی جانور اور بھیڑیے لعنت کرتے ہیں اور ایامِ عاشورا میں بہت زیادہ لعنت کرتے ہیں۔ پس جنابِ عیسیٰؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور یزید پر لعنت کی۔ آپؑ کے تمام حواریوں نے آمین کہا۔ شیر راستے سے ایک طرف ہوگیا اور وہ بھی وہاں سے گزر گئے۔

حضرت آدمؑ کو تلقین اسمائے خاص

صاحبِ کتاب دُرِّ ثمین نے اپنی تفسیر میں اس آیت فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (سورۂ بقرہ، آیہ ۳۷) کی تفسیر میں لکھا ہے: ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے ساقِ عرش پر نگاہ کی تو وہاں آپؑ نے پیغمبرِ خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے اسما لکھے ہوئے دیکھے۔ پس جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور اس دعا کی آپؑ کو تعلیم دی۔

جنابِ آدم علیہ السلام سے کہا: اے آدمؑ! کہو:

يَاحَمِيْدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ يَاعَالِيْ بِحَقِّ عَلِيٍّ وَيَافَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَةَ وَيَامُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، وَمِنْكَ الْإِحْسَانُ

جس وقت جنابِ آدم علیہ السلام نے اس دعا کو اپنی زبان پر جاری کیا اور آپؑ نے امام حسین علیہ السلام کا نام لیا تو آپؑ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور آپؑ کے رخساروں پر بہنے لگے اور آپؑ کا قلب تنگ ہوکر رہ گیا اور اس میں غم بھر گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جنابِ جبرئیلؑ سے پوچھا: اے برادر! اس پانچویں نام نے میرے دل کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ میں سخت غم زدہ ہو چکا ہوں۔ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو اُچھل پڑے ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: یہ حسینؑ آپؑ کے ہی فرزند ہیں جو ان مصائب و آلام

میں گرفتار ہوں گے جس کے سامنے کائنات کی تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔

حضرت آدمؑ نے پوچھا: اے برادر! یہ مصیبت اس پر کب آئے گی۔

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: اُسے تشنہ لب یکہ وتنہا غربت و بے کسی میں بے دردی کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔ اس کی نُصرت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اے آدمؑ! کاش تم اس کی اس حالت کو دیکھتے وہ تنِ تنہا ہوگا۔ ہر طرف لشکر اعدا ہوگا، وہ ان میں گھِر چکا ہوگا، وہ سخت پیاسا ہوگا۔ وہ اس وقت واعطشاہ واللہ ناصرہ کی صدائیں لگا رہا ہوگا۔ یہاں تک کہ پیاس اس کے اور آسمان کے درمیان مثل دھوئیں کے حائل ہوجائے گی، یعنی اس مظلوم کی پیاس اس قدر ہوجائے گی کہ وہ اس کے اور آسمان کے درمیان حائل ہوجائے گی۔ ان پر پیاس وتشنگی کا غلبہ ہوگا۔ اس دھوئیں سے یہ مراد ہے کہ آپؑ پر پیاس اس قدر مسلط ہوگی کہ تشنگی کی شدت کی وجہ سے آسمان اس مظلوم کی نظر میں تیرہ وتار ہوچکا ہوگا۔ وہ اس صورت میں پانی طلب کریں گے اور نُصرت طلبی کریں گے، نُصرت کی بجائے لوگ آپؑ پر تلوار سے حملہ آور ہوں گے، پانی کے بجائے آپ کو زخم لگائیں گے، گوسفند کی طرح آپؑ کو پسِ گردن ذبح کریں گے اور اس کا تمام مال واسباب لُوٹ لیں گے اور اس کے مبارک سر کو اس کے اصحاب کے سروں کے ساتھ شہر بہ شہر پھرائیں گے۔ اس کی مخدرات عصمت وطہارت بے پلان اُونٹوں پر سوار ہوں گی اور اس کے سر کے ہمراہ ہوں گی۔

جب جنابِ آدم علیہ السلام نے جبرئیلؑ سے امامؑ کے یہ مصائب سنے تو اس قدر روئے جس طرح کوئی ماں اپنے جوان مُردہ بیٹے پر روتی ہے۔

آج روزِ عید ہے

بعض ثقہ مؤلفین سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حُسینؑ اپنے ناناؑ بزرگوار کے ساتھ حجرے میں حاضر ہوئے اور اپنے ناناؑ کے حضور عرض کیا:

اے جد بزرگوار! آج روزِ عید ہے، فرزندانِ عرب فاخرہ لباس میں ملبوس ہیں اور اُنھوں نے اپنے آپ کو دل کش رنگارنگ لباس سے زینت دے رکھی ہے۔ ان کے لباس

نئے اور اُجلے ہیں۔ ہمارے پاس نیا لباس نہیں ہے۔ ہم آپؐ کے حضور اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہمیں قیمتی اور خوبصورت ترین لباس کرامت فرمائیں اور ہمیں لوگوں کے بیٹوں کی مانند مزین فرمائیں۔

جب کائنات کے سلطان نے اپنے ملکوتی شہزادوں کی ملکوتی گفتگو سنی اور ان کے جمال و جلال آرا ملکوتی ابدان پر نظر شفقت فرمائی اور اِدھر اپنے خانۂ اقدس میں نگاہ گھمائی۔ آپؐ کو ان کی عزت و شان کے مطابق کوئی لباس نظر نہ آیا تو آپؐ نے رو دیا، آپؐ پر گریہ کا غلبہ ہو رہا تھا، آپ نہیں چاہتے تھے کہ ان مبارک و پاکیزہ قلوب کو مایوس کریں اور حقیقت امر بیان کر کے انھیں پریشان کریں۔ پس آپؐ نے بارگاہِ عزت و کرامت الٰہی میں اپنے پُر برکت و کرامت ہاتھوں کو بلند کیا اور بارگاہِ صمدیت میں عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! ان نور دیدگان کے قلوب کو شکستہ نہ فرما، ان پر اور ان کی مادر گرامی پر رحم فرما۔ اسی وقت ان کے قلوب کو شاداں و فرحاں فرما"۔

اِدھر پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ختم ہوئی اُدھر جناب جبرئیلؑ خداوند عالمیان کی جانب سے نازل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں بہشت برین کے دو سفید رنگ کے لباس تھے، جو وہ رسولِ مبینؐ کے نور دیدگان کے لیے لائے تھے۔ جس وقت پیغمبر گرامیؐ کی نگاہ ان لباسوں پر پڑی تو آپؐ کا دل مبارک باغ باغ ہو کر رہ گیا۔ اور آپؐ کی پریشانی مسرت میں بدل گئی اور آپؐ نے اپنے گلستان کے ان دو پھولوں سے فرمایا: اے سید جوانانِ اہلِ بہشت! ان لباسوں کو لیجیے کہ انھیں خیاطِ قدرت و قضا نے اپنے دستِ قدرت کے ساتھ تمھارے قد و قامت کے برابر سیا ہے۔

جب ان دونوں شہزادوں نے سفید رنگ کے لباسوں کو دیکھا تو اپنے نانا کے حضور عرض کیا: اے جد بزرگوار! یہ کیسا لباس ہے حالانکہ عربوں کے بیٹے رنگین اور خوب صورت لباس میں ملبوس ہیں۔

جب رسولؐ کونین نے کونین کے شہزادوں کی بات سنی تو آپؐ نے اپنے سر مبارک کو

تھوڑی دیر کے لیے جھکا دیا اور اس امر میں متفکر ہوئے کہ ان نازنین شہزادوں کو کس طرح مطمئن کیا جائے اور انھیں جاموں پر اُنھیں راضی کیا جائے۔ جونہی جبرئیل امینؑ نے آپؐ کی قلبی حالت کو محسوس کیا تو عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ غمگین نہ ہوں، اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور روشن رکھیں۔ صباغ قدرتِ خداوند قادر و قدیر اس امر کو آپؐ کے ان نازنینوں کے لیے آسان فرما دے گا اور ان کے دلوں کو شاد و خرم کر دے گا۔ جو رنگ انھیں پسند ہے اُسی رنگ میں ان کے لباس رنگین ہو جائیں گے۔

اے محمدؐ! طشت کا حکم دیجیے کہ یہاں لائے جائیں۔ آپؐ کے حکم پر ایک طشت اور لوٹا لایا گیا۔ جنابِ جبرئیل امینؑ نے رسولؐ امین کی خدمت میں عرض کیا: میں ان خلعت ہائے زیبا پر پانی ڈالوں گا، آپؐ انھیں اس طشت میں دھونا شروع کر دینا۔ شہزادے جو رنگ چاہتے ہیں یہ کپڑے اُسی رنگ میں رنگین ہو جائیں گے۔ رسولؐ اللہ نے پہلے جنابِ امام حسنؑ کے لباس کو طشت میں ڈالا اور پھر جنابِ امام حسن علیہ السلام سے پوچھا: اے نور دیدۂ من! آپؐ کو کس رنگ کا جامہ چاہیے؟

آپؑ نے اپنے نانا کے حضور عرض کیا: میرا جامہ سبز رنگ کا ہونا چاہیے۔ پس آپؐ نے اُس جامہ کو طشت میں ڈالا اور اُوپر جبرئیل امینؑ نے پانی ڈالا اور رسولؐ امین نے دھونا شروع کیا۔ اُسی وقت اس جامہ کی سفیدی قادر و قدیر کی قدرتِ کاملہ سے سبزی میں بدل گئی۔ اُس جامے میں اس قدر سبزی آئی کہ وہ سبز رنگ کی روشنی دینے لگا۔ پس رسولؐ اللہ نے اس جامے کو طشت سے نکالا اور اپنے نور دیدہ شہزادۂ حسنؑ کے حوالے کیا۔ شہزادے نے نہایت خوشی و سُرور و شادمانی کے ساتھ اپنے خوب صورت اور حسین و جمیل لباس کو زیب تن فرمایا۔ قدرت کے خیاط نے کچھ اس قدر اس لباس کو سیا تھا کہ جسمِ اقدس پر فٹ آیا۔ کہیں سے نہ بڑا ہوا اور نہ کوتاہ۔

بعدازیں حضرت رسولؐ رب العالمین نے اپنے شہزادہ گلگوں قبا کی خلعت زیبا کو اپنے یدِ رسالت میں لیا اور پوچھا: بتایئے میرے شہزادے تمھارے جامے کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ اس برگزیدہ خالق یزدان و نور دیدہ خاتمِ پیغمبراں و میوہ دل سیدہ زنان عالمیان نے

عرض کیا: اے جدِّ بزرگوار عالی مقام! میرا دل چاہتا ہے کہ میرے لباس کو سرخ رنگ میں رنگ دیجیے۔

جنابِ رسولؐ خدا نے اپنے دست معجز نما کے ساتھ اپنے شہزادے کے لباس کو طشت میں ڈالا، اُدھر جنابِ جبرئیل امینؑ نے پانی ڈالنا شروع کیا۔ اِدھر سرتاج انبیاؐ نے دھونا شروع کیا تو لباسِ یاقوتی سرخ رنگ میں اپنی تجلیاں دکھانے لگا۔ آپؐ نے اُس لباس کو اپنے نور دیدہ امام حُسین علیہ السلام کو کرامت فرمایا، تو اس شہزادۂ عالم برگزیدۂ خداوند عالمیان نے اس فاخرہ خلعت کو زیب تن فرمایا۔ دونوں شہزادے جنتی لباس پہن کر اپنی مادر مہربان جنابِ زہراؑ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔

جب جبرئیل امینؑ رو پڑے

جب کونین کے دونوں شہزادے بہشت بریں کے بہشتی لباس زیب تن کر کے چلے تو رسولؐ مبین ان کی شادی وخوشی ومسرت کو دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ جب جنابِ جبرئیل امینؑ کی نگاہ رسولؐ امین پر پڑی تو وہ رو پڑے، ان پر گریہ نے غلبہ حاصل کیا۔

جنابِ رسولؐ صادق نے فرمایا: اے برادر جبرئیلؑ! جس طرح آج میرے یہ دونوں شہزادے شاداں وفرحان ہیں، اس طرح میں نے اُنھیں پہلے نہیں دیکھا اور تیرا یہ حال ہے کہ تو مسلسل رونے لگا ہے اور تو بہت زیادہ غم زدہ ہوگیا ہے۔ تجھے قسم ہے خداوند تعالیٰ کی، میں تجھ سے اور کچھ نہیں چاہتا مگر مجھے اپنی پریشانی اور گریہ کا سبب بتا۔

جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ جانتے ہیں کہ آپؐ کے ان دونوں فرزندوں نے اپنی خواہش کے مطابق اپنے لباس کا رنگ تجویز کیا کہ انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف رنگ کو پسند کیا۔ اُنھوں نے اسی طرح رنگ تجویز کیا جس طرح اُنھوں نے شہید ہونا ہے، کیونکہ ان دونوں کی شہادت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ آپؐ کی اُمت آپؐ کے شہزادے حسنؑ کو زہر سے شہید کرے گی۔ وقتِ شہادت زہر جگر سوز سے ان کے جسم کا رنگ سبز ہوجائے گا، جس طرح اُنھوں نے اپنے لباس کا رنگ سبز پسند کیا ہے۔

آپؐ کے نور دیدہ شہزادۂ حُسینؑ کو آپؐ کی اُمت گوسفند کی طرح ذبح کرے گی۔

اس وقت اس بزرگوار کا بدنِ مبارک خود ان کے خون میں رنگین اور سرخ ہوجائے گا۔

جب رسولؐ اللہ نے اس خبر وحشت ناک کو جنابِ جبرئیلؑ سے سنا تو حزن واندوہ کے لشکروں نے آپؐ پر ہجوم کر دیا اور آپؐ کی مسرت وشادمانی حزن واندوہ میں بدل گئی۔ آپؐ کے حزن میں مزید اضافہ ہوا اور آپؐ نے گریہ وزاری شروع کر دی۔ (مدینۃ المعاجز، ج ۲، ص ۲۲۵ و ۵۲۰، طریحی، ص ۱۲۱)

تعبیر خواب اُم الفضل

شیخ ابن نما نے مثیر الاحزان میں اپنے اسناد کے ساتھ جناب اُم الفضل لبابہ دختر حرث سے روایت کی ہے جو کہ عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں۔ جناب اُم الفضل کا کہنا ہے: میں نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی ولادت سے قبل ایک رات خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ مبارک کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آپڑا۔ میں نے اپنا یہ خواب رسولؐ اللہ کو سنایا۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تیرا خواب سچا ہے تو میری دختر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاں بچے کی ولادت ہوگی۔ وہ بچہ میں تمھارے حوالے کروں گا کہ تم اس بچے کی تربیت ونشوونما کرو گی۔

جناب اُم الفضل کا بیان ہے کہ وہی ہوا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: کچھ عرصہ بعد جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ رسولؐ اللہ نے اس بچے کی تربیت و پرورش کے اُمور میرے حوالے کیے۔ میں ایک دن اس شہزادے کو بارگاہِ نبوت میں لائی اور بچے کو ان کی گود میں رکھ دیا۔ اچانک بچے نے پیشاب کرنا شروع کر دیا اور پیشاب کا قطرہ آنحضرتؐ کے دامن پر پڑا۔ میں جلدی سے اُٹھی کہ شہزادے کو اُٹھا لوں اور انھیں دوسری طرف کر لوں۔ میں نے جب جلدی سے اُٹھایا اور ایک طرف کیا تو بچے کو تکلیف ہوئی اور رونا شروع کر دیا۔ جب رسولؐ اللہ نے دیکھا کہ ان کا شہزادہ رنجیدہ ہوکر رو رہا ہے تو آپؐ مجھ پر برہم ہوئے اور فرمایا: تم نے میرے فرزند کو کیوں اذیت دی ہے، اُسے پیشاب

کیوں نہیں کرنے دیا۔ ان کے پیشاب کرنے سے تجھے کیا ہوا ہے، آخر یہ جامہ دھویا جاسکتا ہے۔

جنابِ اُم الفضلؓ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتی ہیں: میں گئی اور فوراً پانی لے آئی کہ اس سے پیغمبر اکرمؐ اپنے لباس کو دھولیں۔ جونہی میں آئی تو دیکھا پیغمبر اکرمؐ رو رہے تھے۔ ان کے آنسو ان کے رُخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ میں نے آپؐ کے حضور عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ابھی جبرئیل امینؑ نازل ہوئے ہیں اور مجھے بتایا کہ میری اُمت میرے اس شہزادے کو میری وفات کے بعد قتل کردے گی۔ (مثیر الاحزان، ص ۱۶، اللہوف، ص ۱۴)

ملائکہ آسمانی بارگاہِ نبوتؐ میں

اصحابِ روایت نے روایت کی ہے کہ جب شہزادۂ حسینؑ ایک سال کے ہوئے تو آسمان سے بارہ ملائکہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر ایک مختلف صورت میں تھا۔ ان میں سے ایک انسانی صورت میں تھا۔ ان سب نے آپؐ کو پُرسا دیا کہ آپؐ کے شہزادے حسینؑ پر اس طرح کے مظالم ہوں گے جس طرح قابیل نے ہابیل پر ظلم کیا اور خداوند تعالیٰ آپؐ کے فرزند کو وہ اجر وثواب عنایت فرمائے گا جو اُس نے ہابیل کو عطا فرمایا تھا اور ان کے قاتل کا گناہ مثلِ قاتلِ ہابیل ہوگا۔ آسمان سے کوئی ایک فرشتہ نہ رہا کہ مگر یہ کہ وہ بارگاہِ رسالت میں تعزیت کے لیے آپؐ کے پاس نہ آیا ہو۔

اس دوران رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگتے رہے کہ اے پروردگار! اس شخص کو ذلیل وخوار فرما، جو میرے شہزادے حسینؑ کی نُصرت نہ کرے اور اُسے دشمنوں کے درمیان اکیلا چھوڑ دے اور قاتل اُسے قتل کرتا رہے اور ایسے آدمی کی آرزو پوری نہ فرما اور وہ لوگ جو میرے بیٹے کے قتل پر انعام حاصل کریں تو وہ ان کے نصیب نہ کرنا اور اس میں کسی قسم کی لذت نہ رکھنا۔ (مثیر الاحزان، ص ۱۶، اللہوف، ص ۱۴)

جبرئیل امینؑ تربتِ حسینؑ بارگاہِ نبویؐ میں لاتے ہیں

عبدالصمد نے اپنے استاد کے ساتھ جنابِ عائشہ سے روایت کی ہے: شہزادۂ حسینؑ

ان دنوں بہت چھوٹے تھے کہ اپنے ناناؐ کے حضور آئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عائشہ! میں تمھیں ایک عجیب بات بتاؤں۔ ابھی میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے، جو اس سے قبل میرے پاس کبھی نہیں آیا اور اُس نے مجھے خبر دی ہے کہ آپؐ کے اس فرزند کو آپؐ کی اُمت قتل کرے گی۔ اگر آپؐ چاہیں تو اس کے مقتل کی خاک آپؐ کے حوالے کروں؟ پس آپؐ نے سرخ رنگ کی مٹی دکھائی۔ جناب اُم سلمہؓ نے وہ مٹی اپنے پاس ایک شیشی میں رکھ دی۔ جس دن امام حُسینؑ کی شہادت ہوئی۔ اُس دن جب اُم سلمہؓ نے اس خاک کو دیکھا تو وہ خون ہو چکی تھی اور یہی روایت جناب زینت بنت جحشؓ سے بھی منقول ہے۔ (سابقہ مصدر، مثیر الاحزان، ص ۱۸، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۵۸)

امام علیؑ اور کربلا

عبداللہ بن یحییٰ سے روایت ہے: میں حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں تھا اور آپؑ جنگِ صفین کے لیے سفر کر رہے تھے۔ جس وقت ہم سرزمینِ نینوا پہنچے تو جناب امیر علیہ السلام نے بآواز بلند فرمایا: صَبراً یا اَبا عَبدِ اللہ۔ اے ابوعبداللہ صبر کرنا کہ آپؑ پر مصائب کی آندھیاں چلنے والی ہیں، ان پر صبر کرنا۔

پھر آپؑ نے ہم سے فرمایا: میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قدس میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ آپؐ رو رہے ہیں۔ آپؐ کی آنکھوں کو ساون کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ پس میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان جائیں آپؐ زارو قطار کیوں روتے جا رہے ہیں۔ کیا آپؐ سے کسی نے کوئی زیادتی کی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: نہیں بلکہ ابھی جبرئیل امینؑ نازل ہوئے ہیں اور مجھے بتایا ہے کہ فرات کے نزدیک جو زمین ہے، جس کا نام کربلا ہے اُسی سرزمین پر میرے فرزند حسینؑ قتل کر دیے جائیں گے۔ اس وقت آپؐ نے مجھ سے فرمایا: اگر آپؐ چاہیں تو اس زمین کی خاک آپؐ کو دوں اور آپ اُسے سونگھیں؟

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، عنایت فرمایئے۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک کو بلند کیا

اور کربلا کی مٹی کی ایک مشت اُٹھائی اور میرے حوالے کی۔ اس وقت مجھے بھی بے اختیار رونا آگیا اور خوب رویا۔ اس زمین کا نام کربلا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی مصائبِ حسینؑ پر نظر تھی

مروی ہے: جب حضرت امام حُسین علیہ السلام کی عمر مبارک دو سال ہوئی تو اس دوران رسولِ صادق و امین سفر پر تھے۔ دورانِ سفر آپؐ ایک جگہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

"ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے"۔

اُس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو اس طرح برسے جس طرح ساون کی بارش برستی ہے، آپؐ کی اس حالت سے اصحاب مضطرب ہو کر رہ گئے اور اُنھوں نے آپؐ سے اس رونے کا سبب پوچھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی جبرئیل امینؑ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ وہ زمین جس کا نام کربلا ہے، جس میں میرے فرزند ارجمند حسینؑ شہید کر دیے جائیں گے۔ ان کے قتل ہونے کی حالت میرے سامنے ہے کہ وہ قتل ہو رہے ہیں، اُنھیں بے دردی سے قتل کیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ اپنی سواری سے گریں گے، وہ بھی میرے سامنے ہے۔ جہاں انھوں نے دفن ہونا ہے، وہ جگہ بھی میرے سامنے ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے گھر کی خواتین اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اور ان کی اہلِ بیتؑ کے افراد قیدی بنائے جا رہے ہیں، اور اُنھیں بے پالان و بے کجاوہ اُونٹوں پر سوار کیا جا رہا ہے، اور اُنھیں شہر بہ شہر پھرایا جا رہا ہے۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر اُنھیں لے جایا جا رہا ہے اور میرے فرزند حسینؑ کے سر کو یزید (لعین) کے پاس بطور ہدیہ لے جایا جا رہا ہے۔ جو بھی میرے فرزند حسینؑ کے سر مبارک کو دیکھ کر خوشی و مسرت کا احساس کرے گا، وہ منافق محسوب ہوگا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں منافقین کی مذمت میں آیات نازل کی ہیں اور جس نے میرے شہزادے کے سر کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اُسے ابدی دردناک عذاب دیا جائے گا۔

پس رسولؐ عالمیان اپنے اس سفر سے بادلِ حزیں پُر از غصہ واندوہ و خاطر پریشان و آزردہ و حالت پژمردہ و افسردہ واپس لوٹے۔ پس آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دونوں شہزادوں امام حسنؑ اور امام حُسینؑ کو منبر پر بٹھایا اور کمالِ فصاحت و بلاغت کا خطبہ دیا اور لوگوں کو بلاغت آمیز موعظہ کیا اور اُنھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ جب آپؐ خطبہ وموعظہ سے فارغ ہوئے تو اپنا دایاں معجز نما ہاتھ حضرت امام حسنؑ پر رکھا اور دوسرا بایاں ہاتھ مبارک حضرت امام حُسینؑ پر رکھا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

''خداوندا! محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا رسولؐ ہے، یہ دونوں میرے فرزند میری آنکھوں کے نور ہیں۔ میری پاکیزہ ترین عترت ہیں اور ان کی اصل وحقیقت مجھ سے ہے۔ لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور یہ میری افضل ترین ذُریت ہیں، میں انھیں اپنی اُمت میں اپنی یادگار اور اپنی امانت چھوڑ کر جا رہا ہوں اور اپنی اُمت میں انھیں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں''۔

بعدازیں آپؐ نے اہلِ مسجد سے فرمایا: ''مجھے جبرئیل امینؑ نے خبر دی ہے کہ یہ میرے فرزند عزیز، (آپؐ نے امام حسنؑ کی طرف اشارہ فرمایا) کو زہرِ جفا سے شہید کر دیا جائے گا، اور یہ فرزند گرامی مظلومِ کربلا وغریب بیابانِ نینوا بہ شمشیر جفا عرصہ گاہ کربلا میں شہید کر دیا جائے گا اور یہ اپنے خون مبارک میں غلطاں ہو جائیں گے۔ خداوندا! اس کے قتل کو مبارک قرار دے اور کائنات کی تمام اچھائیاں انھیں عطا فرما اور انھیں شہیدوں کا سردار بنا اور اس کے قاتل کو ذلیل وخوار فرما اور اُسے ہر قسم کی خوبی و برکت سے دُور رکھ اور اس کے قاتل کو جہنم کی تیز وتند آگ میں جلا اور اُسے جہنم پائین ترین درجات میں کافروں کے ساتھ محشور فرما!''

جب اہلِ مسجد نے رسولؐ خدا کی یہ دردناک گفتگو سنی تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور ان کے نالہ وگریہ وزاری و بے قراری بلند ہوئی۔ آپؐ نے اُنھیں فرمایا: اے لوگو! اب تو تم رو رہے ہو، جب میں اس دن نہیں ہوں گا، جس دن اشقیائے اُمت میرے گلستان کے ان دو پھولوں پر ظلم کر رہے ہوں گے، تم میرے ان نوردیدہ گان کی مدد نہیں کرو گے۔ خداوندا! اس دن جو آدمی ان کی نُصرت کرے تو اس کا ولی و ناصر بن جا۔

آپؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! میں تمھارے درمیان دو عظیم الشان یادگار امانتیں

چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہلِ بیتؑ جو میرا اصل و نسب ہیں اور یہ میرے آب کی شیرینی و خاصیت ہیں۔ انھی کے دم سے میرے جگر کی گرمی بجھتی ہے اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور یہ میرے دل کا میوہ ہیں اور میری جان و روح ہیں۔ یہ دونوں چیزیں جو میں تم میں چھوڑے جا رہا ہوں، ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی، حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس اکٹھے پہنچیں گی"۔

مترجم: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، سے مراد یہ ہے کہ حفظ و حمایت و احترامِ قرآن، حفظ و حمایت و احترام اہلِ بیتؑ ہے اور حفظ و حمایت و احترام اہلِ بیت رسولؐ اللہ حفظ و حمایت و احترامِ قرآن ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اہلِ بیتؑ سے دُوری قرآن سے دُوری ہے اور قرآن سے دُوری اہلِ بیتؑ سے دُوری ہے۔

اُمت نے اجرِ رسالتؐ کس صورت میں دیا؟

پس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "امرِ رسالت اور زحمات اہلِ بیتؑ کے معاملے میں مَیں تم سے وہی چاہتا ہوں جو اللہ چاہتا ہے اور اُس کی ادائی تم پر واجب ہے۔ قرآن کے فرمان کے مطابق میں تم سے اپنے قریبیوں سے مودت و محبت چاہتا ہوں۔ یاد رکھیے! کل قیامت کے دن تم مجھے ملو گے، حالانکہ تم نے میری عترت کو تکلیف و آزار دے رکھی ہوگی اور میری اہلِ بیتؑ کو قتل کیا ہوگا اور ان پر ظلم و ستم کیا ہوگا۔

اے لوگو! آگاہ رہو، بہت جلد قیامت کا دن آنے والا ہے اور قیامت کے دن میری اُمت کے تین گروہ تینوں پرچموں کے ساتھ مجھ پر وارد ہوں گے، اور مجھ سے ملاقات کریں گے۔ ان میں سے ایک پرچم بہت زیادہ سیاہ رنگ کا ہوگا جس کی سیاہی و تیرگی سے ملائکہ آسمانی مضطرب و پریشان ہو جائیں گے۔ جس وقت وہ سیاہ پرچم میرے قریب آئے گا تو میں ان سے پوچھوں گا، تم کون لوگ ہو؟ پس وہ قیامت کی

ہولناکیوں اور اضطراریوں اور پریشان حالی کی وجہ سے مجھے بھول چکے ہوں گے۔ انھیں میرا نام تک یاد نہ ہوگا۔ وہ کہیں گے کہ ہم عرب ہیں اور اللہ کو واحد ماننے والے ہیں اور ایک خدا کے پرستار ہیں۔ اُس وقت میں ان سے کہوں گا: میں احمدؐ پیغمبر عرب و عجم ہوں۔ وہ کہیں گے: ہم آپؐ کی اُمت میں سے ہیں۔

اُس وقت میں اُن سے کہوں گا: تم نے میرے جانے کے بعد میری اہلِ بیتؑ اور کتاب اللہ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ میں یہ دونوں تمھارے حوالے کرکے آیا تھا۔ وہ اس وقت جواب دیں گے: ہم نے کتاب اللہ کو ضائع کردیا تھا اور اس کا ہم نے کوئی احترام نہ کیا تھا؟ اور اس کے احکام ومواعظ ونصائح پر کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ رہی بات آپؐ کے اہلِ بیتؑ کی ہم نے ان پر حرص کیا تھا۔ ہم نے ان کے حقوق غصب کیے تھے اور انھیں قتل کردیا تھا اور ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا تھا۔

جب میں ان لوگوں کی ان باتوں کو سنوں گا، اور ان سے اپنا چہرہ پھیر لوں گا اور ان سے اعراض کروں گا۔ پس وہ تشنہ لب اُسی اپنے سیاہ پرچم کے ساتھ آتشِ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔

پھر ایک اور سیاہ ترین پرچم والے میرے پاس آئیں گے۔ یہ پرچم پہلے پرچم سے بہت زیادہ سیاہ ہوگا۔ پس میں ان سے پوچھوں گا: میں نے تمھیں دو چیزوں کی سفارش کی تھی، تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ ان میں سے ایک کتاب اللہ تھی اور دوسری میری عترت تھی۔

وہ جواب دیں گے کہ ان میں سے جو بزرگ تر تھی کتاب اللہ، ہم نے اس کے احکام کی مخالفت کی تھی اور اس پر کوئی عمل نہ کیا تھا جو ثقلِ اصغر تھی، یعنی آپؐ کے اہلِ بیتؑ ہم نے انھیں پراگندہ کردیا تھا۔ شہروں اور آبادیوں سے دُور کردیا تھا، اور ان کے قتل کی بھرپور کوشش کی تھی اور

اُنھیں پارہ پارہ کر دیا تھا۔ جب میں ان کی یہ باتیں سنوں گا تو میں ان سے کہوں گا کہ مجھ سے دُور چلے جاؤ۔ پس تشنہ لب حوضِ کوثر سے واپس چلے جائیں گے۔

پس ایک اور علم حوضِ کوثر پر میرے پاس آئے گا، جو نورانی علم ہوگا، جس سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں گی۔ میں اُن سے پوچھوں گا: تم کون لوگ ہو؟ وہ کہیں گے: ہم کلمۂ توحید والے ہیں۔ ہمارا کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ تھا، ہم اہلِ تقویٰ ہیں، پرہیزگاری ہمارا شعار تھا، ہم اُمت محمدیہ کا وہ طبقہ ہیں جو حق پر تھا۔ ہم کتاب اللّٰہ کے حامل تھے۔ اللّٰہ نے جو حلال کیا تھا، ہم نے اُسے حلال سمجھا تھا جو کچھ اللّٰہ نے حرام کیا تھا، ہم نے اُسے حرام سمجھا، ہم نے اپنے نبیؐ کی ذُریت سے پیار کیا تھا۔ ہم نے ان کی جسمانی و جانی مدد کی تھی۔ جن لوگوں نے ان سے مقاتلہ و جنگ کیا تھا، ہم نے انھی سے مقاتلہ و جنگ کیا تھا اور اُنھیں اپنا دشمن جانا تھا۔ پس میں اس سعادت مند گروہ سے کہوں گا: تمھیں جنت کی بشارت ہو کہ میں تمھارا پیغمبر (محمدؐ) ہوں۔ بخدا جب اس دنیا میں تمھارا یہ عمل تھا، جس کا تم نے تذکرہ کیا ہے۔ پس میں اُنھیں حوضِ کوثر کے آبِ سرد و شیریں سے سیراب کروں گا۔ پس وہ حوضِ کوثر سے سیرابی کے بعد شاداں و فرحاں واپس جائیں گے اور بہشت عنبر سرشت میں داخل ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ لذات اُٹھائیں گے۔ (مثیر الاحزان، ص ۱۱۸، اللھوف، ص ۱۶)

دو سیاہ پرچموں میں فرق

(مترجم: اس روایت میں چند مفید باتیں پائی جاتی ہیں کہ جن کا بیان لازم ہے: پہلا فائدہ روایت مذکورہ کے ان دو فقروں میں ہے:

آپؐ کا پہلا فرمان کہ رسولؐ اللّٰہ نے فرمایا: تین گروہ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے: پہلے دو پرچم جب ایک ہی رنگ کے ہوں گے، پرچموں کو اُٹھانے والے جب

ایک ہی عقیدہ وعمل کے مالک ہوں گے اور وہ ضلالت وشقاوت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے تو وہ دونوں پرچم ایک جیسے ہی لوگوں کے ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو پرچموں سے مراد دو قسم کے لوگ ہیں ان میں سے پہلا گروہ وہ ہے، جنھوں نے اہلِ بیتؑ رسولؐ کے حقوق غصب کیے اور ان کے قتل پر کوشاں ہوئے لیکن وہ ان بزرگواروں کو قتل نہ کر سکے۔ قیامت کے دن وہ کہیں گے کہ ہم آپؐ کی عترت پر حریص ہوئے تھے اور اُنھیں ان کے حقوق سے دُور رکھا تھا۔

دوسرے فرقہ سے مراد ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اہلِ بیتؑ کے قتل کی کوشش کی اور انھیں قتل کیا جیسے یزید (لعین) اور ابن زیاد (لعین) اور خلفائے بنوعباس اور ان کے پیروکار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور فرمان کہ کتابِ خدا ثقلِ اکبر ہے اور عترتِ طاہرہ ثقلِ اصغر ہے۔ اس حدیث میں علمائے اعلام نے اشکال کیا ہے، کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام کا فرمان ہے جو آپؑ نے میدانِ صفین میں اپنے لشکر سے فرمایا تھا کہ معاویہ کی فوج نے قرآن اُٹھایا ہے، اس بات کی پرواہ نہ کیجیے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجیے کیونکہ مَیں ہی قرآنِ ناطق ہوں۔

روایت میں لفظ ثقل ہے یا تو اِسے ''ثا'' کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں اور ''قاف'' کو ساکن پڑھیں تو اس کے معنی ہے بھاری پن وسنگین یا پھر اسے ''ثا'' پر زبر مانیں اور ''قاف'' پر بھی فتح پڑھیں تو اس کا معنیٰ ہے توشہ، متاع یا ہر وہ چیز جو بھاری ہو اور پُر قیمت ہو۔ اگر ثقل کا معنیٰ گرانی ہو تو اس صورت میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس لفظ سے کوئی فضیلت سامنے نہیں آتی، بلکہ مقامِ گرانی تکلیف ومشقت کا نام ہے اور یہ بات واضح ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید کے احکام ومواعظ اہلِ بیتؑ کی محبت سے گراں تر اور سنگین تر ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید مواعظ شافیہ اور نصائح کاملہ وتکالیف واجبہ ومحرمہ پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم اخلاقِ حسنہ وصفاتِ حمیدہ وجمیلہ کا حکم جاری کرتا ہے اور صفاتِ رذیلہ واخلاق ذمیمہ وافعالِ قبیحہ سے دُور رہنے کا حکم دیتا ہے اور آخرت کی رغبت دلاتا ہے۔ یہ تمام اُمور مجاہداتِ نفسانی کی احتیاج رکھتے ہیں کیونکہ اکثر لوگوں کا ان اُمور کو اپنانا مشکل ہے کیونکہ لوگوں کی کثرت

نفسِ امارہ کی اسیر رہتی ہے۔

البتہ اہلِ بیتؑ کی محبت کا عقیدہ آسان ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان اُسے اپنے نفس کی خباثت کی وجہ سے نہ اپنا سکے۔ انسان مکلف ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو فرائض و نوافل میں یا اِن کے علاوہ اپنے دوسرے اوقات میں پڑھے، اور اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کرے، کیونکہ قرآنِ مجید اسی گھر میں نازل ہوا ہے۔ پس اہلِ بیتؑ کی ولایت و امامت کا عقیدہ اور ان کی نصرت و یاوری شرعی تکالیف میں سے ایک تکلیف ہے، جو قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ اگر ثقل "ثا" اور "قاف" کے فتح کے ساتھ ہے تو اس کے بھی چند معانی ہیں:

پہلا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کی نسبت اللہ کی طرف دی ہے، اور عترت کی نسبت اپنی طرف دی ہے۔ اس لیے فرمایا:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ

آپؐ نے کتاب اللہ کو ثقلِ اکبر سے تعبیر کیا اور عترت کو ثقلِ اصغر سے۔ ایسا آپؐ نے تعظیم کے لیے فرمایا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں لوگوں نے محنت کی ہو اور کتاب اللہ کو ثقلِ اکبر بنایا ہو اور اہلِ بیتؑ کو ثقلِ اصغر بنا دیا ہو، کیونکہ اس دور میں، اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مقام و مرتبہ اہلِ بیتؑ کو دیا تھا کہ اُسے بحال رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی پابندی کریں۔

اس کا دوسرا معنٰی شاید یہ بھی ممکن ہے کیونکہ نبوت کا معجزہ اور برہانِ رسالت قرآنِ مجید کے ذریعے ہی ثابت ہے۔ اس اعتبار سے آپؐ نے فرمایا ہو کہ قرآنِ مجید ثقلِ اکبر ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ جس طرح قرآن معجزہ ہے۔ اس طرح اہلِ بیتؑ کے بزرگواروں کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے معجزات صادر فرمائے، جن کے ذریعے ہزاروں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جملہ بدیہیات واضحہ اور روایات عادی ہیں۔ اگر وہ مخبرِ صادق کی طرف سے جاری ہوں تو یقین کا حصول لازمی امر ہے اور جب جبرئیل امینؑ رب العالمین کی طرف سے کوئی خبر لائیں تو اس خبر کی صداقت میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں جو روایات پیش کی گئی ہیں کہ جنھیں جبرئیل امینؑ بارگاہِ نبوت میں لائے تھے۔ یہ

مختلف احادیث شاید ایک ہی حدیث ہوں، کیونکہ ان اخبارات کا لانے والا جبرئیلؑ تھا یا کوئی دوسرا فرشتہ۔ اس کے علاوہ خبر کے زمانے، راویان اور ان کی کیفیات میں تناقض و تخالف ہے، جو خبیر بصیر پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ شاید ان اخبارات سے مقصود پیغمبر اکرمؐ کو حالات سے مطلع کرنا ہو کہ آپؐ کے پاس ملک آتا اور امام حسین علیہ السلام کے مصائب کی کیفیات بیان کرتا تا کہ یہ ذکر رسول اللہ کے گریہ واندوہ کا سبب ہو۔ جس طرح ائمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے پیروکاران حضرت امام حسینؑ کے مصائب سے مطلع تھے اور مطلع ہیں۔ پھر بھی ان کے مصائب کا ذکر کیا جاتا رہا ہے اور کیا جا رہا ہے تا کہ یادآوری قائم ہو۔ ذکر جاری رہے اور ان کے مصائب پر آنسو بہائے جائیں کیونکہ آپؐ پر رونا نیک لوگوں کا شعار ہے۔ تو اس لحاظ سے ملائکہ کا رسول اللہ کو اس امر کی اطلاع دینا مختلف حالات اور مختلف اوقات میں کوئی ضرر نہیں رکھتا۔

اوّلین روضہ خوا مصائبِ حسینؑ

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جس ذات نے مصائبِ حسینؑ کا اظہار کیا، وہ رب العالمین ہے، کہ اُس نے اپنے پیغمبروں اور پیشواؤں کو اس بزرگوار کے مصائب سے رُلایا تھا۔ اُس ذات کے بعد روضہ خوان جناب جبرئیلؑ ہیں اور انبیا مرسلین اور پیشوائے دین مبین اور اصیا مرضیین ہیں۔ لہٰذا منصب مرثیہ خوانی سید الشہدا مناصب جلیلہ و مقامات عالیہ میں سے ہے۔ پس ضروری ہے کہ مرثیہ خوانی وہ لوگ کریں جو تقویٰ کی صفات سے مزین ہوں اور صاحبِ وقار و تمکین ہوں اور رذائل و نقائص نفسانی سے پاک و پاکیزہ ہوں، تا کہ شیطان ملعون ان میں وسوسہ نہ ڈال سکے اور اُنھیں شاہراہ ورع و تقویٰ سے نہ روکے۔ ان کی نیت کو اغراض دنیویہ و شہوات نفسانیہ میں نہ بدل سکے اور انھیں سعادتِ جاودانی و فیوضات سرمدی کے حصول سے نہ روک سکے اور اتنی بڑی عظیم الشان اطاعت پروردگار کو محض دنیوی منافع کا ذریعہ نہ بن جائے۔ جو دنیا کے لیے کام کرتے ہیں، ان کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ (سورۂ شوریٰ، آیہ ۲۰)

"جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہو، اُسے دنیا سے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا"۔

اس منصب جلیلہ سے وہ لوگ متصف ہوتے ہیں، جو صحیح احادیث پر نگاہ رکھتے ہیں۔ عالم و دانا وخبیر و بصیر ہوتے ہیں اور وہ نہایت ہی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور وہ معتبر کتب مقاتل کو اپناتے ہیں جیسے مقتلِ بحار اور ارشاد شیخ بزرگوار اور اس طرح کی جو دوسری کتب مقاتل ہیں۔ ان کتب مقاتل سے اجتناب کیا جائے جو دروغ پر مشتمل ہیں تاکہ عمل بے کار نہ جائے۔ وہ لوگ جو فاسق و فاجر ہیں، انھیں سیدالشہدا کی مجالس نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ لوگ ان سے بیزار ہوتے ہیں اور یہ لوگ اس طرح نہ ہو جائیں کہ جس طرح حدیث ہے:

رُبّ تالٍ القرآن والقرآن یلعنہ (جامع الاخبار، ص ۴۸، مستدرک الوسائل، ج ۴، ص ۲۵۰)

"بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے"۔

حدیث میں آیا ہے: لا یطاع اللہ من حدیث یعصی (الکافی، ج ۲، ص ۳۳، الزہد، ص ۱۷، تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۹۴، تحفۃ العقول، ص ۲۶۲)

"جہاں خداوند تعالیٰ کی معصیت کی جائے تو اس معصیت میں اس کی فرماں برداری نہیں ہوتی"۔

اور جو شخص عاقل و صاحب فکر و مدبر ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ دنیا باقی نہیں رہتی بلکہ فانی اور بے وفا ہے۔ جب انسان صرف دنیا کے لیے کام کرتا ہے تو وہ حسرت ہی اُٹھاتا ہے اور جو شخص اس مقامِ بزرگ اور منصب جلیلہ کو دنیا مُردار کے عوض بیچتا ہے تو وہ اپنے آپ کو سعادتِ خانہ جاودانی سے محروم کرتا ہے اور شیطان کے مکر و حیلہ میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

۞۞۞

بابِ ہشتم

واقعہ عاشورہ پر رسولِ اعظمؐ اور علیؑ مولا کی احادیث و احوال

حسنین شریفینؑ اور آپؑ کے اسمائے گرامی

شیخ بزرگوار علامہ طوسیؒ نے اپنی امالی میں اپنے اسناد کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ فرزند رسولؐ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

عمیس خثعمیہ کی بیٹی نے مجھ سے روایت کی ہے: میں آپؑ کی دادی فاطمہ زہرا علیہا السلام کی دایہ تھی۔ جس وقت حضرت امام حسنؑ پیدا ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لائے۔ آپؐ نے مجھے آواز دی: اے اسماء! میرے بیٹے کو میرے پاس لے آؤ، پس میں نے شہزادے کو زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹا اور آپؐ کے حضور لے آئی۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ان کے نور دیدہ کو میں نے زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹ رکھا ہے تو آپؐ نے بچے سے کپڑا اُتارا اور دُور پھینک دیا۔

آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ کسی مولود کو زرد رنگ کے کپڑے میں نہیں لپیٹنا چاہیے؟ پس آپؐ نے سفید رنگ کا کپڑا طلب فرمایا اور آپؐ نے شہزادے کو اس میں لپیٹا، آپؐ نے ان کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

پھر آپؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا: آپؑ نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟

انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں ان کے نام رکھنے میں آپؐ پر سبقت نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی اپنے پروردگار پر سبقت نہیں کر سکتا۔

اچانک جبرئیل امینؑ رب العالمین کی طرف سے سید المرسلین کی خدمت میں نازل ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! خداوند علی اعلیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اے محمدؐ!

علیؑ تجھ سے وہی نسبت رکھتے ہیں، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی مگر یہ کہ آپؐ کے بعد نبی نہیں ہے۔ اپنے فرزند کا نام ہارونؑ کے بیٹے کے نام پر رکھیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جبرئیلؑ سے دریافت کیا: ہارونؑ کے بیٹے کا نام کیا تھا؟

جناب جبرئیلؑ نے عرض کیا: ان کا نام "شبر" تھا۔

آنحضرتؐ نے پوچھا: "شبر" کا کیا معنیٰ ہے؟

جناب جبرئیلؑ نے عرض کیا: عربی زبان میں شبر کا معنیٰ "حسن" ہے۔ پس رسولِ اکرمؐ نے اپنے شہزادے کا نام حسن تجویز فرمایا۔

اسماء فرماتی ہیں: جس وقت امام حسین علیہ السلام کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے جنم دیا، اس وقت بھی میں ان کی دایہ تھی۔ رسولؐ اللہ تشریف لائے اور فرمایا: اے اسماء! میرے فرزند کو میرے پاس لے آیئے!

میں شہزادے کو لے کر بارگاہِ رسالت میں لے آئی۔ آپؐ نے اس شہزادے کے ساتھ بھی وہی عمل کیا جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر کیا تھا۔

اسماء کہتی ہیں: میں نے رسولِ اکرمؐ کی طرف دیکھا تو وہ زار و قطار رو رہے تھے اور آپؐ کے اشکِ حسرت آپؐ کی مبارک آنکھوں سے برس رہے تھے اور رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ آپؐ نے اس نوزائیدہ شہزادے سے فرمایا:

اے نورِ دیدہ من! تمھیں بہت جلد حوادث و مصائب کا مقابلہ کرنا ہے۔ خداوندا! ان کے قاتل پر لعنت فرما۔ آپؐ نے مجھے فرمایا: اے اسماء! اس قضیہ کو میری بیٹی کے سامنے بیان نہ کرنا، پس میں نے شہزادے کو اُٹھایا اور اُنھیں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس لے آئی۔

ولادت کے ساتویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خانۂ اقدس پر تشریف لائے اور مجھے آواز دی کہ میرے شہزادے کو میرے پاس لے آؤ۔ جب میں انھیں آپؐ کے پاس لے گئی تو آپؐ نے ان کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ آپؐ نے ایک گوسفند سیاہ و سفید کا عقیقہ کیا، جس طرح کہ آپؐ

نے امام حسنؑ کے لیے کیا تھا۔ گوسفند کے ران اور پائے دایہ کے لیے بھیج دیے۔ ان کے سر کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر چاندی بطور صدقہ فقیر کو دی۔ ان کے سرمبارک پر عطریات لگائے اور فرمایا: بچوں کے سروں پر خون ملنا جاہلیت کے امور و عادات میں سے ہے۔

پھر آپؐ نے اپنے شہزادے کو اپنی جھولی میں لیا اور اُنھیں فرمایا: اے ابا عبداللہ! مجھ پر بہت بھاری ہے؟ پھر آپؐ نے رونا شروع کر دیا۔

اسماء کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں، اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ ان کی ولادت کے پہلے دن بھی روئے تھے آج پھر رو رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں اپنے شہزادے کے مصائب پر رو رہا ہوں کیونکہ اُموی طاغوت انھیں شہید کر دیں گے۔ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن میری شفاعت ان کے حق میں قبول نہیں فرمائے گا۔ البتہ میرے اس فرزند کو ایک آدمی شہید کرے گا، جس سے میرے دین کا نقصان ہوگا اور وہ اللہ کا منکر ہوگا۔

پھر آپؐ نے اپنے ہاتھوں کو بارگاہِ خداوندی میں بلند کیا اور عرض کیا: خداوندا! میرا تیری بارگاہ میں سوال ہے، ان دو فرزندوں کے بارے، وہ سوال جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزندوں کے بارے میں تیری بارگاہ میں کیا تھا کہ اُنھیں دین کا پیشوا بنانا۔

خداوندا! تو خوب جانتا ہے کہ میں اپنے ان دونوں فرزندوں سے بہت محبت کرتا ہوں اور مجھے اُس سے محبت ہے، جو انھیں اپنا دوست رکھتا ہے تو اس پر لعنت کر جو ان سے دشمنی رکھے اور اتنی لعنت کر جس سے آسمان و زمین بھرے ہوئے ہوں۔ (امالی طوسی، ص ۳۶۷، امالی شیخ صدوق، ص ۳۴، علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۳۷-۱۳۸، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۵، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۲۵)

توضیح شباہت منزلت علیؑ با منزلت ہارونؑ

(مترجم: حدیث شریف یَا مُحَمَّدُ! عَلِیٌّ مِنْكَ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى إِلَّا أَنَّهُ

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اے محمدؐ! علیؑ کی منزلت ونسبت آپؐ سے اس طرح ہے، جس طرح جنابِ ہارونؑ کو جنابِ موسیٰؑ سے حاصل تھی۔ فرق یہ ہے کہ آپؐ کے بعد نبی نہیں ہے۔ صرف یہی استثنا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور استثنائی حالت نہیں ہے۔ شاید اس استثنا کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جناب امیرؑ کے دشمن آپ کی امامت کے قائل نہ تھے۔ وہ آپ کو خلیفۃ الرسول نہیں مانتے تھے اس لیے حدیث منزلت بیان کی گئی کہ جناب امیرؑ ہر جہت سے جنابِ ہارون کا مرتبہ رکھتے ہیں جو انھیں جنابِ موسیٰؑ کے نزدیک حاصل تھا۔

علمائے علمِ اصول کا نظریہ ہے کہ استثناء مستثنیٰ منہ میں عموم کی دلیل ہے، یعنی اس فقرہ سے مراد یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر اس طرح حجت ہیں جس طرح جنابِ ہارونؑ، جنابِ موسیٰؑ کی اُمت پر حجت تھے۔ جناب امیر کا قول و فعل اسی طرح حجت ہے۔ جس طرح جناب ہارونؑ کا قول وفعل حجت تھا۔ یہ استثناء اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام جنابِ ہارونؑ کی طرح رسولؐ اللہ کے خلیفہ و جانشین ہیں۔

جنابِ ابن عباسؓ کی روایت

شیخ بزرگوار علامہ شیخ صدوقؒ نے اپنے استاد کے ساتھ امالی میں عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے: جس زمانے میں امیرالمومنین امام علی علیہ السلام جنگِ صفین کے لیے کوفہ سے باہر نکلے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ جس وقت آپؑ نے سرزمینِ نینوا میں نزولِ اجلال فرمایا اور یہ زمین دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اُس وقت آپؑ نے بلند آواز سے مجھے آواز دی: اے ابن عباس! اس جگہ کو جانتے ہو؟

میں نے عرض کیا: یا امیرالمومنینؑ! میں اس جگہ کو نہیں جانتا۔

اس وقت آپؑ نے فرمایا: اے ابن عباسؓ! اگر تم اس زمین کو جانتے ہوتے تو ہر صورت میری طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں: آپؑ بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ آپؑ کی ریش اقدس آنسوؤں سے تر ہو گئی اور آپؑ کے آنسو سیلابِ آب کی طرح آپؑ کے سینہ مبارک پر بہہ رہے تھے۔ معلوم نہیں تھا کہ آنحضرتؑ کیوں روتے

جا رہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: آہ! آہ! مجھے آلِ ابی سفیان، آلِ حرب، گروہ شیطان اور صاحبانِ کفر سے کیا کام!

بعدازیں آپؑ نے فرمایا: اے ابا عبداللہ! صبر کرنا، جس طرح آج ان لوگوں نے مجھے مصائب میں مبتلا کیا ہے۔ کل تجھے اس گروہ شیطان آل ابوسفیان کے ظلم وستم سے دوچار ہونا ہے۔

جناب ابن عباس فرماتے ہیں: ان کلمات دل سوز و جاں گداز کے بعد آپؑ نے پانی طلب کیا، وضو فرمایا اور کافی دیر نماز میں مصروف رہے۔ آپؑ نے نماز کے بعد اس طرح کی حزن انگیز وگریہ خیز باتیں کیں۔ کوئی اور بات نہ کی اور آپؑ سو گئے۔ چند لمحات کے بعد جب آپؑ بیدار ہوئے تو مجھے آواز دی۔ میں فوراً آپؑ کے حضور پہنچا اور فرمایا: ابن عباس تو کہاں ہے؟

میں نے عرض کیا: یا امیرالمومنینؑ! میں حاضر ہوں، میں تو کہیں نہیں گیا، آپؑ کے پاس رہا۔

آپؑ نے فرمایا: میں تمھیں خواب سنانا چاہتا ہوں جو ابھی میں نے دیکھا ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: جی ہاں! اے امیرالمومنینؑ! بیان فرمائیں۔

آپؑ کی آنکھیں ہمیشہ سکون و استراحت میں رہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ بہت سے ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آئے ہیں، جن کے ہاتھوں میں سفید علَم ہیں اور ان کے گلوں میں چمکتی شمشیریں حمائل ہیں۔ انھوں نے اس سرزمین کے اردگرد خط کھینچا۔ اس وقت میں نے دیکھا اس زمین میں جتنے خرمے کے درخت ہیں، ان کی شاخیں جھک کر زمین پر آرہی ہیں اور یہ زمین خون سے پُر ہوگئی اور خونیں موجیں بلند ہونے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ حسینؑ میرے فرزند ارجمند میری آنکھوں کے نور میرے جگر کی ٹھنڈک اور میری روح و جان اس خونی دریا میں ڈوب رہے ہیں اور ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور استغاثہ وفریاد بلند کرتے ہیں لیکن کوئی ان کی فریاد

نہیں سنا، آسمان سے کچھ فرشتے اُترتے ہیں جو بہت سفید ہیں اور کہتے ہیں: اے آلِ رسولؐ! صبر کیجیے کہ تم بدترین لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہو۔ اِدھر دیکھو یہ ہے بہشت عنبر سرشت، جو تمھاری مشتاق ہے یا ابا عبداللہ! پھر اُنھوں نے مجھے تسلی و تعزیت دی اور اُنھوں نے آواز بلند کی:

اے ابوالحسنؑ! آپؑ کے لیے خوش خبری ہے کہ جس دن حساب و کتاب کے لیے لوگ اُٹھیں گے اور پروردگار عالم کے حضور پہنچیں گے تو اُس دن اللہ تعالیٰ آپؑ کے اس نور دیدہ کی وجہ سے آپؑ کی آنکھوں کو روشن کرے گا۔

پس میری آنکھ کھل گئی اور پریشانی کے عالم میں بیدار ہوا۔ اسی ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مجھے صادق امین مصدق رسولؐ اللہ ابوالقاسم نے خبر دی تھی کہ اس سرزمینِ کرب و بلا و عرصۂ نینوا سے ایک دن ضرور تمھارا گزر ہوگا، جب تم اہلِ ظلم و ستم سے جنگ کرو گے۔ یہ وہی زمین کربلا ہے۔ اس زمین میں میرا فرزند حسینؑ مدفون ہوگا اور ان کے ہمراہ میری اور جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ستر نفوس شہید ہوں گے اور یہاں مدفون ہوں گے۔ یہ سرزمین تمام آسمانوں میں اس طرح معروف و مشہور ہے اور اِسے اہلِ آسمان زمینِ کرب و بلا کہتے ہیں۔ جس طرح حرمِ کعبہ، مدینہ اور بیت المقدس ان کے ہاں معروف و مذکور ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: آپؑ نے مجھے حکم دیا کہ تم اس زمین میں چکر لگاؤ اور اس کے جنگل میں ہرنوں کی مینگنیاں تلاش کرو۔ بخدا میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھے جھوٹ کہا گیا ہے۔ آنحضرتؑ نے مجھے بتایا تھا ان مینگنیوں کا رنگ زعفرانی ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے تعمیل امر کے لیے اس بقعۂ مبارکہ کا چکر لگایا۔ آخر وہ مینگنیاں جن کے بارے میں آپؑ نے فرمایا تھا، وہ مجھے مل گئیں۔ میں نے اُنھیں اکٹھا کیا اور میں نے آپؑ کو آواز دی کہ آپؑ نے جن مینگنیوں کے بارے میں فرمایا تھا وہ مل گئی ہیں۔

جب آنحضرتؑ نے میری بات سنی تو فرمایا: اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا ہے۔ پس آپؑ اپنے مقام سے اُٹھے اور بڑی جلدی کے ساتھ میری طرف آئے اور ان مینگنیوں کو اُٹھایا اور اُنھیں سونگھا اور پھر فرمایا: جی ہاں! یہ وہی مینگنیاں ہیں، جن کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن عباسؓ! تم جانتے ہو کہ یہ مینگنیاں کیا ہیں؟ انھی مینگنیوں کو جنابِ عیسیٰؑ نے یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا اور ان کی حکایت کچھ اس طرح ہے: ایک دن جنابِ عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ یہاں سے گزرے کہ اُنھوں نے صحرائی ہرنوں کو ایک جگہ پر اکٹھے دیکھا جو گریہ وزاری کر رہے تھے۔ پس جب جنابِ عیسیٰؑ نے یہ دردناک اور عجیب وغریب منظر دیکھا تو اپنے حواریوں کے ساتھ ان ہرنوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اور آپؑ نے بھی رونا شروع کر دیا اور آپؑ کو دیکھ کر آپؑ کے حواری بھی رونے لگے۔ ان حواریوں کو معلوم نہ تھا کہ جنابِ عیسیٰؑ ان کے پاس کیوں بیٹھ گئے۔ جب آپؑ کو رونے سے افاقہ ہوا تو اُنھوں نے آپ سے پوچھا: اے روح اللہ! آپؑ کے رونے کا سبب کیا ہے؟

آنحضرتؑ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے، یہ کون سی زمین ہے؟

اُنھوں نے عرض کیا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کون سی زمین ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ وہ زمین ہے، جس میں رسولؐ اللہ احمد مختار کے فرزند کو شہید کیا جائے گا اور خاتونِ نجیبہ طاہرہ و بتولؑ جو کہ میری ماں مریمؑ کی نظیر ہوں گی، کا فرزند دل بند یہاں مدفون ہوگا، اور اس کی قبر مبارک کی خاک مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی کیونکہ وہ رسولؐ اللہ اور طاہرہ بتول کے فرزند کی خاک ہوگی۔ انبیاؑ اور ان کی اولاد کی قبور کی خاک ایسی ہی ہوتی ہے اور یہ ہرن مجھ سے کلام کرتے ہیں اور خبر دیتے ہیں کہ وہ امامِ مظلومؑ کی تربت کے شوق میں یہاں رہ رہے ہیں اور ہم جب تک اس زمین میں ہیں امامِ مظلومؑ کی برکت سے درندوں اور شکاریوں کے شر سے محفوظ ہیں۔

اس کے بعد جنابِ عیسیٰؑ نے ان مینگنیوں کو اُٹھا کر سونگھا اور فرمایا: ان کی خوشبو اس گھاس کی ہے، جو اس پاک سرزمین میں اُگتی ہے۔ پس آپؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا: خداوندا! ان مینگنیوں کو اسی ہیئت پر باقی و پائیدار رکھ، کہ اس برگزیدہ ہستی کے پدر بزرگوار ان کو سونگھیں، تاکہ ان کی تسلی کا باعث ہو۔

جناب امیر علیہ السلام نے ابن عباسؓ سے فرمایا: اے ابن عباسؓ! یہ مینگنیاں حضرت عیسیٰؑ

کی دعا کی وجہ سے آج تک باقی ہیں اور اتنی طولانی مدت کے باوجود ان کا رنگ زرد ہوگیا ہے اور یہ زمین جائے کرب و بلا ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے بلند آواز کے ساتھ فرمایا:

اے عیسیٰؑ بن مریم کے پروردگار! میرے فرزند اور نور دیدہ کے قاتلوں میں سے برکت اُٹھا دینا اور ان کا کام ان پر مبارک نہ کرنا اور وہ شخص جو میرے فرزند کے قتل کی کوشش کرے اور جو شخص ان کی نصرت و یاوری نہ کرے اور اُنھیں دشمنوں کے لشکر میں تنہا چھوڑ دے، ان لوگوں کو بھی برکت نہ دے۔

جناب ابن عباسؓ کہتے ہیں: جناب امیر علیہ السلام پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ آپؑ بڑی دیر تک روتے رہے۔ میں بھی ان کے ساتھ روتا رہا۔ آخر آپؑ گریہ زاری کی کثرت کی وجہ سے مدہوش ہوگئے؟ آپؑ نے اپنا چہرہ مبارک زمین پر ڈال دیا اور آپؑ کی مدہوشی طویل ہوگئی۔ جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو آپؑ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ان مینگنیوں میں سے کچھ مینگنیاں اپنی چادر میں باندھ لیں اور مجھے بھی حکم دیا کہ ان میں سے کچھ مَیں بھی اپنے کپڑے میں باندھ لوں۔

آپؑ نے مجھے فرمایا: اے ابن عباسؓ! انھیں اپنے پاس محفوظ رکھنا، جس وقت دیکھنا کہ یہ مینگنیاں خون میں بدل گئی ہیں پس سمجھ لینا کہ میرے فرزند حسینؑ اس زمین پر شہید کردیے گئے ہیں اور اسی جگہ مدفون ہوگئے ہیں۔

جناب ابن عباس کہتے ہیں: بخدا! میں اپنے ان اُمور سے جو خدا نے مجھ پر واجب کیے ہیں، ان سے زیادہ ان مینگنیوں کی حفاظت کرتا تھا اور اُنھیں ہمیشہ اپنی آستین میں باندھے رکھتا تھا۔ وقت گزرتا رہا، آخر وہ زمانہ آیا، جب ایک رات میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ جونہی میں نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ اُن سے خون جاری تھا اور میری آستین خون سے پُر تھی۔

جب میں نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا تو حیران و سرگرداں ہوکر رہ گیا۔ مجھ پر گریہ غالب آگیا اور میں نے اپنے آپ سے کہا: بخدا حسینؑ شہید کردیے گئے ہیں اور ہرگز علی بن ابی طالبؑ نے کوئی جھوٹی بات نہیں کہی تھی اور آپؑ نے مجھے کبھی ایسی خبر نہیں دی تھی، جو واقع نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ رسولؐ خدا آپؑ کو بہت سے اُمور سے مطلع کرتے تھے، جن اُمور کی آپؑ دوسروں کو خبر نہیں دیتے تھے۔ پس میں بہت زیادہ حیران و پریشان تھا۔ اسی حیرانی و پریشانی

کے عالم میں مَیں باہر نکلا۔ صبح ہوئی بخدا تو میں نے دیکھا کہ گرد و غبار نے مدینہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی رطوبت ہر طرف برس رہی ہے۔ فضا تیرہ و تار ہو چکی تھی اور کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ جب آفتابِ عالمتاب نے مشرق سے اپنا سر نکالا تو میں نے دیکھا کہ ایسے معلوم ہوتا تھا، جیسے آفتاب کو گہن لگ چکا ہے، اور مدینہ کے در و دیوار سرخ و رنگین ہو چکے ہیں۔ مَیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں نے دل میں کہا: بخدا حسینؑ شہید کر دیے گئے ہیں۔ میں نے اپنے گھر کے کونے سے صدا سنی لیکن بولنے والا دکھائی نہ دیا، وہ کہہ رہا تھا:

اِصْبِرُوا آلَ الرَّسُوْلِ قُتِلَ الْفَرْخُ النُّحُوْلُ

نَزَلَ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ بِبُکَاءٍ وَ عَوِیْلٍ

"اے آلِ رسولؐ! صبر کیجیے فرزند بتولؑ خستہ تن قتل کر دیے گئے ہیں۔
آسمان سے روح الامین نازل ہوا اور اس شہیدِ مظلوم پر ماتم کیا"۔

بعد ازیں مَیں نے ان اشعار پڑھنے والوں کی گریہ و زاری کی آوازیں بھی سنیں۔ جب مَیں نے یہ حالت دیکھی تو میری آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برسنے لگیں۔ میں نے اس دن کو معین کیا، اُسے اپنے ہاں یادداشت بنایا۔ وہ دن ماہِ محرم کی دس تاریخ تھی۔ جب اس بزرگوار کی شہادت کی خبر مدینہ آئی تو معلوم ہوا واقعی آپؑ محرم کی دس تاریخ کو شہید ہوئے تھے اور وہ لوگ جو کربلا میں آپؑ کے ہمراہ تھے جب وہ واپس مدینہ آئے تو اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ ہم نے امامؑ کے مقتل میں یہی آواز سنی تھی جو تم نے سنی۔ کہنے والا ہمیں بھی نظر نہ آیا، جس طرح تمھیں نظر نہیں آیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ جنابِ خضرؑ نبی تھے۔

کتاب کمال الدین میں یہ روایت موجود ہے۔(امالی صدوق، ج۵، ص۵۹۷، الخرائج والجرائح، ج۳، ص۱۱۴۴، کمال الدین، ج۲، ص۵۳۲)

خُوشبوئے خاکِ کربلا

جنابِ علامہ شیخ صدوقؒ نے کتابِ مذکور میں اپنے اسناد کے ساتھ ہرثمہ بن ابی مسلم

سے روایت کی ہے: میں جنگِ صفین میں جناب امیر علیہ السلام کی خدمت اقدس میں تھا۔ جب ہم جنگ سے واپس لوٹے تو زمینِ کربلا میں پہنچے۔ جناب امیر علیہ السلام نے صبح کی نماز ادا کی اور آپؑ نے کربلا کی زمین سے خاک کی ایک مٹھی اُٹھائی اور اُسے سونگھا اور فرمایا:

اے خاکِ کربلا! بخدا تجھ سے ایک گروہ قیامت کے دن محشور ہوگا، جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ جب ہرثمہ اپنے گھر آیا، اس کی بیوی بھی آلِ محمدؐ کی ماننے والی تھی، اُس نے اُسے کہا: میں تمھیں وہ بات بتاؤں جو میں نے اپنے آقا امام ابوالحسنؑ سے سنی اور دیکھی ہے۔ ہرثمہ نے اُسے کہا کہ جب امام علی علیہ السلام نے کربلا میں صبح کی نماز ادا کی تو وہاں کی زمین کی خاکِ کربلا کی مٹھی بھری اور فرمایا:

اے خاکِ کربلا! تو کتنی خوشبودار ہے بخدا ایک گروہ تجھ سے میدانِ قیامت میں آئے گا جو بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا۔ یہ سن کر اس خاتونِ صالحہ پاک طینت نے اپنے شوہر سے کہا: جناب امیرؑ جو بات کہتے ہیں وہ حق و صداقت پر مشتمل ہوتی ہے۔

زمانے پر زمانہ گزرتا رہا۔ آخر وہ دن بھی آیا جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہوئے۔ ہرثمہ کا بیان ہے: میں ابن زیاد کے لشکر میں موجود تھا، جو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے آیا تھا۔ جب میں نے وہ جگہ اور ان درختوں کو دیکھا اور جو خبر میں نے جناب ابوالحسنؑ سے سنی تھی تو وہ مجھے یاد آگئی۔ اس وقت میں اپنے اُونٹ پر سوار ہوا اور بارگاہِ حسینیؑ میں جا پہنچا۔ جب میں آپؑ سے شرف یاب ہوا اور انھیں سلام کیا اور جو کچھ آپؑ کے پدر بزرگوار نے فرمایا تھا: آپؑ کے گوش گزار کیا اور میں نے عرض کیا: میں نے یہ حدیث اسی مقام پر ان سے سنی تھی، جہاں آپؑ نزولِ اجلال رکھتے ہیں۔

اس وقت آنجنابؑ نے فرمایا: کیا تو ہماری مدد کرے گا یا ہمارے خلاف لڑے گا؟

ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: میں آپؑ کی نصرت کروں گا اور نہ ہی آپؑ کی مخالفت، کیونکہ پیچھے کوفہ میں چند بچے بے سہارا چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے ابن زیاد کا خوف ہے، اس لیے اس کے لشکر کے ساتھ چلا آیا۔

جب آنحضرتؑ نے میری بات سنی تو فرمایا: جس طرح ممکن ہو، یہاں سے چلا جا تو

ہمیں قتل ہوتا نہ دیکھے، اور جب میں استغاثہ بلند کروں اس وقت تو میرا استغاثہ سننے والوں میں سے نہ ہو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حسینؑ کی جان ہے، جس نے جنگ کے روز میرا استغاثہ سنا اور ہماری مدد نہ کی۔ خداوند تعالیٰ اُسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(مترجم: مصنف کا بیان ہے کہ شاید آنحضرتؑ کے اس بیان سے یہ مراد ہو کہ آپؑ کے استغاثہ کے بعد آپؑ کی نصرت نہ کرنا عذاب میں شدت کا باعث ہوگا، کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آنجنابؑ کی نصرت تو ہر انسان پر واجب تھی، جس طرح تمام پیشوایانِ دین اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی نصرت واجب ہے، خواہ ان کے استغاثہ کی آواز کو کوئی سنے یا نہ سنے)۔

مسجدِ کوفہ اور خطیب سلونی

شیخ صدوق نے اپنی امالی میں اور شیخ بزرگوار شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں اور علامہ طبرسی نے احتجاج میں کچھ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت نقل کی ہے: ایک دن جناب امیرالمومنین امام علی علیہ السلام مسجدِ کوفہ میں آئے اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطبہ ارشاد فرمایا:

سلونی قبل ان تفقدونی فو الله لا تسألونی بشیء مضی ولا عن شیء یکون الا نبأتکم

"اے لوگو! جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھ لو، اس سے قبل کہ مجھے نہ پاؤ، بخدا تم مجھ سے جو سوال کرو گے، جس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے، میں تمہیں اس کی خبر دوں گا اور ان دونوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ راہِ ضلالت پر تھے یا راہِ ہدایت پر تھے"۔

ابھی جناب امیر علیہ السلام کی گفتگو ختم ہی ہوئی تھی کہ سعد بن ابی وقاص اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور کہا: یا امیرالمومنینؑ! یہ بتائیے کہ میرے سر اور داڑھی کے بال کتنے ہیں؟

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: میرے خلیل نے مجھے تیرے اس سوال کا جواب پہلے سے دے دیا تھا کہ تو مجھ سے اس قسم کا سوال کرے گا۔ مجھے رسولؐ اللہ نے خبر دی تھی کہ تیرے ہر سر کے بال پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور تیرے ہر بال کی جڑ کے پاس

ایک شیطان بیٹھا ہے، جو تجھے راہِ ضلالت کی طرف کھینچتا ہے۔ تیرے گھر میں ایک بچہ ہے، جو رسولؐ اللہ کی شہزادی کے بیٹے کو قتل کرے گا۔ میں نے تیرے سامنے حقیقت بیان کی ہے کہ تیرا بیٹا رسولؐ اللہ کے فرزند کو ضرور قتل کرے گا اور یہ حق ہے۔ پس اگر یہ میری بات سچ ثابت ہو جائے تو پھر یہ بھی جان لینا کہ تیرے بالوں پر ملائکہ کا ہونا اور ان کی جڑوں میں شیاطین کا ہونا بھی سچ ہے، اور جو بات تو نے مجھ سے پوچھی ہے، یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں تجھے بتا رہا ہوں کہ تیرے سر اور تیری داڑھی میں کتنے بال ہیں۔ اگر میں کہوں کہ تیرے سر اور داڑھی کے اتنے بال ہیں، جو عداوت تو مجھ سے رکھتا ہے اس کی بنا پر تو تسلیم ہی نہیں کرے گا۔ تیرے سر اور داڑھی کے بالوں کی تعداد کے متعلق میرے علم کی دلیل وہ خبر ہے جو مَیں نے تیرے بیٹے کے بارے میں دی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام کی یہ گفتگو اس زمانے کی ہے، جس زمانے میں عمر بن سعد بچہ تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اُس نے صحراوِ کربلا میں حضرت امام حُسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی اور آپؑ کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ جس طرح جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: اسی طرح ہو کر رہا۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۱۳۳، الارشاد، ج ۱، ص ۳۳۰، الاحتجاج، ج ۱، ص ۲۶۱، اعلام الوریٰ، ص ۱۷۶، کامل الزیارات، ص ۱۲، مناقب آل ابی طالب، ج ۲، ص ۲۶۹، نہج الحق وکشف الصدق، ص ۲۴۱)

رسولؐ اللہ کی شکایت دشمنانِ عترت سے

شیخ بزرگوار شیخ صدوق نے اپنی امالی میں اور صاحب بصائر الدرجات اور صاحب کامل الزیارات نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''جو آدمی چاہتا ہے کہ اس کی دنیاوی زندگی میری طرح ہو، اور سعادت و نیک بختی کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اُسے میری طرح ہی موت آئے اور وہ سکھ و چین کے ساتھ رہے تو وہ میری سنت اور میرے طریقے پر چلتا رہے اور جب وہ مرے تو اُسے بہشت میں میرا مقام نصیب ہو، اور

میرا مقام جنت میں جنت عدن ہے۔ جس کے اشجار کو اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے خلق کیا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ علیؑ سے محبت رکھے اور اس کے فضائل و بزرگواری کا اعتراف کرے اور ان کے بعد جو ائمہ اور اوصیاء ہیں، ان سے محبت کرے اور ان کے دشمن کو اپنا دشمن جانے، کیونکہ یہی لوگ دینِ مُبین کے رہبر ہیں اور ہدایت و نجات کی نشان دہی کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں میرا علم و فضل عطا کیا ہے۔ یہی میری عترت ہیں، یہی میرا گوشت اور خون ہیں۔

اے میرے پروردگار! میں ان کے دشمنوں کی شکایت تیری بارگاہ میں کرتا ہوں کہ وہ میری اُمت میں ہونے کے باوجود ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کے فضائل کا انکار کرتے ہیں اور ان سے بُرائی کر کے میری عطا و بخشش کو قطع کرتے ہیں۔ جو لوگ میرے بعد میرے حسینؑ کو شہید کریں گے، اللہ انھیں میری شفاعت سے محروم رکھے گا۔ (امالی شیخ طوسی، ص ۸۷۸، بصائر الدرجات، ص ۴۸، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۹۱، روضۃ الواعظین ۱:۱۰۱، شرح نہج البلاغہ، ج ۹، ص ۱۴۸، کامل الزیارات، ص ۷۱، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۲۹۲)

حضرت امیر علیہ السلام غیب سے خبر دیتے ہیں

صاحب بصائر الدرجات نے سوید بن عقلہ سے روایت کی ہے: ایک دن میں حضرت امیرالمومنینؑ کی بارگاہِ امامت میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک آدمی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یاامیرالمومنینؑ! میں ابھی وادیٔ القریٰ سے آرہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ خالد بن عرفطہ فوت ہو گیا ہے۔

یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: وہ فوت نہیں ہوا ہے۔

اس آدمی نے اپنی بات دہرائی اور جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: نہیں وہ ابھی فوت نہیں ہوا ہے۔ اس آدمی نے تین مرتبہ کہا اور آپؑ نے یہی جملہ دہرایا۔

اس آدمی نے کہا: سبحان اللہ! مجھے حیرت ہے کہ میں کہوں خالد فوت ہو گیا ہے اور آپؑ کہیں کہ وہ نہیں مرا۔

آپؑ نے فرمایا: مجھے اُس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، خالد مرا ہے اور نہ وہ مرے گا، جب تک لشکرِ ضلالت کی امارت اُسے نصیب نہ ہوگی۔ وہ اس لشکر کا قائد ہوگا جس کا علَم دار حبیب بن جماز ہوگا۔

جب یہ بات حبیب بن جماز کے پاس پہنچی تو اُس نے جناب امیرؑ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! میں آپؑ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں آپؑ مجھ پر اچھا گمان رکھیں، میں آپؑ کے شیعوں میں سے ہوں۔ جو کچھ آپؑ نے میرے بارے میں فرمایا ہے وہ مجھ میں نہیں پایا جاتا، بخدا! میں نے اپنے آپ کو خوب دیکھا ہے یہ چیز مجھ میں نہیں ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو حبیب بن جمازی ہے تو ضرور بضرور لشکرِ ضلالت کے علَم کو اُٹھائے گا۔

ابوحمزہ کا بیان ہے: واقعی خالد بن عرفطہ نہیں مرا تھا، آخر وہ عمر بن سعد کے لشکر کے کسی دستے کا امیر بنا اور اُس نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی۔ یہی خالد عمر بن سعد کے لشکر کا مقدمہ بنا اور حبیب بن جماز اس کے لشکر کا علَم دار بنا۔ جو کچھ آپؑ نے فرمایا وہی ہو کر رہا۔ (الاختصاص، ص ۲۸۰، ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۲۳، اعلام الوریٰ، ص ۷۵، بصائر الدرجات، ص ۲۹۸، الخرائج والجرائح، ج ۴، ص ۷۴۵)

حضرت امام حُسینؑ کی زیارت کا ثواب

کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ایک دن حضرت امام حُسین علیہ السلام بچپن میں حضرت رسولؐ اللہ کے دامنِ اقدس پر بیٹھے تھے اور آپؐ اپنے شہزادے کے بوسے لے رہے تھے اور آپؐ سے بہت زیادہ پیار کر رہے تھے اور ان سے کھیل رہے تھے۔ جب جناب عائشہ نے یہ حال دیکھا تو عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ اپنے اس بیٹے سے اتنا پیار رکھتے ہیں؟

رسولؐ اللہ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، میں اس شہزادے سے کیوں محبت نہ کروں، کیوں یہ تو میری جان ہے، میرے دل کا میوہ ہے، میری آنکھوں کی روشنی ہے۔

اے عائشہ! آگاہ رہو! بہت جلد میری اُمت میرے اس شہزادے کو قتل کردے گی۔ ہر وہ آدمی جو اس کی شہادت کے بعد اس کی زیارت کے لیے جائے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں میرے حجوں میں سے ایک حج کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔

جنابِ عائشہ نے حیران ہوکر کہا: یارسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ ان کی زیارت کے ثواب میں آپؐ کے حجوں میں سے ایک حج کا ثواب اس کے زائر کو عطا کرے گا۔

حضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ ان کے زائر کو میرے دو حجوں کا ثواب عطا کرے گا۔

پھر جنابِ عائشہ نے ازراہِ تعجب عرض کیا: یارسولؐ اللہ! دو حجوں کا ثواب ان کے زائر کو ملے گا؟

حضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! بلکہ میرے چار حجوں کا ثواب اس کے زائر کو ملے گا۔

اس طرح جنابِ عائشہ پوچھتی رہیں اور جنابِ رسولِ اکرمؐ تعداد بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: نوے حجوں کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا جو ان کی زیارت کے لیے جائے گا اور وہ حج جو اُس نے رسولؐ اللہ کے ساتھ کیے ہوں اور عمرے بھی آپؐ کے ساتھ بجالایا ہو۔ (امالی طوسی، ص ۶۶۸، کامل الزیارات، ص ۶۸، مناقب آلِ ابی طالب، ج ۴، ص ۱۲۸، مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۶۲)

(مترجم: عدد و تعداد حجت نہیں ہے، روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ علمائے اعلام کے نزدیک ثابت ہے کہ مفہوم عدد اور زمان حجت نہیں۔ اگر حجت ہو بھی تو پھر ثواب زائرین کی معرفت کے مطابق ملتا ہے۔ جس قدر جس کی معرفت ہوتی ہے اس قدر انھیں ثواب حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے)۔

پیغمبرِ اکرمؐ اپنے شہزادے کے بوسے لیتے ہیں

مذکورہ کتاب میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: رسولؐ اللہ کا طریقہ یہ تھا

کہ جب آپؐ کے نوردیدہ شہزادۂ حسینؑ آپؐ کے پاس آتے تو آپ اُنھیں اپنی طرف کھینچ لیتے اور جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے فرماتے: تم شہزادے کو تھامے رہو، پھر آپؐ اپنے نوردیدہ کے بوسے لینے شروع کردیتے۔

ایک دن جناب امام حُسین علیہ السلام نے اپنے نانا کے حضور عرض کیا: آپؐ میرے بوسے بھی لیتے ہیں اور روتے بھی ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے میرے نوردیدہ! میں تمھارے بدن کے ان مقامات کے بوسے لیتا ہوں، جہاں تلواروں سے وار ہوں گے، اس لیے روتا بھی ہوں۔

شہزادے نے حیرت سے پوچھا: اے نانا جان! کیا لوگ مجھے قتل کردیں گے؟

آپؐ نے فرمایا: بخدا! یہ لوگ آپؑ کے والد، آپؑ کے بھائی اور آپؑ کو ہر صورت قتل کردیں گے۔

پھر شہزادے نے پوچھا: اے جد بزرگوار! ہمارے مقتل و مشہد ایک دوسرے سے جدا ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں! میرے شہزادے تمھارے مشاہد ایک دوسرے سے دُور اور جدا جدا ہوں گے۔

پھر شہزادے نے اپنے نانا حضورؐ کی خدمت میں سوال کیا: ہمارے مشاہد کی پراگندگی کی صورت میں آپؐ کی اُمت کے کچھ لوگ ہمارے مشاہد کی زیارت کے لیے آئیں گے؟

آپؐ نے فرمایا: میری زیارت، تمھارے باباؑ، بھائی اور تمھاری زیارت کے لیے میری اُمت کے وہ لوگ آئیں گے جو میری اُمت کے صدیق ہوں گے۔ (کامل الزیارات، ص ۷۰،۷۱)

اسی مذکورہ کتاب میں ابوعبداللہ جدلی سے روایت ہے: میں ایک دن جناب امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی بارگاہ میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا حضرت امام حُسینؑ آپؑ کے قریب موجود تھے۔ آپؑ نے اپنا دست مبارک اپنے شہزادے کے شانے پر رکھ کر فرمایا: میرا یہ فرزند شہید کردیا جائے گا اور کوئی شخص اس کی نصرت نہ کرے گا۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: یا امیرالمومنینؑ! پھر تو وہ دن برے دن ہوں گے وہ زندگی بدترین زندگی ہوگی۔

آپؑ نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ امر ضرور واقع ہونے والا ہے (کامل الزیارات، ص ۷۰)۔ اسی کتاب میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسین علیہ السلام سے فرمایا: یَا اَبَا عَبْدِ اللهِ! اُسْوَةٌ اَنْتَ قِدْمًا۔

مصنف نے اس کلامِ معجز بیان کی یہ توجیہ کی ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے خداوند تعالیٰ کی تقدیر میں یہ بات ثابت ہے کہ اے فرزندِ گرامی! کہ تم وہ ہستی ہو کہ لوگ آپؑ کی اقتداء میں ہوں گے اور آپؑ کی رہبری اللہ کے علم میں ہے اور انبیاء کے زمانے میں بھی معین و مشخص ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب کوئی بندہ بشر مصیبت زدہ ہوگا تو وہ آپؑ کو یاد کرے گا اور پھر آپؑ کی یاد میں اُسے حوصلہ اور تسلی ملے گی، کیونکہ آپؑ کے مصائب کے مقابلے میں کسی کے جتنے بھی مصائب ہوں وہ ہیچ ہیں اور وہ اپنے دردمند دل کو آپؑ کے مصائب سے تسلی دے گا اور آپؑ کی مصیبت کے مقابلے میں اپنے مصائب کے لحاظ سے خدا کا شکر ادا کرے گا، یا آپؑ کی مراد اس سے یہ بھی ہو کہ اگر تو کرب و بلا میں مصائب و آلام سے دوچار ہوگا تو تجھ سے پہلے تمام انبیا اور اوصیا بھی اسی کربلا میں کرب و بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کچھ کا ذکر پچھلے صفحات میں موجود ہے۔

فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ مَا حَالِي؟ قَالَ علیہ السلام عَلِمْتَ مَا جَهِلُوا وَسَيَنْتَفِعُ عَالِمٌ بِمَا عَلِمَهُ

جناب امام حسینؑ نے عرض کیا: اے بزرگوار! اے پدر عالی مقدار! میری جان آپؑ پر قربان ہو جائے، میرا حال کیا ہے؟ کہ لوگ کیونکر میری اقتداء اور تاسی کریں گے؟

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے فرزند مہربان! آپ کو معلوم ہے کہ لوگ جس

امر سے جاہل ہیں شاید جاننے والا اپنے علم سے فائدہ اُٹھائے‘‘۔

(مترجم: حضرتؑ کے اس کلام سے مراد شاید یہ ہو کہ اے فرزند گرامی قدر! آپؑ اس جہانِ فانی و بے وفا کو خوب جانتے ہو، لوگ جاہل ہیں اور اپنی جہالت کی پیروی میں چلتے ہیں۔ آپؑ پر اللہ کی رضا میں جو مصائب آئیں، ان پر صبر کرنا۔ سب کچھ اللہ کے راستے میں لٹا دینا، اپنی جان، مال، متاع اور اولاد سب کچھ دے دینا۔ خداوند تعالیٰ آپؑ پر راضی ہوگا۔ اس سے پیغمبرؐ کی شریعت کی ترویج ہوگی۔ دوسرے لوگ اس سے جاہل ہیں اور اس امر پر عمل نہیں کریں گے۔

یا پھر اس کلام سے یہ مراد ہو کہ اے فرزند گرامی! آپؑ کا حال یہ ہے کہ آپؑ احکام و شرائع و علومِ ربانی کو جانتے ہیں لیکن دوسرے لوگ نہیں جانتے شاید بہت جلد ایسا ہو کہ جو جانتا ہے، وہ اپنے علم سے فائدہ اُٹھائے۔ جاہل لوگ کبھی فائدہ اُٹھانے والے نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ عالم ہیں اور لوگ جاہل ہیں، اس لیے لوگ آپؑ کی ہی اقتداء کریں گے۔ یہ دو احتمال اس صورت میں ہیں جب علمت کی ''تا'' کو تائے خطاب سمجھیں۔ اگر اُسے ''تائے'' متکلم جانیں تو پھر آپؑ کے کلام سے مراد ہوگی کہ آپؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا: اے فرزند عزیز! میں اُموی طاغیوں کو خوب جانتا ہوں کہ وہ آپؑ پر کون کون سے مصائب ڈھائیں گے۔ لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے۔

پائیداری وثبات قدمی امام حُسینؑ اور زبانِ پدر

جناب امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

اے فرزند عزیز من! سنیے! اپنی آنکھوں کو کھول کر رکھو جیسا کہ آپؑ اس امر کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ ابھی تک آپؑ کے سامنے نہیں آیا۔ آپؑ اس امر کو اپنے قریب سمجھو، بخدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بنواُمیہ آپؑ کے خون کو گرائیں گے لیکن آپؑ کو حق سے نہیں ہٹا سکیں گے اور وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے کہ آپؑ کو پروردگار کے ذکر سے روک سکیں، کہ وہ آپ کو اپنی طرح بے دین بنا سکیں اور آپ کا قتل کریں گے اور آپؑ حق پر

ہوں گے۔

جب جناب امام حسینؑ نے اس کلامِ معجز بیان کو اپنے پدر بزرگوار سے سنا تو عرض کیا:
بخدا! جس ذات کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ لوگ مجھے حق سے نہیں پھیر سکیں گے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے نبیؐ پر نازل فرمایا ہے، میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور جو کچھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اپنے والد گرامی کے کسی قول کی تکذیب نہیں کرسکتا۔ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے، وہ حق اور سچ ہے۔ (کامل الزیارات، ص ۷۱)

براء بن عازب کی حسرت

عالم بزرگوار شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں اپنے اسناد کے ساتھ اسماعیل بن زیاد سے روایت کی ہے: ایک دن جناب امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے براء بن عازب سے فرمایا:

اے براء! عنقریب ایک ستم پیشہ گروہ میرے فرزند عزیز کو قتل کرے گا حالانکہ تو اس وقت زندہ ہوگا اور تو میرے فرزند کی مدد نہیں کرے گا۔

جب امام حسین علیہ السلام کی کربلا کے میدان میں شہادت ہوئی تو براء بن عازب زندہ تھا اور اس نے مظلومِ کربلا کی نصرت نہیں کی تھی۔ پھر براء عمر بھر حسرت کے یہ الفاظ کہتا رہا۔
بخدا! جو کچھ امام علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: وہ سچ اور حق تھا کہ آپؑ نے مجھے فرمایا تھا:

لوگ میرے حسینؑ کو قتل کر رہے ہوں گے اور تو (براء) ان کی نصرت نہیں کرے گا۔
جو کچھ انھوں نے فرمایا تھا: وہی کچھ ہو کر رہا۔ لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کردیا اور میں نے آپؑ کی مدد نہ کی۔ بس وہ ساری زندگی حسرت کرتا رہا۔ (الارشاد، ج ۱، ص ۳۳۱، کشف الغمہ، ص ۲۷۹)

امام علیؑ کے اصحاب امام حسینؑ کے قاتلوں کو پہچانتے تھے

کشف الغمہ اور ارشاد میں مسطور ہے: عبداللہ بن شریک عامری کی روایت ہے: یہ اکثر ہوتا تھا، جب عمر بن سعد مسجد کوفہ میں داخل ہوتا تھا تو میں حضرت امام علی علیہ السلام کے اصحاب

سے سنا تھا حالانکہ امام حسین علیہ السلام ابھی شہید نہیں ہوئے تھے کہ یہ آدمی امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں سے ہے۔ میں نے یہ خبر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کافی عرصہ قبل سنی تھی۔(مذکورہ مصدر)

حضرت امام حسینؑ عمر بن سعد کو اس کا انجام بتاتے ہیں

کتاب مذکور میں سالم بن حفصہ سے مروی ہے: ایک دن عمر بن سعد حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا ابا عبداللہ! ہمارے قریب کچھ جاہل اور بے وقوف لوگ رہتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ میں آپؑ کو قتل کروں گا۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: جو لوگ تیرے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں وہ بے وقوف اور جاہل نہیں ہیں، وہ صاحبانِ عقل و دانش ہیں۔

اے عمر! آگاہ رہیے، چشم ما روشن و دل ما شاد! جب مَیں قتل ہو جاؤں گا تو تو عراق کی گندم نہیں کھا سکے گا مگر تھوڑی سی۔

ہند جگر خوار کا خواب

مناقب ابن عباس میں روایت ہے: ایک دن ہند مادر معاویہ جناب عائشہ کے پاس آئی اور کہا: میں نے خواب دیکھا ہے میں چاہتی ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تعبیر کے بارے میں پوچھ۔ جب رسولؐ اللہ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپؐ کے سامنے یہ حکایت نقل کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اُسے کہو کہ وہ اپنا خواب بیان کرے تا کہ میں اس کی تعبیر بتاؤں۔

اُس نے اپنا خواب یوں بیان کیا: میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ آفتابِ عالم تاب میرے سر پر ایستادہ ہے اور کائنات کو منور کیے ہوئے ہے۔ پھر اُسی آفتاب بزرگ و درخشندہ سے ایک چھوٹا آفتاب باہر آیا۔ اچانک میری فرج سے ایک سیاہ رنگ کا چاند باہر آیا اور اُسی سیاہ رنگ کے چاند نے بہت سے سیاہ اور تیرہ و تار ستارے پیدا کیے تو ان سیاہ ستاروں نے اُس چھوٹے آفتاب پر ہجوم کر دیا اور اُس پر حملہ آور ہو گئے۔ آخر ان ستاروں

نے اس آفتاب کو نیچے گرا دیا۔ جب وہ آفتاب کو چک ان ستاروں کے ذریعے گرا تو پوری کائنات تیرہ و تار ہو کر رہ گئی۔ ظلمت و تیرگی نے زمین و آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آسمان پر لاتعداد درخشندہ ستارے ظاہر ہوئے اور وہ سیاہ ستارے زمین پر آرہے، لیکن ان سیاہ ستاروں نے تمام زمین کو اپنے احاطے میں لے لیا ہے۔

جب رسولؐ اللہ نے اس کی بات سنی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو اس طرح بہہ رہے تھے، جس طرح بادل برستا ہے۔ جب آپؐ کو رونے سے افاقہ ہوا تو فرمایا: یہ ہند ہے، یہ ہند ہے۔ اے دشمنِ خدا باہر چلی جا کہ تو نے میرے غم و اندوہ کو تازہ کیا ہے، اور میرے دل کو محزون و مغموم کر دیا ہے اور میرے دوستوں کی موت کی خبر دی ہے۔

جب وہ آپؐ کے گھر سے باہر چلی گئی تو آنحضرتؐ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! اس پر اور اس کی نسل پر لعنت فرما۔

جب رسولؐ اللہ سے اس کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا: وہ آفتاب عالمتاب جو اُس کے سر پر طالع اور درخشندہ تھا، وہ آفتاب فلک امامت علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ وہ سیاہ ستارے جو اس کی فرج سے نکلے وہ معاویہ اور اس کا بیٹا ہیں۔ آفتاب کو چک سے مراد حضرت امام حُسین علیہ السلام ہیں جس پہ یہ سیاہ ستارے یعنی اُموی طاغوت حملہ آور ہوں گے اور اُنھیں شہید کریں گے جس سے کائنات تیرہ و تاریک ہو جائے گی۔ آفتاب کو گہن لگے گا اور وہ سیاہ ستارے جو زمین پر گریں گے اور زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، وہ اُموی طاغوت ہوں گے۔

جنابِ فاطمہ زہرؑا کی رسولؐ اللہ سے حسینؑ کے بارے میں گفتگو

تفسیر فرات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

ایک دن حضرت فاطمہ زہرؑا نے اپنے فرزند حضرت امام حُسین علیہ السلام کو (جب آپ بچے تھے)، اپنی جھولی میں بٹھا رکھا تھا۔ رسولؐ خدا نے اپنے شہزادے کو ان کی ماں کی گود سے

اُٹھایا اور اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا:

خداوند تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو تجھے قتل کرے۔ خدا اس پر لعنت کرے، جو تیرا لباس لوٹے۔ خداوند تعالیٰ ہلاک کرے اُسے جو تیرے قتل میں تیرے قاتل کی نصرت کرے، تیرے قتل کی کوشش کرے۔ جو تیرے قتل میں مدد کرے۔ اس کے بعد میرے درمیان خداوند تعالیٰ فیصلہ کرے۔

جب جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے یہ جانگداز اور دل سوز باتیں اپنے پدر بزرگوار سے سنیں تو عرض کیا: اے پدر بزرگوار! آپؐ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں جو میں سن رہی ہوں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے دختر عزیز من! میں اس مصیبت کو یاد کر رہا ہوں، جو مصیبت میرے اور تیرے بعد ہمارے اس فرزند کو ستم پیشہ افراد، مکاروں اور عیاروں سے پہنچے گی۔ پس اس دن میرا یہ فرزند ایک ایسے گروہ میں ہوگا گویا کہ وہ آسمان کے درخشندہ ستارے ہیں اور وہ رضائے خداوندی اور میرے اس نور دیدہ کی نصرت و یاری میں قتل ہونے پر ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں گے اور وہ شہادت سے عشق رکھتے ہوں گے۔ ان کے لشکر کا مقام، ان کے خیام اور ان کی قبور میری آنکھوں کے سامنے ہیں گویا کہ میں انھیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے عرض کیا: اے بابا جان! وہ زمین کون سی زمین ہے جسے آپؐ نے ان اوصاف کے ساتھ یاد فرمایا؟

آپؐ نے فرمایا: اس زمین کا نام کربلا ہے، وہ زمین محل کرب و بلا ہے۔ میری اُمت کا ایک شریر و بدکردار گروہ میرے فرزند کے قتل کے لیے باہر آئے گا۔ قیامت کے روز اس ظالم اور بدفرجام گروہ کی تمام اہل آسمان و زمین اگر شفاعت کریں، تو ان کی شفاعت اِن کے حق میں قطعی طور پر قبول نہ ہوگی اور وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے بابا رسولؐ اللہ سے دریافت کیا: اے پدر بزرگوار! یہ سچ ہے میرا بیٹا قتل کیا جائے گا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! اے میری دختر عزیز! وہ ضرور شہید ہوگا اور اس طرح قتل ہوگا، آج تک کوئی اس طرح قتل نہیں ہوا ہوگا۔ اُس کی شہادت پر تمام آسمان اور زمینیں تمام ملائکۂ آسمان، تمام نباتات، تمام دریا اور ان میں تمام مچھلیاں، تمام پہاڑ ان کے مصائب پر گریہ کریں گے۔ اگر خداوند تعالیٰ انھیں اجازت دے دے تو وہ زمین پر کسی انسان کو زندہ نہ چھوڑیں اور انتقامِ حسینؑ میں سب کو قتل کر دیں۔

آپؐ نے فرمایا: میرے فرزند کی شہادت کے بعد ہمارے دوستوں کا ایک گروہ ان کی زیارت کے لیے آئے گا۔ بخدا! اور حق اہلِ بیتؑ کی قسم! روئے زمین پر کوئی ان سے بڑھ کر دانشور نہ ہوگا اور سوائے ان کے کوئی زیارت کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ یہ لوگ چراغ راہِ ہدایت ہیں قیامت کے روز شفاعت پانے والے ہیں۔ قیامت کے روز گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں، جو حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ ان کے حُسن و جمال اور مرغوب علامات سے مَیں انھیں پہچان لوں گا کہ یہ زائرینِ حسینؑ ہیں۔ اس دن وہ تمام لوگ جو مذہب و ملّت رکھتے ہوں گے۔ اپنے رہبروں کو تلاش کریں گے اور یہ لوگ صرف مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ ان کے سبب ہی زمین قائم ہے اور ان کی برکت سے آسمان سے بارانِ رحمت برستی ہے"۔

یہ سن کر جناب زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے بابا کے حضور عرض کیا: انا للہ..... پھر آپؑ نے رونا شروع کر دیا۔

جناب رسول اللہؐ نے فرمایا: اے دخترِ عزیز من! بہترین اہلِ بہشت وہ شہدا ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنی جان و مال اللہ کے راستے میں لٹا دیا۔ بہشت اور بہشت کی جزاؤں کو جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عوض انھیں خرید لیا۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں اپنی جنت عطا کرے گا۔

پس اسی وجہ سے وہ اللہ کی رضا کے لیے اس کے دین کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور ان ملعونوں کو قتل کرتے ہیں، اور قتل بھی ہوتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے

لیے جنت واجب قرار دی ہے۔ وہ انھیں ضرور جنت میں داخل کرے گا اور وہ جزا جو اللہ کے پاس ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر و برتر ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

قَتْلَةٌ اَهْوَنُ مِنْ مِيْتَةٍ وَمَنْ كُتِبَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ خَرَجَ اِلٰى مَضْجَعِهٖ وَمَنْ لَمْ يُقْتَلْ فَسَوْفَ يَمُوْتُ يَا فَاطِمَةُ

"اے فاطمہؑ! شمشیر سے قتل ہونا بستر کی موت سے آسان تر ہے اور جس شخص کے لیے قتل ہونا مقدر کر دیا گیا ہے، وہ بستر کی موت نہیں مرے گا اور وہ جو قتل نہ ہوا وہ بھی جلد مر جائے گا"۔

یہ روایت حضرت امام علی علیہ السلام سے بھی وارد ہے یا اس سے مراد یہ ہو کہ "راہِ خدا میں قتل ہونا بہتر اور نیکوتر ہے، بستر کی موت سے"۔

آپؐ نے اپنی بیٹی سے فرمایا: اے فاطمہؑ دختر عزیز محمدؐ! کیا آپؑ کو یہ پسند نہیں ہے کہ اپنے عزیز بیٹے کی شہادت کے صلے میں قیامت کے دن اللہ کی مخلوق میں جو حکم کرے اس کی تعمیل ہو اور جس وقت حساب و کتاب ہو رہا ہو تو اس وقت فرمان جاری کرے؟

کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ تیرا فرزند حاملانِ عرشِ خداوندی میں سے ہو؟ کیا آپ کو یہ پسند نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن تمام اہلِ محشر تیرے بابا کے پاس آئیں اور ان سے شفاعت کی بھیک مانگیں؟

کیا آپؑ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ آپؑ کے شوہر اپنے دشمنوں کو حوضِ کوثر سے بھگائیں۔ جب پیاس نے ان کا برا حال کر رکھا ہو اور اپنے دوستوں کو حوضِ کوثر سے سیراب کریں؟

کیا آپ اب بات سے خوش نہیں ہیں کہ آپؑ کے شوہر کل دوزخ و جنت کو بانٹنے والے ہوں؟ وہ کل جس کو جہنم بھیجیں اور جسے جہنم سے باہر نکالیں اور جس کے لیے چاہیں جہنم میں رہنے دیں، اس دن ان کا حکم چلے گا۔

کیا آپؑ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ کل آپ ایک پسندیدہ ترین مکان میں ہوں

گی اور اپنی آنکھوں سے اطراف آسمان میں ملائکہ کو دیکھ رہی ہوں گی اور وہ آنکھیں بند کیے آپؑ کے انتظار میں ہوں گے۔ جو فرمان آپؑ کی طرف سے صادر ہوگا وہ اطاعت کرنے والے ہوں گے اور آپؑ اس وقت اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی ہوں گی، جس وقت کائنات مقامِ حساب میں حاضر ہوگی اور آپؑ کے شوہر بارگاہِ خداوندی میں اپنے دشمنوں سے مجادلہ کر رہے ہوں گے۔ پس اس وقت جب آپؑ اپنے فرزندوں کے قاتلوں کے لیے اور اپنے قاتل کے لیے اور اپنے شوہر کے قاتل کے لیے حکم صادر فرمائیں گی۔ خداوند تعالیٰ اس امر کو جاری فرما دے گا۔

جس وقت آپؑ کے شوہر کی حجت ظاہر و ہویدا ہوجائے گی اور آتشِ دوزخ مامور و محکوم ہوجائے گی، اس وقت آپؑ کے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہو رہی ہوگی۔ کیا آپ اس امر پر راضی نہیں ہیں کہ آسمان کے ملائکہ آپؑ کے فرزند کے مصائب پر گریہ کریں اور نہایت غم زدہ اور متاسف ہوں۔

کیا آپؑ اس پر راضی نہیں ہیں کہ جو شخص آپؑ کے بیٹے کی زیارت کے لیے جائے وہ امانِ خدا میں ہو، ان کے زائر کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نکلا ہو اور حج و عمرہ بجالایا ہو۔ جب تک ان کا زائر راستے میں رہے اس کا کوئی لمحہ رحمت خدا سے خالی نہ ہو اور اللہ کی امان اس کے شاملِ حال ہو۔ اگر وہ مر جائے تو اللہ اُسے شہیدوں کا اجر دے گا۔ اگر وہ زندہ رہے تو محافظین اعمال اس کے حق میں دعائے خیر کریں گے اور وہ ہمیشہ حفظ و امانِ خداوندی میں رہے گا، یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہوجائے۔

یہ سن کر جنابِ زہراؑ نے اپنے بابا کے حضور عرض کیا: بابا جانؐ! میں راضی ہوں اور میں نے حکمِ خداوندی کو تسلیم کرلیا ہے اور اُسی پر توکل کرتی ہوں۔

جب رسولؐ اللہ نے اپنی بیٹی کا یہ کلام سنا تو ان کے مبارک سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے آنسو پونچھ کر فرمایا:

''میں، آپؑ اور آپؑ کے شوہر اور آپؑ کے دونوں فرزند ایسے مکان میں ہوں گے کہ آپؑ کی آنکھیں اس کے مشاہدہ سے روشن اور دل شاداں و فرحان ہوگا۔ (تفسیر فرات،

ص ۱۷۱، ۲۱۹، کامل الزیارات، ص ۳۸)

جنگِ صفین میں حضرت امام حسینؑ کا پانی لانا

بعض کتب معتبرہ میں عبداللہ قیس سے روایت ہے: میں جنگِ صفین میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ جس وقت میدانِ صفین میں آپؑ کے لشکر کی معاویہ کے لشکر سے ملاقات ہوئی تو ابوایوب سلمی نے آکر دریائے فرات پر قبضہ کرلیا اور جناب امیرؑ کے لشکر تک پانی نہ جانے دیا۔ آپؑ کے لشکر میں پانی کی شدید ضرورت پیدا ہوئی اور تشنگی نے زور پکڑا تو آپؑ کے لشکر والوں نے آپؑ سے پیاس کی شکایت کی۔

آنحضرتؑ نے حکم دیا کہ ابوایوب سلمی کو اس کی فوج سمیت پانی سے ہٹا دو۔ جب یہ دستہ وہاں گیا تو اپنے مشن میں ناکام رہا اور دشمن کو دریا سے نہ ہٹا سکا۔ یہ حال دیکھ کر آپؑ سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔

اس وقت آپؑ کے فرزند عزیز حضرت امام حسینؑ نے عرض کیا: اے پدر بزرگوار مجھے اجازت دیجیے۔ جب آپؑ کو اجازت ملی تو آپ چند سواروں کے ساتھ دریا کی طرف تشریف لے گئے اور آپؑ نے ضربِ شمشیر آبدار سے ان اشرار کو کنارۂ فرات سے بھگا دیا۔ ابوایوب نے شکست کھائی تو آپؑ نے اپنا خیمہ فرات کے کنارے لگا دیا اور وہاں اپنے سواروں کو مقرر کیا اور خود بہ نفسِ نفیس جناب امیر علیہ السلام کے حضور تشریف لے گئے اور حضرتؑ کو فتح کی خبر سنائی۔

جب جناب امیر علیہ السلام نے فتح کی خبر اپنے فرزند عزیز سے سنی تو آپؑ نے گریہ کیا۔ آپؑ کے اصحاب نے عرض کیا: یا امیرالمومنینؑ! آپ کیوں رونے ہیں؟ حالانکہ یہ ہماری پہلی فتح ہے اور وہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں ظہور میں آئی ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: اس وقت مجھے بات یاد آگئی ہے کہ ایک دن اسی میرے شہزادے حسینؑ کے لیے صحرائے کربلا میں دریائے فرات کا پانی بند کردیا جائے گا اور انھیں تشنہ لب شہید کردیا جائے گا اور ان کا اسپ وفادار حیران و سرگرداں دوڑتا ہوا خیامِ حسینیؑ کی طرف جائے گا اور مستورات اور بچوں کو اپنے امامؑ کی شہادت کی خبر

دے گا، اور وہ صدائیں اور فریادیں بلند کر رہا ہوگا اور کہہ رہا ہوگا:

الظَّلِيمَةَ الظَّلِيمَةَ لِأُمَّةٍ قَتَلَتْ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّهَا

"ظلم وظلم ہوگیا ہے کہ ایک گروہ نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے"۔

رسولؐ اللہ اپنے حسینؑ کو بوقت رحلت اپنے سینہ سے ملاتے ہیں

شیخ ابن نما نے کتاب مثیر الاحزان میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے: جس وقت جناب رسالت مآبؐ مرض کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو آپؐ نے اپنے شہزادے امام حسینؑ کو اپنے سینہ سے چسپاں کیا اور اس وقت آنحضرتؐ کی پیشانی کا پسینہ امام حسینؑ کے منہ پر ٹپک رہا تھا اور اس وقت آپؐ کی روح پرفتوح اعلیٰ علیین کا قصد کیے ہوئے تھی اور آپؐ بار بار فرما رہے تھے:

"ہائے میں نے یزید کا کیا بگاڑا ہے۔ خداوند تعالیٰ اُسے برکت نہ دے اور اس پر خدا لعنت کرے۔ جس وقت آپؐ کو غش سے افاقہ ہوتا تو آپؐ امام حسینؑ کے بوسے لیتے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو اس طرح برستے جس طرح بادل برستا ہے اور آپؐ پھر رونے لگتے اور پھر ارشاد فرمایا: عزیزمن! میرے اور تیرے قاتل کے درمیان خدا کے حضور فیصلہ ہوگا"۔

جناب امیر علیہ السلام کے اشعار برائے امام حسینؑ

جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی غیبی خبریں دی ہیں وہاں آپؑ سے کچھ اشعار منسوب کیے گئے ہیں، جن میں سیدالشہداء اور کربلا کا تذکرہ ہے۔ وہ ابیات یہ ہیں:

حُسَيْنُ اِذَا كُنْتَ فِي بَلْدَةٍ غَرِيبًا فَعَاشِرْ بِآدَابِهَا

فَلَا تَفْخَرَنْ فِيهِمْ بِالنُّهٰى فَكُلُّ قَبِيلٍ بِأَلْبَابِهَا

ان اشعار میں اجتماعی آداب کی سفارش کی گئی ہے۔ آپؑ سیدالشہداء سے

خطاب کرتے ہیں: اے حسینؑ! جب آپ کسی شہر میں وارد ہوں، بعد اُس شہر میں آپ مسافر ہوں تو پھر انھی لوگوں کے ادب و آداب کو اپناؤ اور ان لوگوں کے سیر و سلوک سے تجاوز نہ کرو، لیکن یہ بات سامنے رہے کہ ان لوگوں کے آداب و معاشرت شریعتِ ربانی اور آئین حضرت نبویؐ کے خلاف نہ ہوں۔ ان لوگوں میں اپنی عقل و دانش پر فخر و مفاخرت نہ کرو، کیونکہ ہر جماعت اپنے آپ کو عقلِ کُل خیال کرتی ہے اور اپنی دانش پر وہ نازاں ہوتے ہیں"۔

وَلَوْ عَمِلَ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ   بِهٰذَا الْاُمُوْرِ كَاَسْبَابِهَا
وَلٰكِنَّهُ اعْتَامَ اَمْرَ الْاِلٰهِ   فَاُخْرِقَ فِيْهِمْ بِاَنْيَابِهَا

اس مقام میں "لوْ" شرطیہ ہے یا حرفِ تمنی ہے اور اس سے مراد آداب و معاشرت عرفیہ ہیں یا اُمور دُنیوی ہیں یا اُمور عمومی ہیں کہ جن سے لوگ پیوستہ رہتے ہیں، تاکہ تحصیلِ معاش کریں، مال و متاع جمع کریں اور جاہ و جلال کو تلاش کریں۔

اگر 'لوْ' شرطیہ ہو تو یہ مناسب حال ہے تو اس سے دوسرا معنی مراد ہے۔ اگر 'لوْ' تمنی کے لیے ہے تو پہلا معنٰی درست ہے۔ اگر 'لوْ' کو شرطیہ بنائیں تو معنٰی کچھ یوں ہوگا:

"فرزند ابی طالبؑ کے لیے ضروری ہے کہ لوگ جن اُمور سے اپنی دنیا کو بنانے کے لیے پیوستہ رہتے ہیں تو ان اُمور سے اجتناب کرے اور اپنے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اپنے اللہ کی اطاعت کو لوگوں کی خوش نودی پر مقدم رکھے اور اپنے معاملات کو اپنے اللہ کے حوالے کرے اور خواہشاتِ نفس سے دُور رہے"۔

پس اگر اس نے اس طریقے کو اپنایا، لوگوں کو ناراض کیا اور اپنے اللہ کو راضی کیا تو یہ غدار دنیا اس کی دشمن بن جائے گی۔ تو پھر دنیا پرست لوگ تیری عداوت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور ان کی دشمنی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ وہ آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور مرنے مارنے پر اُتر آئیں گے۔ آپ کو چاہیے کہ عدو کی عداوت کی پرواہ مت کریں اور اطاعت

پروردگار کو ہمیشہ اپنائیں۔ فاسق ومنافق لوگ آپ پر غالب نہ آجائیں۔

عَذِيرَكَ مِنْ ثِقَةٍ بِالذِي ‏ ‏ ‏ يُنِيلُكَ دُنْيَاكَ مِنْ طَابِهَا
فَلَا تَمْرَحَنَّ لِأَوْزَارِهَا ‏ ‏ ‏ وَلَا تَضْجَرَنَّ لِأَوْصَابِهَا
قِسِ الْغَدَ بِالْأَمْسِ كَيْ تَسْتَرِيحَ ‏ ‏ ‏ فَلَا تَبْتَغِيْ سَعْيَ رُغَابِهَا

پہلے شعر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

پہلی صورت یہ ہے: آپ وہ عمل کریں جو آپ کو تقصیر سے معذور رکھے، یعنی اس مراد یہ ہے کہ ”دنیا ومعاش آپ کو جائز طریقے سے مل رہی ہو اور آپ کے اعضا وجوارح صحیح وسالم ہوں، تو اس صورت میں اسے اپنا کر جس میں کسی اعتبار سے بھی اللہ کی ناراضی نہ ہو، اور لوگوں سے توقعات وابستہ مت کرنا بلکہ اللہ پر ہمیشہ بھروسا کرنا“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اس قول میں مِن بیانیہ ہے“۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مِن تعلیلیہ ہے تو پھر بیت کا حاصل معنیٰ یہ ہوگا۔ ”اپنے عذر کو حاضر وآمادہ رکھیے جب دنیا آپ کی طرف متوجہ ہو تو اپنی ذات پر اعتماد مت کیجیے بلکہ منعم حقیقی کو سب کچھ سمجھیے اور اُسے ہی مالک وخالق سمجھیے اور اسی کی اطاعت میں رہیے۔

جب آپ پر دنیا اور یہ روزگار فانی ہجوم کر رہے ہوں تو اس سے دل شاد وخرم نہ ہونا، کیونکہ یہ دنیا بوجھ ہی بوجھ اور گناہ کا سبب ہے، کیونکہ یہ مال ومتاع وجاہ وجلال پائیدار نہیں اور فانی ہے۔ ہاں اگر آپ کی روزی تنگ ہو چکی ہے اور مصائب وآلام نے آپ کی طرف رُخ کیا ہوا ہے تو اس سے دل تنگ مت کرنا، کیونکہ یہ دنیا باقی نہیں ہے، فانی ہے کسی پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔

آپ کا کل جو ابھی تک نہیں آیا اُسے اپنے گزشتہ کل سے قیاس کر، اپنے آپ کو اس سے راحت وسکون حاصل ہوگا۔ آپ دنیا کے بندے نہ بن جانا کیونکہ دنیا کے بندوں کی کوشش وکاوش صرف دنیا کا حول ہے۔ اپنے فردا پر غصہ مت نکال، فکر فردا میں اپنے آج کو ضائع مت کر، کیونکہ فردا گزشتہ دن کی مانند ہے۔ جس طرح تمھارا گزشتہ کل گزرا ہے، تمھارا فردا بھی اسی طرح ہے۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا ہے اور آنے والا کل آپ کے ہاتھ میں ہے ہی نہیں۔

اگر راحت وسکون چاہتے ہو تو دنیا طلبی کی طرف نہ جاؤ۔ کیونکہ اس دنیا کو بقا حاصل نہیں ہے۔ اگر دنیا کی طرف چل پڑے تو پھر تمھیں آخرت کے حصول کے لیے فراغت ہی نہ ہوگی۔

(مترجم: جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے بظاہر تو خطاب اپنے فرزند ارجمند کو کیا لیکن حقیقت میں وہ دوسروں کو خطاب فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام حسینؑ تو خود معصوم امام تھے۔ وہ ان حقائق کے عالم تھے اور ان کے عامل تھے اور اس طرح کا اندازِ الٰہی ہے کہ وہ خطاب عوام الناس سے کرتا ہے لیکن مرکزِ خطاب اپنے رسول کو بناتا ہے۔

كَانِّیْ بِنَفْسِیْ وَ اَعْقَابِ هَا وَ بِالْكَرْبَلَاءِ وَ مِحْرَابِ هَا

شارح دیوانِ امام علیؑ نے اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "میں کربلا میں اپنے تمام فرزندوں کے قریب ہوں" یعنی میں علم و امامت اور الہام الٰہی سے مطلع ہوں کہ کربلا میں میری اہلِ بیتؑ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ گویا کہ میں خود جنگِ کربلا کو اپنی آنکھوں سے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے دشمن میرے بیٹوں کو قتل کر رہے ہیں۔

مصنف نے ان ابیات کا ترجمہ یہی کیا ہے لیکن مترجم کی نگاہ میں کچھ مختلف ہے۔ اس سے آنحضرتؑ کی مراد یہ ہے کہ مَیں اس گھڑی کو علمِ امامت سے جانتا ہوں کہ میں خود محرابِ عبادت میں شہید کردیا جاؤں گا اور میری اولاد میدانِ کربلا میں اشقیاء کے ہاتھوں شہید کردی جائے گی۔ میں ان اُمور کو اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ میں محرابِ عبادت کرنے میں عبادت میں مصروف ہوں گا تو ابنِ ملجم کی تلوار زہرآلود سے میرا سر زخمی ہوگا اور میرے سر کے خون سے میری ریشِ مقدس رنگین ہوگی اور میرے فرزندان کو میدانِ کربلا میں پارہ پارہ کیا جائے گا۔ ان کے ابدان گرم ریت پر پڑے ہوں گے۔ کربلا کے تمام احوال میرے سامنے ہیں۔

"محراب ہا" کی ضمیر خود ان کی طرف راجع ہے۔ پھر آپ کا جو اگلا شعر ہے وہ ہمارے مضمون کی تائید کرتا ہے۔

فَتُخْضَبُ مِنَّا اللِّحَی بِالدِّمَاءِ خِضَابَ الْعَرُوْسِ بِاَثْوَابِ هَا

"پس میری ریش اور میرے فرزندوں کی مقدس ریشیں ان کے اجسام

کے خون سے اس طرح رنگین کردی جائیں گی، جس طرح دلہنیں شبِ عروسی رنگین لباس زیبِ تن کرتی ہیں۔ ہم میں سے بعض محرابِ عبادت میں شہید ہوں گے اور بعض میدانِ کربلا میں شہادت کا مرتبہ پائیں گے"۔

اگلا مصرع اس مضمون کی تائید کرتا ہے:

وَاُوتِیتُ مِفتَاحَ اَبوابابِ ھا اَرَاھَا وَلَمْ یَكُ رَاَیَ العَیَانِ

جناب امیر علیہ السلام کے دیوان کے شارح نے اس بیت کی کچھ اس طرح شرح کی ہے: "یہ واقعات جو رونما ہونے والے ہیں میں نے انھیں اپنی چشم سے دیکھا ہے، ان دروازوں کی چابیاں مجھے دے دی گئی ہیں"۔

مصنف نے کہا کہ اس سے آپؑ کی مراد ہے کہ ان واقعات کو مَیں نے خواب میں دیکھا ہے نہ کہ عالم بیداری میں۔ ابن عباس کی گزشتہ روایت اس امر پر شاہد ہے لیکن خود مترجم کی نظر میں یہ معنیٰ موجود ہے، یعنی وہی معنیٰ ہوگا، جو آپؑ نے فرمایا:

یہ وقائع وارد ہوں گے، جنھیں میں دیکھ چکا ہوں اور یہ سب میرے جانے کے بعد وارد ہوں گے۔ انھیں مَیں نے دل کی آنکھ سے دیکھا ہے نہ کہ ظاہری آنکھ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام امور اپنے نبی کو بتا دیے تھے اور اُنھوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا، کیونکہ رسولؐ اللہ نے مجھے علم کے کئی ہزار ابواب تعلیم کیے اور اُنھوں نے بہت سے اُمور جو مستقبل میں وارد ہونے والے تھے ان کے بارے میں مجھے بتا دیا تھا۔

فَاَعْدِدْ لَهَا قَبلَ مُنْتَابِ ھَا مَصَائِبُ تَابَاكَ مِنْ اَنْ تُرَدْ

"مصائبِ کربلا ضرور بالضرور آپؑ پر وارد ہوں گے۔ یہ دل سوز مصائب ہر صورت میں آپ پر نازل ہوں گے، پس ان کے لیے اپنے آپ کو آمادہ رکھنا"۔

قِیَامَةِ وَالنَّاسُ فِي دَابِ ھَا سَقَى اللهُ قَائِمَنَا صَاحِبَ ال

"خداوند تعالیٰ قائم آلِ محمدؐ کو سیراب کرے اور اپنی رحمت و لطف آپؑ

کے شامل حال کرے، کیونکہ وہ صاحب قیام ہیں کیونکہ آپؑ کی امامت وخلافت قیامت تک باقی رہے گی"۔

آپؑ کی حکومت کا زمانہ قیامت تک رہے گا کیونکہ آپؑ کے زمانے میں کچھ مومنین اور کچھ کافر زندہ ہوں گے اور وہ مومنین قیامت تک زندہ رہیں گے اور آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے انتقام لیں گے، کیونکہ قیامت کا دن روزِ جزا اور روزِ انتقام ہے اور قیامت کے دن اُمور کی حقیقت آشکارا ہوگی۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (سورۂ طارق، آیہ ۹)

"جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے"۔

ظہورِ امام علیہ السلام مانند یومِ قیامت ہے کہ وہ دن اچانک برپا ہوگا اور لوگ حالتِ غفلت میں ہوں گے اور وہ اپنے لہو ولعب و معاصی میں مصروف ہوں گے۔ اچانک امامؑ کی تلوار بلند ہوگی اور وہ تلوار کے زور سے لوگوں کو لہو ولعب سے روکیں گے۔

یا پھر مراد یہ ہے کہ آپؑ کا ظہور طول کھینچے گا اور جس وقت آپؑ کا ظہور ہوگا اس وقت لوگ سخت مشکلات کا شکار ہوں گے۔

هُوَ الْمُدْرِكُ الثَّأْرِ لِي يَاحُسَيْنُ — بَلْ لَكَ فَاصْبِرْ لَاتْعَابَ هَا
لِكُلِّ دَمٍ أَلْفٍ أَلْفٍ وَمَا — يُقَصِّرُ فِي قَتْلِ أَحْزَابَ هَا
هُنَا لِكَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ — قَوْلٌ بِعُذْرٍ وَاعْتَابَ هَا

امامِ زمان علیہ السلام کا انتقام

میرے فرزند حسینؑ! قائم آلِ محمدؐ! ہمارے قاتلوں سے ہمارے خون کا حساب لیں گے بلکہ آپؑ کے انتقام کا علَم بلند کریں گے۔ جب آپؑ مصائب و آلام کے طوفانوں میں گھر جائیں تو اس وقت صبر و تحمل سے کام لینا، ہمارے ایک خون کے بدلے ہمارے ہزار دشمنوں کا خون بہایا جائے گا۔ ہمارے تمام دشمنوں سے بھرپور انداز میں انتقام لیا جائے گا۔ اس وقت ہمارے دشمن عذر پیش کریں گے تو ان کا عذر قبول نہ ہوگا اور انھیں صفحۂ ہستی سے

مٹا کر رکھ دیا جائے گا۔

حُسَيْنُ فَلَا تَضْجَرَنْ لِلْفِرَاقِ ‏ ‏ فَدُنْيَاكَ اَضْحَتْ لِتَخْرَابِ هَا

سَلِ الدُّوْرَ تُخْبِرْ وَاَفْصِحْ بِهَا ‏ ‏ بِاَنْ لَا بَقَاءَ لِاَرْبَابِ هَا

"اے میرے حسینؑ! جب آپؑ کے احباب قتل ہو جائیں تو اس وقت اللہ کی رضا اور خوش نودی کو سامنے رکھنا اور ان کے فراق میں دل تنگ نہ ہونا، کیونکہ دنیاوی زندگی جلد تخریب کا شکار ہونے والی ہے۔ آپ اس دنیا اور دنیا والوں سے پوچھیں کہ تمھارا کیا حال ہے؟ تو وہ یہی جواب دے گے کہ یہاں فنا ہے اور دنیا بے وفا ہے"۔

اَنَا الدِّيْنُ لَا شَكَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ‏ ‏ بِآيَاتِ وَحْيٍ وَاِيْجَابِ هَا

لَنَا سِمَةُ الْفَخْرِ فِيْ حُكْمِهَا ‏ ‏ فَصِلْتُ عَلَيْنَا بِاِعْرَابِ هَا

فَصَلِّ عَلٰى جَدِّكَ الْمُصْطَفٰى ‏ ‏ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ لِطُلَّابِ هَا

امامؑ مظہرِ دین ہیں

میں دینِ خداوندی ہوں کہ جو میری امامت و خلافت پر ایمان رکھتا ہے اُسے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے اور جو میری امامت و خلافت کا عقیدہ نہیں رکھتا، وہ دینِ خداوندی سے دُور ہے۔ پس میں دینِ خدا ہوں۔ میری محبت و اطاعت تمام عالمین پر واجب ہے، کیونکہ قرآنِ مجید میں میری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (سورۂ مائدہ، آیہ ۳)

میں دینِ خداوندی ہوں، اس میں اہلِ ایمان کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ کافروں اور منافقوں کو شک ہے، کیونکہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں بھی شک کیا تھا۔

ہمیں اس امر پر فخر ہے کہ ہم آیاتِ خداوندی کے حقائق کے عالم ہیں۔ ہم ان کے ظواہر و بطون کو خوب جانتے ہیں۔ ہم ہی اہلِ بیتؑ رسالتؐ ہیں اور یہ ہمارا اعزاز ہے۔ اس

میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں ہے۔ پس قرآن کی آیات نے ہم پر بہت زیادہ درود وسلام بھیجے ہیں۔

فرمانِ خداوندی ہے:

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ (سورۂ صافات، آیہ ۱۳۰)

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے آپ کا ایک اسمِ مبارک یٰسین ہے۔

اس طرح ایک اور مقام پر ہے:

وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (سورۂ نمل، آیہ ۵۹)

مصنف نے شارح دیوان امیرالمومنینؑ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ آیات جو صلوات کے مضمون پر مشتمل ہیں، وہ صرف یہ دو آیات نہیں ہیں بلکہ قرآنِ مجید کی چوتھائی اہلِ بیتؑ رسول اللہؐ کی شان کے بیان پر مشتمل ہے۔

"پس اپنے جد بزرگوار پیغمبر خدا پر درود بھیجو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں"۔

٭٭٭

بابِ نہم

عظمتِ مصائبِ سیدالشہداؑ ء

مصائبِ عاشورا کی عظمت کا سبب

علل الشرائع میں عبداللہ بن فضل ہاشمی سے روایت ہے: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا: عاشورا کا دن گریہ و مصیبت اور غم و اندوہ کا دن کس سبب سے ہے؟ کیا رسولِ اکرمؐ و جنابِ سیدہؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ایامِ شہادت حزن و غم اور آہ و بکا اور گریہ و زاری میں روزِ عاشورا کے برابر نہیں ہیں؟

جنابِ صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا: اے عبداللہ! حضرت امام حسین علیہ السلام کا روزِ شہادت تمام ایام سے بزرگ تر اور عظیم تر ہے، کیونکہ آلِ عبا اور اصحابِ کساء یہ سب گرامی ترین انسان ہیں۔ یہ پانچ تن ہیں جنھیں اللہ کی بارگاہ میں ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے اور لوگ ان پانچوں کو یک جا مشاہدہ کرتے تھے۔ جب رسولِ کائنات نے رحلت فرمائی تو جناب امیرالمومنینؑ، حضرت فاطمہؑ زہرا اور حسنینؑ شریفین موجود تھے۔ لوگ اپنے قلوب کو ان بزرگوں کی زیارت سے تسلی دیتے تھے۔

جب جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس دنیا سے انتقال فرمایا تو لوگ اپنے قلوب کو جنابِ امیر علیہ السلام اور حسنین شریفینؑ کی زیارت سے تسلی دیتے تھے۔ جب جنابِ امیرالمومنینؑ کی شہادت ہوئی تو لوگ جنابِ حسنین شریفینؑ کی زیارت سے تسلی پاتے تھے۔ جب حضرت امام حسنؑ کو زہر سے شہید کیا گیا تو لوگ حضرت امام حسینؑ سے تسلی و تسکین حاصل کرتے رہے۔ جب وہ آپؑ سے ملتے تو وہ اس دیدار سے دلشاد ہو جاتے تھے۔

جب یہ آلِ عبا کا پانچواں بزرگوار شہید ہوا تو پھر کوئی معصوم پنج تن سے باقی نہ بچا کہ جس کی زیارت سے لوگ اپنے قلوب کو تسلی دیں۔ اسی لیے شہادتِ امام حسینؑ سب بزرگوں کی شہادتوں کے برابر ہے اور آپؑ کی زندگی بھی سب کی زندگیوں کی مثل ہے اور آپؑ کا

روزِ شہادت سب مصیبتوں سے عظیم تر ہے۔

راوی نے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: کیا شہادتِ امام حسینؑ کے بعد امام علی بن الحسینؑ موجود تھے تو ان کے دیدار سے لوگوں کی تسلی کا سامان نہ ہوسکا۔ کیا ان کی زیارت پنج تن کی زیارت جیسی نہ تھی؟

حضرت صادق آلِ محمدؑ نے فرمایا: حضرت امام زین العابدینؑ کی ذات والاصفات سید عالمین و زین العابدین اور وہ تمام عالمین پر حجتِ خدا تھے اور تمام لوگوں کے امام و رہبر تھے لیکن آنجنابؑ نے پیغمبرؐ کے زمانے کو درک نہیں کیا تھا اور ان کی پیغمبر اکرمؐ سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اُنھوں نے رسولؐ اللہ کی زبان معجز بیان سے وحی الٰہی کو نہیں سنا تھا بلکہ اُنھوں نے علم کو اپنے دادا جناب امیر المومنین امام علی علیہ السلام سے حاصل کیا تھا۔ لیکن جناب امیر المومنینؑ، جناب فاطمہ زہراؑ اور حسنین شریفینؑ نے علم بارگاہِ رسالت سے حاصل کیا تھا اور اُنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ دیکھا تھا۔ پس لوگوں نے بھی اُنھیں پیغمبرؐ کی متعدد مجالس و محافل میں دیکھا تھا اور وہ آپؐ کی زندگی تک اُنھی کی صحبت میں رہے۔ پس جب لوگ اُن میں سے کسی ایک کو دیکھتے تھے تو اُنھیں رسولؐ اللہ کا طریقہ وسلیقہ اُنھی میں نظر آتا تھا۔

جب تمام آلِ عبا اور اصحابِ کسا اس دنیا سے چلے گئے تو تمام لوگ اُس چہرۂ مبارک کی زیارت سے محروم ہوگئے جو اللہ کی بارگاہ میں مکرم و محترم تھا۔ جب تک حضرت امام حسین علیہ السلام زندہ تھے تو وہ ان کی نشانی تھے۔ لوگ اس فیض سے محروم نہ ہوئے تھے لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بھی اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا روزِ شہادت آلِ عبا اور اصحابِ کسا کی شہادت کا بزرگ ترین دن تھا۔ اسی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا دن ان تمام بزرگواروں کے ایامِ شہادتوں سے عظیم تر ہے اور آپؑ کی شہادت کا روز غم واندوہ کے اعتبار سے بہت زیادہ مؤثر ہے۔

کچھ لوگ روزِ عاشورا کو بابرکت سمجھتے ہیں

عبداللہ بن فضل ہاشمی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں

عرض کیا: حضرت امام حسین علیہ السلام کا روزِ شہادت روزِ مصیبت و اندوہ ہے لیکن کچھ لوگ جو اُمت مسلمہ سے تعلق رکھنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں پھر بھی اس روز کو روزِ برکت سمجھتے ہوئے سال بھر کا آذوقہ جمع کرتے ہیں۔

جس وقت آپؑ نے میری یہ بات سنی تو آپؑ نے رونا شروع کر دیا اور فرمایا: اے میرے چچا کے بیٹے! جس وقت فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا تو شام میں جو لوگ یزید (لعنتی) کے مقرب تھے اُنھوں نے اُسے خوش کرنے کے لیے احادیثیں گھڑیں اور اپنی ان جعلی حدیثوں کے عوض یزید سے انعام حاصل کیا۔ یہ وہ احادیث جعلی اور جھوٹی ہیں کہ روزِ عاشورا گھر کے لیے مال جمع کیا جائے تو سال بھر گھر میں برکت رہے گی۔

ان لوگوں نے ایک سازش تیار کی کیونکہ جملہ اہلِ اسلام روزِ عاشورا نواسۂ رسولؐ کے غم میں محزون و مغموم ہوتے ہیں تو اُس دن کوشش کی جائے کہ انھیں نواسۂ رسولؐ کا غم نہ منانے دیا جائے اور انھیں گھریلو ضروریات پر لگا دیا جائے تاکہ وہ نواسۂ رسول کا ذکر نہ سن سکیں اور ان کے مصائب پر گریہ نہ کر سکیں اور سال بھر کے لیے ذخیرہ اندوزی میں مصروف رہیں۔

پس خداوند تعالیٰ ہمارے اور ہمارے ان دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔ بعدازیں آپؑ نے فرمایا: اے پسرِ عم! ان جھوٹی احادیث کا ضرر اسلام اور اہلِ اسلام (جو عام لوگ ہیں) ان پر کم ہے، ان کا زیادہ اثر ان لوگوں پر ہے جو ہماری دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہماری امامت کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے وہ اپنے اسی عقیدے کی بنا پر یہ چاہتے تھے کہ اُموی قاتلوں پر عذاب نہ ہو۔

اے پسرِ عم! جو یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرتؑ شہید نہیں ہوئے تو اُس نے رسول اللہؐ کو جھوٹا کہا اور جھوٹ کی نسبت تمام ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی طرف دی اور ان تمام احادیث کو جھوٹا کہا جن میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ذکر ہے اور جس شخص نے رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی تکذیب کی تو وہ کافر ہے۔ بخدا ایسے آدمی کا خون مباح ہے۔ ایسے شخص کے لیے جو ایسے کلمات سنے۔

راوی نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ کا ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو

آپؑ کے شیعہ ہیں اور ایسا عقیدہ رکھتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ایسے لوگ ہمارے شیعہ نہیں ہیں، ہم ان سے بیزار ہیں۔

مسخ شدہ لوگ

عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس آیت مقدسہ سے کیا مراد ہے:

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ (البقرہ، آیہ ۶۵)

"تم اپنے ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جنھوں نے سبت (ہفتہ) کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو ہم نے انھیں حکم دیا تھا کہ ذلیل بندر بن جاؤ"۔

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! ان لوگوں نے حدود سے تجاوز کیا اور امر خداوندی کی مخالفت کی، انھیں مسخ کر دیا گیا۔ وہ تین دن تک زندہ رہے، اس کے بعد مر گئے اور ان کی نسل باقی نہ رہی۔ یہ بندر جو اس وقت موجود ہیں یہ ان مسوخ بندروں کی نسل سے نہیں ہیں مگر اُن سے مشابہ ہیں اور اس طرح خنزیر اور باقی تمام مسوخات میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے اور یہ موجود انھی کے مشابہ ہیں اور ان کا گوشت حرام ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ فرقہ غالی پر لعنت کرے جو ہمارے حق میں غلو کرتے ہیں اور حدود سے تجاویز کرتے ہیں اور اللہ کی لعنت ہو، مفوضہ پر بھی جو کہتے ہیں: اللہ نے مخلوق عالم کی تخلیق کو ہم پر چھوڑا ہے، اس لیے اُنھوں نے خدا کی نافرمانی کو صغیر اور سبک جانا۔ پس وہ کافر ہوئے اور اُنھوں نے خدا کے لیے شریک بنایا اور گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا ہے تا کہ لوگ واجبات خداوندی ادا نہ کریں اور اس کے بندوں کے حقوق ادا نہ کریں"۔ (شیخ صدوق، علل الشرائع، ج ۱، ص ۲۲۵)

زمانِ ذلت مسلمانان

خصال میں عمرو بن بشر ہمدانی سے روایت ہے: میں نے ابواسحاق سے پوچھا:

مسلمانوں کی ذلت وخواری کی ابتدا کب سے ہوئی اور ان کی عزت ذلت میں کب بدلی؟

اس نے کہا: جب اُنھوں نے حسینؑ بن علیؑ کو شہید کیا اور زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ وہ ابوسفیان کے نطفے سے پیدا ہوا اور اُسے معاویہ کا بھائی بتایا گیا اور عبدِ خدا و مردِ صالح حجر بن عدی کو قتل کیا گیا۔ (خصال، ج ۱، ص ۱۸۱، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۶، ص ۵۱)

ایک غلط عقیدہ کہ امام حسینؑ قتل نہیں کیے گئے

احتجاج میں اسحاق بن یعقوب سے روایت ہے: حضرت صاحب العصر والزمانؑ کی طرف سے میرے لیے محمد بن عثمان نائب امامِ زمانہؑ کے دست پر توقیع شریف جاری ہوئی کہ آپؑ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا کہ جس کسی نے کہا: حضرت امام حسین شہیدؑ نہیں کیے گئے تو اس نے قولِ خدا، قولِ رسولؐ اور اقوالِ ائمہ ہدیٰ کی تکذیب کی اور یہ عقیدہ الحاد و ضلالت ہے۔ (احتجاج، ج ۲، ص ۴۶۹، کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۳، کتاب الغیبۃ، ص ۲۹، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۵۳۱، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۱۱۱۳، اعلام الوریٰ، ص ۴۵۲)

ایک غلط استدلال اور اس کا بطلان

عیون رضا میں ابوصلت ہروی سے روایت ہے: میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کوفہ شہر میں ایک گروہ رہتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حنظلہ بن سعد شامی کو ان کے مشابہ کر دیا اور کافروں نے اُنھیں امام حسین علیہ السلام گمان کرتے ہوئے قتل کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا جس طرح کہ جناب عیسیٰؑ کو اُٹھا لیا گیا تھا اور اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں یہ آیت پڑھتے ہیں:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء، آیہ ۱۴۱)

"خداوند تعالیٰ کافروں کو مومنین پر مسلط نہیں فرماتا"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایسے لوگوں پر لعنت ہو۔ ان لوگوں نے اپنے اس عقیدہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔

اس لیے یہ کافر ہیں حالانکہ آپؐ نے بارہا فرمایا تھا کہ ان کی وفات کے بعد بہت جلد امام حسین علیہ السلام کو شہید کردیا جائے گا۔ پھر حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: بخدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کردیا گیا تھا وہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے بہتر تھے، وہ بھی یعنی حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام بھی شہید ہوئے۔

آپؑ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو نہ مارا جائے۔ بخدا! مجھے بھی حیلہ و مکر سے زہر جفا کے ساتھ شہید کردیا جائے گا۔ میرے قتل کی خبر مجھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذرائع سے پہنچ چکی ہے جسے میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ اُنھیں جناب جبرئیلؑ امین نے خبر دی اور جناب جبرئیل کو اللہ نے یہ خبر دی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (سورۂ نساء، آیہ ۱۴۱)

''اور خدا ہرگز کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں دے گا''۔

سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے کافر کو مومن پر حجت نہیں بنایا بلکہ مومن کی حجت کافر پر تمام تر اور غالب تر ہوگی۔

آپؑ نے فرمایا: یہ لوگ کس دلیل سے ایسا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے یہ مراد ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن میں کئی ایک مقامات پر کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ کے نبیوں کو ازراہِ ظلم و ستم قتل کیا لیکن باوجود قتل کرنے کے پیغمبروں کی حجت ان پر غالب نہ تھی اور ان کی حقیقت ظاہر تھی۔ (عیونِ اخبار الرضا، ج۲، ص ۲۰۳)

(مترجم: اس روایت میں اشکال ہے کہ ان واضعینِ حدیث کا اس حدیث سے یہ عقیدہ سامنے آتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو سہو ہوتا تھا لیکن حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے: جس کسی نے یہ عقیدہ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا، وہ ملعون ہے۔ تمام علمائے شیعہ پیغمبرانِ گرامی اور ائمہ ہدیٰ سے سہو کے صدور کے عقیدہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ اُنھوں نے اس عقیدہ کو رد کیا ہے۔

***

بابِ دہم

اولیائے اِلٰہی کی آزمائش کی وجہ

چند شبہات کے جواب

اکمال الدین، احتجاج طبرسی اور علل الشرائع میں محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی سے مروی ہے: ایک دن حضرت شیخ جلیل ابوالقاسمؒ بن روح کی مجلس میں شیعوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ انھی میں علی بن عیسیٰ قصری بھی تھے۔ اچانک اس مجلس میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اُس نے شیخ ابوالقاسمؒ کی خدمت میں عرض کیا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

جناب ابوالقاسمؒ نے فرمایا: ہاں پوچھیے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔

اُس آدمی نے نائب امام کے حضور عرض کیا: یہ بتائیں کیا امام حسین علیہ السلام حجتِ خدا اور اس کے ولی تھے؟

شیخ بزرگوار نے فرمایا: جی ہاں! حضرت امام حسین علیہ السلام حجتِ خدا تھے اور اللہ کی طرف سے اس کی زمین پر امام اور پیشوا تھے۔

پھر اس آدمی نے عرض کیا: ان کا جو قاتل تھا خدا اس پر لعنت کرے، کیا وہ دشمنِ خدا تھا؟

شیخ ابوالقاسمؒ نے فرمایا: جی ہاں! آنحضرت کا قاتل خداوند تعالیٰ کا دشمن تھا۔

اس آدمی نے عرض کیا: کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کو اپنے دوست پر غالب کردے؟

جناب ابوالقاسمؒ نے فرمایا: میں جو کچھ تمھیں کہوں اُسے سنو اور پھر سمجھنے کی کوشش کرو۔ خداوند تعالیٰ کا قانون ہے کہ اُس نے ظاہر و باہر صورت میں ہر ایک سے خطاب نہیں فرمایا اور تمام لوگ اللہ کے کلام کو سن سکتے ہیں، اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انھی میں سے رسول بھیجا ہے جو انھی کی طرح ہے۔ اگر رسول انھی میں

سے نہ ہوتا اور انھی کی شکل نہ ہوتا اور غیر جنس سے ہوتا تو لوگ اُس سے نفرت کرتے اور اس کی باتوں کو قبول نہ کرتے اور جب رسول اُنھی میں سے اور انھی کی جنس سے ہے۔ اللہ نے جب اُن کو بھیجا تو اس وقت بھی لوگوں نے ان کی ذات پر اعتراض کیا تھا کہ یہ لوگ ہماری طرح ہوں، کھانا کھاتے ہوں اور بازاروں میں جاتے ہوں۔ اس وقت تک تمھاری بات قبول نہ کریں گے جب تک تم کوئی ایسی چیز نہ لاؤ کہ جس کے کرنے سے ہم عاجز ہوں اور ہم اس پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو اس وقت ہم تسلیم کرلیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور خلافت کے لیے تمھیں مخصوص کیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت اور اکمال برہان کے لیے اپنے ہر پیغمبر کو واضح معجزات اور ظاہر و باہر آیات عطا کیں، تو اہلِ عصر ان کے سامنے عاجز رہے اور ان کا مقابلہ نہ کرسکے۔ بعض پیغمبرؑ اپنی اُمت کو ڈراتے رہے، آخر تنگ آکر طوفان لائے اور قوم کے سرکشوں اور باغیوں کو غرق کردیا۔ بعض لوگوں نے اپنے نبی کو آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آگ ان پر سرد کردی اور اُنھیں ہر ضرر سے محفوظ رکھا۔ آگ ان پر گلستان بن گئی کہ جس پر بہشت عنبر سرشت کا گمان ہونے لگا۔ وہیں فصول اربعہ سے متعلقہ تمام ثمردار اشجار اس آتش شعلہ ور میں آناً فاناً پیدا ہوگئے اور اللہ نے اُسی آگ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے سرد و سلامت بنادیا کہ جب خداوند قادر کی قدرتِ کاملہ اور سطوت قاہرہ پر نگاہ پڑی تو صاحبانِ عقل حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔

دین کی ترویج اور اوامر و نواہی کے اجرا کے لیے بعض نبیوں نے چٹان سے ناقہ برآمد کی کہ اُسی ساعت اس کے پستانوں سے دودھ جاری ہوگیا۔ اس کے دودھ سے اس علاقہ کے تمام لوگ مستفید ہونے لگے تھے۔ بعض انبیاؑ نے دریائے مواج کو شگافتہ کردیا۔ اس میں راستے بن گئے اور اس کے ماننے والوں نے دریا کو عبور کیا اور اپنے فتنہ جو، ستم پیشہ طاغی و باغی دشمن سے نجات حاصل کی۔ پھر اسی نبی نے اثباتِ نبوت و رسالت کے لیے چٹان پر اپنا عصا مارا اور اُس سے شہد سے شیریں اور شکر سے خوش تر چشمے جاری ہوگئے۔ عصا خشک ہیبت ناک سانپ بن گیا، جس کے سامنے ساحروں کا سحر لمحہ بھر کے لیے نہ ٹھہر سکا۔ جاہل لوگ جس جادو

کے کارنامے کو حقیقت سمجھے بیٹھے تھے، وہ اس خدائی اژدھے کی نمود سے ان کی حقیقت نہ رہی۔ وہ اژدھا آیا اور جادوگروں کی رسیوں کو چشمِ زدن میں ہڑپ کر گیا۔ پھر ان رسیوں کا نام ونشان بھی نہ رہا۔

بعض پیغمبروںؑ نے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اپنے معجزنما ہاتھ کے ساتھ مادرزاد اندھوں کو بینائی بخش دی اور بروص کو مرضِ برص سے نجات دے دی اور مُردوں کو اذنِ پروردگار سے زندہ کر دیا، اور لوگ جب اپنے گھروں میں جو کھانا کھاتے تھے یا ذخیرہ کرتے تھے اُنھیں ان کی خبر دے دیتے تھے۔ کسی نبیؐ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے اور ماہِ عالم تاب کو دونیم کر دیا اور خداوند تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ سے بے زبان حیوان پُر فصاحت زبان میں ان کے ذریعے بات کرنے لگے تھے اور نبی کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے لگے تھے جیسے اُونٹ، بھیڑیے وغیرہ وغیرہ۔

جب پیغمبرانِ گرامیؑ ان معجزات ظاہرات اور آیات واضحات کو عوام میں لائے تو عوام ایسے اُمور بجا لانے میں اپنے آپ کو عاجز جانتے تھے۔ ان حالات کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی حکمت کاملہ رہی کہ اپنے پیغمبروں کو باوجود ان سب معجزات کے کبھی لوگوں پر غالب کیا اور کبھی مغلوب کیا۔

اگر پیغمبرؑ باوجود ان معجزات اور خوارقِ عادات کے ہر حال میں غالب اور قاہر رہتے اور وہ مغلوب نہ ہوتے تو لوگ اُنھیں خدا سمجھنے لگتے۔ پھر مصائب کے وقت ان کے صبر کا بھی پتا نہ چلتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے احوال کو بھی مثل دوسروں کے رکھا تاکہ وہ مصائب و آلام میں صبر کریں اور راحت و آرام میں شکر کریں، اور ہر حال میں تواضع و فروتنی سے رہیں، تکبر و غرور نہ کریں تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ ان کے لیے ایک خدا ہے جو سب کا مالک و خالق ہے، تاکہ اس کی عبادت و اطاعت کریں اور اللہ کی حجت اس شخص پر تمام ہو جو حدود سے تجاوز کرے اور ان کی خدائی کا دعویٰ کرے یا جو پیغمبرانؑ اپنے خدا سے اُمور لائے ہیں ان کا انکار کرے تاکہ جو ہلاک ہو تو وہ اتمامِ حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو نجات پائے تو وہ دلیل و برہان سے نجات پائے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (انفال، آیہ ۴۲)

"تا کہ جو شخص ہلاک (گم راہ) ہو وہ (حق کی) حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے"۔

تا کہ کل روزِ قیامت بندوں کی اللہ پر حجت نہ رہے۔ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ دنیا میں ہم پر اتمامِ حجت نہیں ہوئی تھی اور ہم پر پیغمبروں کا امر واضح نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ ان پر اتمامِ حجت کردی ہے، تا کہ ان کی حجت خدا پر نہ رہے۔

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: میں کل دوبارہ جناب ابوالقاسم کی مجلس میں گیا۔ میرے دل میں شک تھا کہ کیا یہ بات شیخ بزرگوار نے اپنی طرف سے کہی تھی جو ان کے ذہن کی پیداوار تھی یا امام صاحب العصرؑ سے پوچھ کر یہ بات کی تھی؟

جب میں ان کے حضور پہنچا کہ میں سوال کروں کہ کل والی بات کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے میرے سوال کرنے سے پہلے فرما دیا:

"اے محمد بن ابراہیم! مجھ پر یہ آسان ہے کہ میں آسمان سے زمین پر گر پڑوں اور کوئی پرندہ مجھے اپنی چونچ اور پنجوں میں دبوچ کر اُٹھا لے جائے اور چیر پھاڑ کر کھا جائے یا تند و تیز ہوا کا جھونکا آئے اور وہ مجھے دُور دراز کے سخت و سنگلاخ مقام پر دے مارے اور جس سے میرے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں کہ میں دینِ خداوندی میں اپنی رائے و فکر کو داخل کروں اور خواہشِ نفس سے دین کی بات کروں۔ کل میں نے مسائل کے جواب میں جو کچھ کہا تھا وہ میں نے صاحب العصر سے سن رکھا تھا۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کیا ہے؟

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ، آیہ ۳۰)

"اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے

آتی ہے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے"۔

ابن رماب کا بیان ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ اہل بیتؑ پر مصائب پہنچے ہیں جناب امیرالمومنینؑ اور جو باقی صاحبان مصیبت زدہ ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے افراد تھے اور ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوئے۔

حضرت صادق آل محمدؑ نے فرمایا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے، نبیؐ تھے باوجود اس کے آپ شبانہ روز ایک سو مرتبہ استغفار کرتے تھے حالانکہ آپؐ گناہوں سے پاک تھے۔ خداوند تعالیٰ اپنے ولیوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے حالانکہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن ان کے مصائب کے عوض اُنھیں لامتناہی ثواب عطا فرماتا ہے۔

(مترجم: امام علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیات عموی حکم رکھتی ہیں۔ یہ پوری اُمت کو شامل ہیں۔ صرف خواص یعنی انبیاؑ اور اولیاؑ تک محدود نہیں ہیں، کیونکہ جو مصائب پیغمبروںؑ اور اوصیاؑ پر نازل ہوئے اس وجہ سے ہوئے تاکہ ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو، نہ کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر یہ مصائب آئے تھے کہ اُنھیں اس طریقے سے معذب کیا جا رہا ہو۔ بعض اوقات استغفار، بلندئ درجات اور تقرب خداوندی کا سبب ہوتی ہے۔ پیغمبرانِ گرامیؑ اور پیشوایانِ دین بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرتے تھے تو اس سے ان کے درجات بڑھتے تھے اور وہ خداوند کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

حضرت ایوبؑ کا امتحان

خصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپؑ نے ایک دن فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی سات سال تک آزمائش کی۔ آپ اس دوران مختلف مصائب کا شکار رہے۔ یہ مصائب ان کے گناہوں کے سبب نہ تھے، کیونکہ وہ معصوم نبیؑ تھے۔ آپؑ کے بدنِ مبارک پر پھوڑے نکل آئے تھے لیکن باوجود اس بیماری کے آپ کا بدنِ مبارک بدبودار نہ ہوا تھا، آپؑ کی صورتِ مبارک قبیح منظر نہ ہوئی تھی اور آپؑ کے

پھوڑوں سے پیپ اور خون نہیں بہتا تھا۔ لوگ دیکھ کر آپؑ سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ آپؑ کے کسی عضو میں کیڑے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ خداوند تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب وہ اپنے کسی ولی کی آزمائش کرتا ہے تو اس کے بدن کو قابلِ کراہت اور قابلِ نفرت نہیں بناتا۔ لوگ حضرت ایوب علیہ السلام سے ان کی بیماری کی وجہ سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ آپؑ سے فقر کی وجہ سے دُور رہنے لگے تھے۔ آپؑ جسمانی اور مالی اعتبار سے کمزور ہوگئے تھے اس لیے لوگوں نے آپؑ سے دُور رہنا شروع کر دیا تھا، کیونکہ وہ لوگ آنجنابؑ کے امر باطنی سے جاہل تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ بارگاہِ خداوندی میں انھیں کس قدر قرب و منزلت حاصل ہے اور وہ اس کی بارگاہ میں کس صورت میں نصرت و کشائش کے حق دار بن گئے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: کائنات میں مصائب و آلام کے لحاظ سے سب سے بڑا حصہ پیغمبرانؑ رکھتے ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ اس امر میں بڑا حصہ رکھتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کی معرفت زیادہ رکھتے ہیں اور عبادتِ پروردگار میں حدِ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔

حضرت ایوبؑ اور باقی انبیاؑ کی آزمائش کی وجہ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے کسی گناہ کی وجہ سے معصیت میں مبتلا نہ کیا تھا کہ اُن سے کوئی خطا ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب اس شکل میں بھیج دیا۔ ایسی بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ایسا طریقہ اپنے انبیاؑ میں اس لیے جاری فرمایا کہ جب معصیت زدہ لوگ اللہ کے نبیؑ یا ولی کو مصائب میں گھرا دیکھیں گے تو ان پر وہ معصیت (جس میں وہ مبتلا ہیں) آسان ہوجائے گی، کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ نمائندگانِ الٰہی بھی مصائب زدہ ہوسکتے ہیں تو پھر ہم کون ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کی آزمائش میں یہ حکمت بھی تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ خدا نہیں ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ لوگ ان مصائب سے یہ استدلال کریں کہ اللہ کی طرف سے عطائے ثواب کی دو قسمیں ہیں:

ایک استحقاق اور دوسرا اختصاص، تاکہ لوگ ظاہری ضعف کی وجہ سے انھیں حقیر نہ

جانیں اور ظاہری فقر کی وجہ سے حقیر نہ سمجھیں اور مرض کی وجہ سے اُنھیں مریض نہ جانیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ازراہِ استحقاق عطا کرتا ہے تو وہ اپنے اُس بندے کی لیاقت کو دیکھتا ہے۔ اس کے خلوص کو دیکھتا ہے۔ اس کی بندگی و اطاعت کو دیکھتا ہے اور جب اُس پر مصائب نازل ہوتے ہیں تو اس کے صبر و شکر کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمات نازل فرماتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا جو دوسرا طریقۂ اختصاص ہے وہ اس کی خاص عنایت ہوتی ہے وہ اپنے بندوں پر تفضّل و احسان کی بنا پر اُنھیں سب کچھ عطا کردیتا ہے۔ مسئلہ نبوت و امامت میں صاحبانِ نبوت و امامت کو ملکۂ عصمت کا عطا کرنا اس کی اختصاصی عطا ہے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ عزت و ثروت، ضعف و پریشانی، فقر و بلا خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہیں تاکہ ضعیف اپنی ضعیفی کو، فقیر اپنی فقیری کو، مریض اپنے مرض کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانے اور اپنے آپ کو حقیر خیال نہ کرے اور اپنی طرف ازراہِ حقارت نہ دیکھے۔ بس صرف اللہ ہی کو قادرِ مطلق جانیں کہ یہ سب کچھ اُسی کی طرف سے ہے جسے چاہے مرض دے دے جسے چاہے شفا دے دے۔ خداوند تعالیٰ کسی مریض کو دیر سے شفا دیتا ہے اور کسی کو جلدی دے دیتا ہے۔

بعض لوگوں کو اپنی قدرتِ کاملہ سے شفا دیتا ہے اور بعض کو دواؤں کے ذریعے شفا دے دیتا ہے۔

عزت و ثروت، اغنیا اور کمزور لوگوں کی صحت اور مرضِ مریضان دانش کا سبب ہیں اور نہ فضیلت کا، نہ یہ نادانی کا سبب ہیں اور نہ جہالت کا، بلکہ یہ تمام اُمور قبضۂ قدرتِ خداوندی میں ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان تمام اُمور میں عادل اور حکیم ہے۔

(مترجم: یہ حدیث شریف اپنے مضمون کے اعتبار سے کچھ مشکل تھی، اسی لیے اس کی تشریح اور تفصیل پیش کردی ہے)۔

صرف یہ عقیدہ رکھنا کہ امامؑ کی اطاعت واجب ہے، کافی نہیں ہے

بصائر الدرجات میں ضریس سے روایت ہے: ایک روز میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی

مجلس میں حاضر تھا اور کچھ لوگ اس مجلس میں بھی موجود تھے کہ امامؑ نے فرمایا:

"مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو ہمیں اپنا دوست جانتے ہیں اور ہماری ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمیں اپنا امام و پیشوا جانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں: ہماری اطاعت اللہ کی اطاعت کی مانند ہے اور وہ اپنی عقل کی کمزوری کے سبب اپنی حجت کو توڑ دیتے ہیں اور اپنے آپ سے دشمنی کرتے ہیں اور ہمارے مرتبہ کو پست کرتے ہیں اور ہم پر عیب لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے جنھیں خداوند عالم نے ہماری پوری معرفت کا نور عطا کیا ہے اور ہمارے آگے سرِتسلیم جھکائے ہوئے ہیں۔کیا ان کا گمان ہے کہ خدا اپنے دوستوں کی اطاعت خلق پر واجب قرار نہ دے۔ آسمان و زمین کی خبروں کو ان سے پوشیدہ رکھے اور جو کچھ ان پر گزرنے والا ہو اس سے ان کو باخبر نہ کرے۔یعنی یہ بات ہرگز معقول نہ سمجھی جائے گی کہ کسی کو اپنے بندوں کا رہبر بنائے اور اس کی اطاعت کو لازم قرار دے اور اُسے آسمان و زمین کے احوال سے واقف نہ کرے اور جس علم کی بندوں کو ضرورت ہو اُس سے اُنھیں آگاہی نہ دے"۔

حمران نامی بزرگ (جو اس مجلس میں موجود تھے) نے عرض کیا: اے ابوجعفرؑ! میں آپؑ پر قربان جاؤں کہ جناب امیرالمومنین امام علیؑ بن ابی طالبؑ اور حضرات حسنین شریفینؑ نے خروج کیوں کیا؟ اور دین حق پر قیام فرمایا اور ان پر ستم پیشہ افراد کو غلبہ حاصل ہوا؟

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے حمران! علمِ الٰہی میں یہی گزرا تھا اور یہی مقرر ہو چکا تھا اور ان تمام بزرگواروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق خروج کیا تھا۔ اُنھوں نے اُمت کے طاغوتوں کے ساتھ جنگ کی اور وہ طاغوت ان پر غالب آئے اور اُنھوں نے ان پر ظلم وستم کیے اور آخر اُنھیں قتل کردیا"۔

گویا حمران کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ جو جہاد ان بزرگوں نے کیا وہ جہاد انھوں نے اپنے نفس کی اتباع میں کیا تھا یا وہ اللہ کی طرف سے اس امر پر مامور تھے؟ اگر انھوں نے اپنے نفس کی اتباع میں جہاد کیا تھا تو پھر ان پر یہ آیت پوری اُترتی ہے (وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ، آیہ ۳۰)۔ اگر وہ خدا کی طرف سے مامور تھے تو پھر ان پر یہ آیت فٹ نہیں آتی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

”اے حمران! یہ حقیقت ہے کہ خداوند عالم نے ان کی تقدیر میں یہی لکھا تھا اور اللہ کے علم میں گزر چکا تھا کہ وہ دشمنوں سے جہاد کریں گے اور سرکشوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے اور ظلم وستم برداشت کریں گے۔ وہ ترویج دین اور احکامِ دین کے اجرا کے لیے لمحہ بھر کے لیے بھی کوتاہی نہیں کریں گے اور نہ اس معاملے میں خاموش رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسا لکھ دیا تھا اس لیے ان پر اس صورت میں قضائے الٰہی جاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تکلیف کی خبر اپنے رسولؐ کو دے دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ان اُمور سے باخبر کر دیا تھا کہ تمھاری تکلیف اللہ کی طرف سے ہے کہ تم نے دین کے دشمنوں سے جنگ کرنی ہے۔ تمھیں مغلوب ہونا ہے اور ان کے ہاتھوں مارا جانا ہے“۔

پس انھوں نے رسولؐ اللہ کے فرمان کے مطابق قیام فرمایا اور ترویج دین کے لیے جہاد کیا اور مذہب حقہ کے غلبہ کے لیے کام کیا، لوگوں کو دعوت دی اور خروج کیا۔

ہم اہلِ بیت رسالتؐ میں سے جس ہستی نے خروج کیا اور اپنے حق کو آشکار کیا اور دشمنوں سے ظاہراً جنگ کی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور اس کا یہی حکم تھا اور ہم میں سے جو خاموش رہا اور ظاہراً خروج نہ کیا اور دشمنوں سے جنگ نہ کی تو ان کے بارے میں امرالٰہی یہی تھا کہ وہ ظاہراً خروج نہ کریں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی تکلیف پر عمل پیرا

ہے اور ہماری تکالیف مختلف ہیں۔

بعدازیں امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اے حمران! ان کے مقدر میں ایسا ہی لکھ دیا گیا تھا۔ اگر وہ جب ان پر مصائب ہونے والے تھے، اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگتے کہ ان سے یہ مصائب دُور فرما دے اور انھیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے تو خداوند تعالیٰ ہر صورت ان کی دعا کو قبول فرماتا اور ان سے ان مصائب کو دُور کر دیتا۔

اگر وہ بارگاہِ خداوندی میں استغاثہ کرتے کہ ان کے دشمنوں کی حکومت کو زائل کر دے تو اللہ ضرور ان کی دعا کو قبول فرماتا اور ان کے دشمنوں کی حکومت ختم ہو جاتی۔ ان کی حکومتیں نہایت ہی کمزور تھیں، جلد ختم ہو جاتیں، اور بہت جلد ان کی حکومتیں گر جاتیں، لیکن یہ ہستیاں اللہ کی تقدیر پر راضی تھیں، اس لیے انھوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی بددعا نہ کی''۔

آپؑ نے فرمایا:

''اے حمران! ان ہستیوں پر جو یہ مصائب نازل ہوئے، یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہ تھے کہ ان سے خطائیں ہوئیں اور ان خطاؤں کی بدولت ان پر مصائب نازل ہوئے لیکن اللہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ان پر مصائب نازل ہوں اور ان مصائب کے عوض ان کے درجات بلند ہوں اور انھیں کراماتِ عظیمہ ملیں''۔

آپؑ نے فرمایا: اپنے دل سے ایسے خیالات کو نکال باہر کر، یہ شیطانی وسوسے ہیں، انھیں دل سے نکال اور حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

○○○

باب یازدہم

حضرت امام حُسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کا ثواب

امام حسینؑ پر رونا اور رُلانا

اس باب میں عاشورا کے روز رسول اللہ ﷺ کے فرزند ارجمند و نورِ دیدہ علی مرتضیٰ و میوۂ دل جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا یعنی شہیدِ بیابانِ کربلا، جناب سید الشہداءؑ کے مصائب پر تعزیہ داری اور آداب ماتم کی تفصیلات مذکور ہیں۔

شیخ بزرگوار شیخ صدوقؒ نے اپنی امالی میں حضرت امام رضاؑ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا:

> "جو شخص ہمارے اُن مصائب پر گریہ کرے، جو اُمت کے طاغیوں نے ہم پر نازل کیے تو اُسے قیامت کے دن بہشت بریں میں ہمارے برابر درجات حاصل ہوں گے۔ وہ شخص جو ہمارے مصائب کا ذکر کرے اور یاد کرے اور خود روئے اور دوسروں کو رُلائے، جس دن ہر آنکھ اشکبار ہوگی، اس دن وہ آنکھ نہ روئے گی، اس کی خوشی و مسرت کے سامان اس کے سامنے ہوں گے۔ ہر آدمی اُس مجلس میں بیٹھے جس مجلس میں ہمارے اُمور زندہ ہوں اور ان کا ذکر ہو تو اس کا دل اُس دن نہیں مرے گا کہ جس دن ہر دل پر موت طاری ہوگی۔ اس دن یہ دل شاداں و فرحان ہوگا جب کہ باقی دل اندوہناک و محزون ہوں گے"۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۷۳)

(مترجم: آئمہ طاہرین علیہم السلام کے امر سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں جیسے احکام و معجزات اور ان کے مصائب وغیرہ)

گناہوں کا کفارہ

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ آپؑ نے فرمایا:
''جس شخص نے ہمارے مصائب پر گریہ کیا یا اُس کے سامنے ہم اہلِ بیت رسالتؐ کے مصائب بیان ہوں اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کو تر کرنے کے برابر آنسو جاری ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے چہ جائیکہ اس کے گناہ کفِ دریا کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔ (تفسیر قمی، ج ۲، ص ۲۹۲)

تسبیح کا ثواب

مجالس شیخ بزرگوار شیخ مفید امالی شیخ الطائفہ شیخ طوسی میں ابان بن تغلب سے روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''ہم پر ہمارے دشمنوں نے جو مظالم ڈھائے ہیں کوئی آدمی انہی کی وجہ سے غم زدہ ہو اور صرف آہ کھینچے تو اس کی یہ حالت و کیفیت تسبیح کا ثواب رکھتی ہے کہ اِس نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی ہے اور اس کی مہموم و محزون ہونا، اللہ کی عبادت ہے اور ہمارے رازوں کو ہمارے دشمنوں سے مستور رکھنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہے''۔

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا:
''یہ حدیث اتنی قیمتی ہے کہ اسے سونے کے پانی سے لکھا جائے''۔ (امالی شیخ مفید، ص ۳۳۸، امالی شیخ طوسی، ص ۱۱۵، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۰۵)

حضرت امام حسینؑ کی یاد سے مومن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں

کامل الزیارات میں ابن خارجہ سے روایت ہے: میں ایک دن جناب صادق آلِ محمدؐ کی خدمت اقدس میں موجود تھا۔ پس ہم نے ان کے حضور حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر کیا اور آپؑ کے قاتل پر لعنت کی۔ یہ سن کر آنجنابؑ رونے لگے اور ہم بھی رونے لگے۔ پھر آپؑ نے اپنے سرِ مبارک کو بلند کیا اور فرمایا:
''حضرت امام حسینؑ کا فرمان ہے کہ میں کشتۂ گریہ و زاری ہوں۔ جب کوئی مومن

مجھے یاد کرے گا تو وہ ضرور مجھ پر گریہ کرے گا"۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۸، مستدرک الوسائل، ص ۱۰، امالی شیخ صدوق، ص ۷۳، کامل الزیارات، ص ۱۰۸، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۰، ابن شہرآشوب، مناقب آل ابی طالب ج ۲، ص ۸۷)

(مترجم: کیونکہ اس آیت کا مفہوم مشتبہ ہے۔ اس کے احتمالات کچھ اور بھی ہیں، لہٰذا اصل متن نقل کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَا قَتِیلُ العَبرَۃِ لایذکرنی الاّبکٰی

اَنَا قَتِیلُ العَبرَۃِ کا معنی

حضرت امام حسین علیہ السلام کا فرمان ہے: "میں کشتہ اشک چشم ہوں، جب کوئی مومن میرا ذکر کرے گا تو وہ گریاں و نالاں ہو جائے گا"۔

ظاہری احتمال یہ ہو کہ اس سے مراد یہ ہو کہ میرا قتل سبب گریہ وزاری ہے۔ جب کوئی مومن میرا ذکر کرے گا تو اس کی آنکھوں سے ضرور آنسو جاری ہوں گے۔

آپ کا قول لَا یَذکُرُنِی مُؤمِنٌ اِلَّا بَکٰی یہ آپؑ کے فرمان اَنَا قَتِیلُ العَبرَۃِ کی تفسیر ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ میں گریہ زاری کی حالت میں قتل کیا جاؤں گا۔ جس وقت مجھے قتل کیا جا رہا ہوگا اُس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے، کیونکہ اُموی طاغیوں نے مجھ پر بے شمار ظلم کر رکھے ہوں گے اور اس وقت میرا دل غموں سے بھر چکا ہوگا اور جس وقت وہ مجھے قتل کر رہے ہوں گے تو اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ پس ہر مومن پر لازم ہے کہ میرے مصائب کو یاد کرے اور ان پر گریہ کرے۔

غموں کا علاج

کامل الزیارات میں روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: "میں کشتہ گریہ وزاری ہوں، میں مغموم و محزون صورت میں قتل ہوا ہوں۔ لازم ہے کہ جو محزون و مغموم شخص میری زیارت کے لیے آئے تو خداوند تعالیٰ اس کے غموں اور پریشانیوں کو خوشیوں میں بدل دے"۔ (ثواب الاعمال، ص ۹۸، کامل الزیارات، ص ۹)

قیمت بہشت

شیخ جلیل القدر شیخ مفید نے اپنی امالی میں محمد بن ابی عمارہ کوفی کی روایت درج کی ہے کہ اُس نے کہا: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا: "ہر وہ شخص جس کی آنکھوں میں ہمارے مصائب کی وجہ سے آنسو آجائیں۔ ہمارے وہ مصائب کہ ہمارا خون گرایا گیا، ہمارے حقوق غصب کیے گئے ہماری ہتک کی گئی یا ہمارے ان شیعوں کے لیے جو ہماری محبت میں ستم زدہ ہوئے، اس کی وجہ سے چشم گریاں ہو تو خداوند تعالیٰ اُسے اپنی جنت میں بے شمار سالوں تک سکونت دے گا، جن سالوں کی انتہا نہیں ہے"۔ (شیخ مفید امالی، ص ۱۷۴، امالی شیخ طوسی، ص ۱۹۴، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۰۴، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۰۶)

ابدالآباد تک بہشت میں

شیخ مفید نے اپنی مجالس میں، شیخ طوسی نے اپنی امالی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا فرمان نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"جب کوئی بندۂ مومن اپنی آنکھوں سے ہم پر اشک بہاتا ہے تو ایسے مومن کو خداوند تعالیٰ بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سکونت دے گا"۔

احمد بن یحییٰ کا خواب

احمد بن یحییٰ کہتے ہیں: میں نے ایک رات خواب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھا تو میں نے ان کے حضور عرض کیا: مُخَوّل بن ابراہیم نے ربیع بن منذر سے اس نے اپنے باپ منذر سے میرے لیے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہے:

"کوئی ایسا عبد نہیں ہے کہ ہمارے غم میں اس کی آنکھوں سے قطرۂ اشک برآمد ہو تو خداوند تعالیٰ اس کے اس آنسو کے عوض اُسے بہشت بریں میں لامحدود سالوں تک سکونت دے گا"۔

راوی کہتا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، میں نے ایسا کہا ہے۔

احمد کہتے ہیں: میں نے آپؑ کے حضور عرض کیا: اب جناب اور میرے درمیان کوئی

اور واسطہ نہیں رہا بلکہ میں نے خود آپؑ کی زبان شریف سے یہ حدیث سنی ہے۔ اب مجھے دوسرے وسائط کی ضرورت نہیں رہی۔ (امالی شیخ طوسی، ص ۱۱۶، امالی شیخ مفید، ص ۳۴۰، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۶۲)

سید الشہداءؑ پر گریہ

امالی شیخ طوسی میں روایت ہے: معاویہ بن وھب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آنحضرتؑ نے فرمایا: "ہر جزع و گریہ کرنا مکروہ ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا ثواب ہے"۔ (امالی شیخ طوسی، ص ۱۶۱، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۰۵)

(مترجم: جزع کا لغوی معنیٰ اضطرار اور بے صبری ہے، یعنی جب کبھی انسان غم زدہ ہوتا ہے تو وہ اپنی حالت سے نکل جاتا ہے اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ سینہ کوبی کرتا ہے، کبھی وہ کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے، اس لیے فرمایا کہ جزع و گریہ مکروہ ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم میں جزع و گریہ مکروہ نہیں ہے۔ حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ ہر غم میں بے صبری جائز نہیں ہے یہاں تک کہ خدا کے خوف میں رونے کے دوران میں بھی جزع و فزع جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم میں بے صبری و بے قراری کے ساتھ رونا جائز ہے)۔

سبب گریہ ہر مومن

کامل الزیارات میں روایت ہے: ایک دن جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے فرزند گرامی جناب امام حسین علیہ السلام کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا اور فرمایا:

یَا عَبْرَةَ كُلِّ مُؤْمِنٍ، "اے ہر مومن کے گریہ کا سبب!"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان! کیا میں اہلِ ایمان کے گریہ کا سبب ہوں؟

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! اے فرزند گرامی۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۸)

اسی مذکورہ کتاب میں ابوعمارہ سے روایت ہے: کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر نہ ہوتا۔ اس دن کی شام تک آپؑ کے چہرے پر تبسم دکھائی نہ دیتا۔ آنجناب سارا دن محزون و مغموم رہتے اور مسلسل

فرماتے رہتے تھے: ''امام حسینؑ ہر مومن کے گریہ ہیں''۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۸)

ایک دوسری روایت ہے: آپؑ شبانہ روز ہرگز تبسم نہ فرماتے اور کسی نے آپؑ کو ایسے دن خنداں صورت میں نہ دیکھا پس آپؑ کی زبان پر یہی قول مذکور رہتا۔ ''امام حسینؑ ہر مومن کا گریہ ہیں''۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۸)

سیدالشہدا کی زائرین پر نظر خاص

جناب شیخ طوسی نے اپنی امالی میں ثقہ جلیل القدر وعظیم الشان محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، آپؑ نے فرمایا:

''حضرت امام حسین علیہ السلام قرب خداوندی میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ آپؑ وہاں سے اپنے لشکر کی جگہ پر نظر فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر نظر فرماتے ہیں جنھوں نے آپؑ کے قدموں میں شہادت پائی تھی اور آپؑ ان لوگوں پر نگاہ رکھتے ہیں جو آپؑ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپؑ ان کا نام، ان کے والدین کے نام، ان کے منازل اور ان کی قدرومنزلت کو جو انھیں بارگاہِ خداوندی میں حاصل ہوتی ہے کو خوب جانتے ہیں۔ جس قدر تم اپنے فرزندوں کو جانتے ہو وہ انھیں اس سے بہتر جانتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ لوگ جو آپؑ پر گریہ کرتے ہیں آپؑ کی ان پر بھی نگاہ رہتی ہے جو آپؑ کے مصائب میں گریاں و نالاں ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اپنے پدرانِ عالی کے حضور التماس کرتے ہیں کہ ان کے لیے استغفار کریں اور فرماتے ہیں: میرا زائر ان مراتب عالیہ اور درجاتِ رفیعہ کو جانے جو اللہ نے اس کے لیے مہیا کر رکھے ہوں تو اس کی مسرت جزع و اندوہ میں کہیں بڑھ جائے گی''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب کوئی زائر زیارت کے بعد وطن کو لوٹتا ہے تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہ جاتا"۔ (امالی طوسی، ص ۵۴، بشارۃ المصطفیٰ، ص ۷۷، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۴۲۲)

ثوابِ گریہ بر امام حسینؑ

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: آنحضرتؑ نے فرمایا: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "جب کوئی مومن حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر آنسو بہاتا ہے اور اس کے چہرے پر آنسو جاری ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے اشکِ چشم کی وجہ سے بہشت میں بے شمار کمرے بنا دیتا ہے، جن میں وہ مومن سکونت پذیر ہوگا اور جس مومن کے آنسو اس کے رخسار پر اس لیے جاری ہوں کہ اس نے ہمارے ان مصائب کو یاد کیا ہو، جو ہمارے دشمنوں سے ہمیں پہنچے تو اللہ تعالیٰ اُسے بہشت میں جگہ دے گا اور جس آدمی کو ہماری محبت میں کوئی تکلیف پہنچی ہو اور اس کے آنسو اس کے رخسار پر جاری ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے مصائب کو دُور کردے گا اور کل قیامت کے دن اُسے اپنے غضب و آتش جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر قمی، ج ۲، ص ۲۹۱، ثواب الاعمال، ص ۸۳، کامل الزیارات، ص ۱۰۰، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۹۱، اللہوف، ص ۱۹، مثیر الاحزان، ص ۱۱۴، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۰۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: آپؑ نے ایک دن ثقہ جلیل فُضیل بن یسار سے فرمایا: کیا تم اپنی محافل میں ہماری احادیث کا تذکرہ کرتے ہو؟

جناب فُضیل نے عرض کیا: قربان جاؤں ہم ایسی مجالس قائم کرتے ہیں جن میں آپؑ کے احکام و احادیث نقل کرتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: مجھے ایسی مجالس سے محبت ہے پس ہمارے امر کو زندہ رکھیے۔

اے فُضیل! خدا رحمت فرمائے اس پر جو ہمارے امر کو زندہ رکھے یعنی ہمارے معجزات و مصائب و احکام کو نقل کرے اور انھیں نہ بھلائے۔

آپؑ نے فرمایا: اے فُضیل! جو شخص ہمیں یاد رکھتا ہے یا ہمارے مصائب دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ وہ کفِ دریا سے زیادہ ہوں۔ (قرب الاسناد، ص ۱۸، مصادقۃ الاخوان، ص ۸۳، مستطرفات السرائر، ص ۶۳۶، وسائل الشیعہ، ج ۱۲، ص ۲۰)

مصائب میں اشعار پڑھنے کا ثواب

امالی شیخ صدوق ثواب الاعمال اور کامل الزیارات میں عمارہ سے روایت ہے:

مَیں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپؑ نے فرمایا: اے عمارہ! حضرت امام حُسین علیہ السلام کے مرثیہ میں چند اشعار سناؤ۔

ابوعمارہ کہتے ہیں: میں نے آپؑ کے حضور چند شعر پڑھے۔ آپؑ کے آنسو آپؑ کے چہرۂ مبارک پر جاری ہو گئے۔ پھر میں نے چند اور اشعار حضرت امام حُسینؑ کے مصائب میں پڑھے۔ آپؑ کا گریہ بڑھا۔ ابوعمارہ کا بیان ہے کہ میں مسلسل مرثیہ خوانی کرتا رہا اور آپؑ روتے رہے حتیٰ کہ آپؑ کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جب میں نے اشعار کا پڑھنا بند کیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

> ”اے ابوعمارہ! ہر وہ شخص جو امام حُسینؑ کے مرثیہ میں اشعار پڑھے اور پچاس آدمیوں کو رُلائے تو اس کی جزا بہشت ہے۔ ہر وہ شخص جو آپؑ کے مرثیہ میں اشعار پڑھے اور تیس آدمیوں کو رُلائے تو اس کا ثواب بھی بہشت ہے۔ پس جو شخص آپؑ کے مصائب میں اشعار پڑھے اور بیس آدمیوں کو رُلائے تو اس کا اجر بھی بہشت ہے۔ اور جو شخص اپنے مصائبی اشعار سے صرف دس آدمیوں کو رُلائے تو اس کے لیے بھی جنت ہے، اگر کوئی شخص ایک شعر پڑھے اور ایک آدمی کو رُلائے تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔ پس جو شخص آپؑ کے مصائب کے اشعار خود پڑھے اور خود روئے تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔ جو شخص آپؑ کے مرثیہ کے اشعار

پڑھے اور رونے کی شکل بنائے پس اس کی جزا بھی بہشت ہے"۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۱۴۱، ثواب الاعمال، ص ۸۳، کامل الزیارات ص ۱۰۴)

مجلسِ امام حسینؑ میں اشعار پڑھنے کے معنوی احوال

شیخ بزرگوار شیخ کشی نے اپنی کتاب رجال کشی میں زید شحام سے روایت کی ہے کہ ہم ایک دن کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے۔ اچانک امام علیہ السلام کی مجلس میں جعفر بن عفان داخل ہوئے۔ آپؑ نے جعفر کو بلایا اور اپنے قریب بٹھایا اور اس کا بہت زیادہ اکرام کیا اور بہت احترام کا مظاہرہ فرمایا اور آپؑ نے جعفر سے فرمایا: اے جعفر! جعفر نے عرض کیا: اے میرے آقا! میں حاضر ہوں، فرمایئے اللہ مجھے آپؑ کا فدیہ بنائے!

آپؑ نے فرمایا: ہمیں خبر ملی ہے کہ تم حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں اشعار کہتے ہو اور خوب صورت انداز میں کہتے ہو۔

جعفر نے عرض کیا: جی ہاں! اللہ مجھے آپ کا فدیہ بنائے۔

پس حضرتؑ نے فرمایا: کچھ ہمیں سنایئے۔

جعفر نے اشعار پڑھنے شروع کر دیے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پڑھنا شروع کیے۔ اِدھر امامؑ کے قطراتِ اشک آپؑ کی مبارک آنکھوں سے جاری ہوئے اور اہلِ مجلس بھی رونے لگے۔ امامؑ خوب روئے کہ آپؑ کے آنسوؤں سے آپؑ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔ اس دوران امامؑ نے فرمایا: اے جعفر! بخدا! ملائکہ (مقربانِ خداوندی) ہماری اس مجلس میں حاضر ہوئے اور انھوں نے تیرے ان غم بھرے اشعار کو سنا اور انھوں نے گریہ کیا۔ اسی طرح رُوئے جس طرح ہم روتے رہے، بلکہ ان کا گریہ ہم سے بڑھ کر تھا۔

اے جعفر! اللہ تعالیٰ نے اپنی بہشت کو اسی وقت تم پر واجب کر دیا ہے اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے جعفر! اگر تم چاہو تو تمھارے فضائل بیان کروں؟

جعفر نے عرض کیا: جی ہاں! اے میرے آقا!

آپؑ نے فرمایا: جب کوئی شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں ایک شعر کہے اور اس شعر کی وجہ سے خود روئے اور دوسروں کو رُلائے تو خداوند تعالیٰ اس پر اپنی جنت واجب کر دیتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (رجال کشی، ص ۲۹۸)

ہتکِ حرمتِ اہلِ بیتؑ محرم میں

امالی شیخ صدوق میں ابراہیم بن ابی محمود سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

زمانۂ جاہلیت میں ماہِ محرم وہ مہینہ تھا کہ اس ماہ میں جنگ و جدال کو حرام جانا جاتا تھا اور اس ماہ میں وہ اپنی لڑائیاں ترک کر دیتے تھے۔ جب کہ ایامِ جاہلیت میں اس ماہ کو محترم ماہ خیال کیا جاتا تھا لیکن اُمت نے اسی مہینے میں ہمارا خون گرانا حلال جانا جب کہ ہم رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ ہیں، ہماری حرمت کی ہتک کی گئی۔ ہماری مستورات اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ ہمارے خیام کو آگ لگا دی گئی۔ ان خیام کے اندر جو کچھ تھا وہ لُوٹ لیا گیا۔ ان لوگوں نے ہمارا حیا نہ کیا اور نہ رسولؐ اللہ کا کہ ہم ان کی آل ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: روزِ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا ہے۔ ہمارے آنسو جاری و ساری رہتے ہیں۔ جب آپؑ کی یاد آتی ہے تو ہماری آنکھوں سے سیلابِ اَشک جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارے عزیزوں کو میدانِ کربلا میں ذلیل کیا گیا۔ بس اس دن سے کرب و بلا ہماری یادگار و میراث بن گئی۔ پس رونے والوں کو چاہیے کہ وہ حضرت امام حسینؑ پر گریہ کریں، آپؑ پر گریہ کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس جاں گداز و دل سوز گفتگو کے بعد آپؑ نے فرمایا: میرے والد بزرگوار کی زندگی کے معمولات تھے کہ جب ماہِ محرم آتا تھا تو اس میں کسی نے انھیں خنداں و دلشاد نہ دیکھا تھا۔ آپؑ ہمیشہ محزون و مغموم رہتے تھے اور آپؑ کا حزن لحہ بہ لحہ بڑھتا رہتا تھا۔ محرم کے نو دن آپؑ پر اس طرح گزرتے تھے۔ جب دسواں دن ہوتا تھا اس دن آپؑ پر غم و اندوہ کا غلبہ

ہوجاتا تھا۔ آپؑ مسلسل شب و روز گریہ و زاری میں گزارتے تھے اور فرماتے تھے: آج وہ دن ہے، جس دن جناب امام حُسینؑ شہید کیے گئے۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۱۲۸، اقبال الاعمال، ص ۵۴۴، مناقب آلِ ابی طالبؑ، ص ۱۸۶، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹)

آدابِ روزِ عاشورا

کتاب مذکور میں فضال سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام رضاؑ نے فرمایا:

جو شخص روزِ عاشورا اپنے دنیاوی اُمور کو ترک کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کی حوائج بر لاتا ہے اور آپؑ نے فرمایا:

جو شخص روزِ عاشورا حضرت امام حُسین علیہ السلام کے غم میں محزون و مغموم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اُس دن غم و الم و گریہ سے بچائے گا، جس دن لوگ غم و اندوہ میں ہوں گے، اُس دن یہ خوشی و مسرت میں ہوگا۔ اس دن ایسے آدمی کی آنکھیں جب ہمیں بہشت میں دیکھیں گی تو ٹھنڈی ہوں گی اور جو شخص روزِ عاشورا کو روزِ برکت جانے اور اس دن اپنے گھر کے لیے مال ذخیرہ کرے خداوند تعالیٰ وہ مال ہرگز اس کے لیے باعث برکت نہ بنائے گا۔ وہ قیامت کے دن یزید، ابن زیاد اور عمر بن سعد کے ساتھ دوزخ کے نچلے طبقوں میں محشور ہوگا اور وہ ہمیشہ ان کے ساتھ جہنم میں رہے گا۔ (امالی شیخ صدوق، ص ۱۲۹، علل الشرائع، ج ۱، ص ۲۲۷، عیونِ اخبارِ رضا، ج ۱، ص ۲۹۸، اقبال الاعمال، ص ۵۷۸، مناقب آل ابی طالب، ج ۶، ص ۸۸، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹، وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۰۴)

(مترجم: اس حصے میں مصنف نے بہت سی احادیث جمع کیں، جن کا مضمون ملا جلا ہے اس لیے طوالت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا ذکر نہیں کیا)۔

حضرت زکریاؑ کی دُعا

عیونِ اخبارِ رضا، امالی شیخ صدوق میں ریان بن شبیب سے روایت ہے: میں یکم محرم کو حضرت امام رضا علیہ السلام کی بارگاہِ قدس میں حاضر ہوا۔ جب آپؑ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا: یابن شبیب! کیا تجھے آج روزہ ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں مجھے روزہ نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: آج وہ دن ہے کہ حضرت زکریا نے بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا مانگی تھی:

رَبِّ هَبۡ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ

"اے میرے پروردگار! مجھے طیب و طاہر فرزند عطا فرما، بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے"۔ (سورہ آلِ عمران، آیہ ۳۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اس دن قبول فرمائی، اور ملائکہ آسمانی کو حکم دیا کہ وہ جنابِ زکریا کو آواز دیں۔ پس ملائکہ آسمانی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زکریا کو ندا دی۔ جب وہ محرابِ عبادت میں نماز پڑھنے میں مصروف تھے کہ اللہ نے تمہیں بیٹے کی بشارت دی ہے، جس کا نام یحییٰ ہے۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: جو شخص یکم محرم کو روزہ رکھے اور جو دعا مانگے وہ قبول ہوگی۔ جس طرح کہ اللہ نے جنابِ زکریا کی دعا قبول فرمائی تھی۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن شبیب! ماہِ محرم وہ ماہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ اس ماہ کے احترام میں جنگ و جدال کو حرام قرار دیتے تھے حالانکہ وہ کافر تھے وہ اس ماہ کے احترام کی رعایت کرتے تھے۔ لیکن یہ اُمت کہ جس ماہ کی حرمت شریعت نے جاری کی ہے اور اس کی حرمت کو واجب قرار دیا ہے لیکن ان لوگوں نے نہ شریعت کی پرواہ کی اور نہ رسولؐ اللہ کی پرواہ کی۔ اس اُمتِ بدکردار نے پیغمبرؐ کی اولاد کو قتل کرڈالا اور ان کی مستورات کو قیدی بنایا اور ان کے اموال کو لوٹ لیا۔ پس خداوند تعالیٰ ان کے اس عظیم گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن شبیب! اگر تو کسی مصیبت پر رونا چاہے تو حضرت امام حسینؑ پر رونا، کیونکہ اس بزرگوار کو گوسفند کی طرح ذبح کیا گیا اور ان کے سر کو گوسفند کے سر کی طرح کاٹ دیا گیا جن کی مثال کائنات میں نہ تھی۔ بخدا! ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ان کی مظلومیت پر روئے۔ آسمان سے چار ہزار ملائکہ ان کی نصرت و یاوری کے لیے نازل ہوئے۔ جب وہ زمین پر آئے تو آنحضرتؑ شہید کردیے گئے تھے اور وہ اپنے خون میں غلطاں

تھے۔ پس انھیں حکم ملا کہ وہ زمین پر رہ جائیں اور ان کی قبر مبارک پر بالوں کو کھول کر انھیں غبار آلود کر کے رکھیں اور وہاں پر وہاں قائم آلِ محمدؐ کے ظہور تک رہیں۔ جب قائم آلِ محمدؐ ظہور کریں گے تو وہ چار ہزار ملائکہ آپؑ کی نصرت میں رہیں گے، جس دن وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کریں گے تو ان کا نعرہ ہوگا:

یالثارات الحسین،

''اے خونِ حسینؑ کے طلب گارو!''

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن شبیب! مجھے میرے والد نے بتایا اور انھیں ان کے والد نے بتایا اور انھوں نے اپنے بابا سے سنا کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آسمان سے خون اور سرخ خاک کی بارش ہوئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن شبیب! اگر تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے گریہ کرے اور قطرات اشک تیرے چہرے پر جاری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ تیرے سب گناہ معاف کردے گا۔ چاہے وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، تھوڑے ہوں یا زیادہ۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن شبیب! تیری خوشی کے لیے کہ جب تو خدا سے ملاقات کرے اور تجھ پر کوئی گناہ نہ ہو تو پھر تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کر۔

اے ابن شبیب! اگر تو چاہتا ہے کہ جناب سید المرسلینؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ ان کے بہشتی غرفوں میں ہو تو پھر قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کر۔

آپؑ نے فرمایا: اے پسرِ شبیب! اگر تو اپنے آپ کو خوش کرنا چاہتا ہے کہ تجھے شہدائے کربلا کے برابر ثواب ملے پس جب تو سید الشہداءؑ کے مصائب کو یاد کرے اور ان کے حالات پر نظر کرے تو اُس وقت کہہ:

یَالَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا،

میری خواہش تھی اے کاش شہیدانِ کربلا کے ساتھ سید الشہداءؑ کے قدموں میں شہید ہوتا، اور عظیم کامیابی حاصل کرتا۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن شبیب! اگر تو چاہتا ہے کہ بہشت کے درجاتِ عالیہ میں

ہمارے ساتھ ہو تو ہمارے غم میں غم اور خوشی میں خوشی کر۔ ہماری محبت و دوستی میں مضبوطی اختیار کر اور ثابت قدم رہ۔ اگر کوئی شخص پتھر کو دوست رکھے گا تو خداوند کریم اُسے قیامت کے دن اُسی پتھر کے ساتھ محشور کرے گا۔

(مترجم: اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ جس کسی نے اہل بیتؑ رسالت کی ولایت کا اس دنیا میں عقیدہ رکھا اور ان کی ولایت کو اختیار کیا تو اس آیت کے مطابق اُنھی کے ساتھ ہوگا۔ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (بنی اسرائیل، آیہ ۷۱) وہ ضرور بالضرور اپنے آئمہ کے ساتھ محشور ہوں گے اور جن لوگوں نے دوسرے لوگوں کو اپنا امام سمجھا تو وہ انھی کے ساتھ محشور ہوں گے کہ جس طرح آیت ہے: اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا۔ پتھر کے ساتھ محشور ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں اس پتھر کی پرستش کرتا رہا تو وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا)۔

گریہ زنان خانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کامل الزیارات میں عبداللہ بن غالب سے مروی ہے: میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کے چند اشعار پڑھو۔ آپؑ کے فرمان کے مطابق میں نے اشعارِ مصائب سید الشہداؑ پڑھنے شروع کر دیے جب میں اس شعر پر پہنچا ؎

لَبَلِيَّةٌ تَسْقُوا حُسَيْنًا بِمِسْقَاةِ الثَّرىٰ غَيْرِ التُّرَابِ

چونکہ یہ شعر ایک قصیدے کا شعر ہے اس کا سابق و لاحق معلوم نہیں ہے اس لیے اس کا صحیح مفہوم سامنے نہیں آتا لیکن ظاہری معنی یہ ہے کہ" سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام مصائب کے طوفانوں میں اس طرح گھر گئے تھے کہ وہ سخت پیاس میں مبتلا تھے۔ ان پر پیاس کا غلبہ تھا۔ شدتِ تشنگی کے باوجود انھیں پانی نہ ملا اور وہ پیاسے ہی شہید کیے گئے۔

راوی عبداللہ بن غالب کا بیان ہے: جونہی میں نے یہ شعر پڑھا تو اُسی وقت پردۂ عصمت و طہارت سے ایک خاتون کی فریاد بلند ہوئی: يَا أَبَتَاهُ" اے پدر بزرگوار آپ کہاں

ہیں"۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۵)

مذکورہ کتاب میں ابوہارون مکفوف سے مروی ہے: میں ایک دن بارگاہ امامت (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) میں داخل ہوا۔ جب آپؑ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں تو فرمایا: سیدالشہداءؑ کے مصائب کے اشعار پڑھو۔ پس میں نے آپؑ کے حکم کی تعمیل میں مظلومِ کربلا کے مرثیہ میں چند شعر پڑھے۔ جب میں نے مصائب پڑھنا شروع کیے تو آپؑ نے فرمایا: اس طرح نہیں اُس طرح پڑھو، جس طرح تم اپنی مجالس میں پڑھتے ہو یا سیدالشہداءؑ کی قبر مبارک پر پڑھتے ہو۔ حزن واندوہ اور مرثیہ خوانی کے انداز میں پڑھو۔

ابوہارون کہتے ہیں: میں نے یہ شعر پڑھا ؎

أُمْرُرْ عَلَى جَدَثِ الْحُسَيْنِ فَقُلْ لِاَعْظُمِهِ الزَّكِيَّة

"تم سیدالشہداءؑ کی مبارک قبر پر جاؤ اور ان کی قبر مبارک سے خطاب کرو اور ان کی پاک وپاکیزہ ہڈیوں سے بات کرو"۔

ابوہارون کہتے ہیں: آنحضرتؑ پر گریہ کا غلبہ ہوا اور میں نے یہ اشعار کہنے بند کردیے۔ آپؑ نے حکم دیا: خاموش نہ ہو اپنی بات کو جاری رکھو اور مکمل قصیدہ بیان کرو۔

ہارون کہتا ہے: میں نے اپنے قصیدہ کو مکمل کیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: مزید اشعار بیان کرو۔ راوی کہتا ہے: میں نے ایک اور قصیدہ شروع کیا:

يَا مَرْيَمُ قُومِي وَانْدُبِي مَوْلَاكِ وَعَلَى الْحُسَيْنِ فَاَسْعِدِي بِبُكَاكِ

"اے مریم! قبر سے باہر آؤ اور اُٹھو اور اپنے آقا ومولاؑ پر ندبہ وتوحہ کرو اور سیدالشہداءؑ کی مبارک قبر پر گریہ وزاری کرکے ان کی نصرت کرو"۔

امام علیہ السلام سن کر بہت روئے۔ زنان خانے سے گریہ وزاری وآہ وبکا کی دردناک آوازیں بلند ہوئیں۔

جب ان کے رونے کی آوازیں خاموش ہوئیں تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

"جو شخص سیدالشہداءؑ کے مصائب میں اشعار کہے اور دس آدمیوں کو رُلائے، پس اس کی جزا جنت ہے۔ اس طرح آپؑ نے دس کے بعد تو

آدمیوں کی بات کی۔ آخر ایک نفر تک پہنچے کہ اگر ایک آدمی کو رُلائے تب بھی اس پر جنت واجب ہے"۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر کوئی سید الشہداؑ کے مصائب خود اکیلے بیٹھ کر یاد کر کے روئے تو اس پر بھی جنت واجب ہے"۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۵)

ایک اور طریقے سے روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"کسی آدمی کے پاس سید الشہداؑ کے مصائب بیان ہوں اور اس کی آنکھوں سے مگس کو تر کرنے کے برابر آنسو نکل آئیں تو اس کا ثواب خدا پر ہے اور خدا اُسے جنت عطا کرے گا۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۴)

(مترجم: جو روایت پیش ہوئی ہے، اس میں امام علیہ السلام نے ہارون سے فرمایا:

اَنْشِدْنِي كَمَا تَنْشُدُونَ يَعْنِي بِالرِّقَّةِ

روایت میں لفظ الرِقة سے امام علیہ السلام کی کیا مراد تھی؟ اگر اسے الرِقة کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنیٰ ہوگا امامؑ نے فرمایا: میرے لیے پڑھیے اور رقت اور سوزِ دل کے ساتھ پڑھیے۔ اگر لفظ الرَقة ہو یعنی حرف را پر فتح ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ زمین جو دریا و نہر کے کنارے واقع ہو۔ جیسے دریائے نیل اور فراتؔ ہیں۔ رَقت دریائے فرات کے نزدیک شہر بھی ہے۔ اب اس کا نام "رہا" ہے۔

اگر اسے رَقتہ "را" کے فتح کے ساتھ پڑھیں تو اس سے مراد دریا کی قریبی زمین ہے جیسے فرات کے قریب کربلا ہے تو آپؑ کی مراد اگر یہ ہو تو اس کا معنیٰ ہے کہ دریائے فرات کے کنارے سید الشہداؑ کی قبر پر جس طرح رقت قلب اور سوزِ دل کے ساتھ مصائب پڑھتے ہو تو یہاں بھی اُسی طرح پڑھو، یعنی شرم نہ کرو۔

اہل بیتؑ کے مصائب پر اشک آوری کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابٌ اِلَّا الدَّمْعَةَ فِينَا (وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۹۷، کامل الزیارات، ص ۱۰۶)

اس عبارت شریفہ میں دو احتمال ہیں: "ایک یہ ہے مخفی رکھنا اور چھپا کر رکھنا، یعنی اعمال نیک کو مخفی صورت میں بجالانے کا اجروثواب زیادہ ہے، لیکن آلِ محمدؐ کے مصائب میں خفیہ صورت میں رونے سے ظاہر وباہر طور پر رونے کا زیادہ ثواب ہے"۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ شریعت کا ہر عمل خداوند تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے کہ جب تک شریعت نے انھیں بیان نہیں کیا اس وقت تک یہ سب شرعی اعمال اسرار تھے جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ ان کا معین ثواب ہے لیکن اہلِ بیت رسالتؐ کے دل سوز و جاں گداز مصائب میں رونے کا ثواب لامحدود و بے شمار ہے۔ وہ معین ومقدر نہیں ہے۔

(مصنف: متن حدیث میں اس احتمال کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر کے راویوں سے اصل الفاظ چھوٹ گئے ہیں اور پھر اُنھوں نے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے یہ عبارت پیش کی ہے، شاید روایت اس طرح ہو: لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابٌ اِلَّا الدَّمْعَةَ فِيْنَا۔ غلطی سے راویوں نے لکل سِر نقل کر دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں شیعوں کا مقام

کتاب خصال میں چار صد حدیث جو حضرت امیرالمومنینؑ سے مروی ہیں ان میں ایک حدیث میں آپؑ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے ازلی اور قدیم علم کے لحاظ سے زمین کے تمام احوال پر مطلع ہے اور اُس نے زمین پر اپنے بندگان پر نگاہ فرمائی۔ پس ان میں ہمیں اختیار کیا اور ہمیں ممتاز قرار دیا اور ہمارے لیے نیک خصلت و پاک سیرت شیعوں کو چن لیا اور اُنھیں ہماری پیروی کے لیے پسند کیا کہ وہ ہر صورت میں ہماری نصرت و یاوری کرتے ہیں وہ ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے حزن واندوہ میں محزون واندوہناک ہوتے ہیں اور وہ اپنا تن من دھن ہماری محبت میں خرچ کر دیتے ہیں وہ ہم میں سے ہیں اور ان کی بازگشت ہماری طرف ہوگی۔ (خصال، ج ۲، ص ۶۳۴،

جامع الاخبار، ص ۱۷۹، غرر الحکم و درر الکلم، ص ۸۰۷)

(مترجم: شیعیانِ اہلِ بیتؑ کو مبارک ہو کہ جناب امیرالمومنینؑ کے فرمان کے مطابق ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمیں ان کے خالص و مخلص شیعوں میں سے قرار دے)۔

حضرت عقیلؑ کا مرتبہ

شیخ صدوق نے اپنی امالی میں جناب ابن عباس کی روایت درج کی ہے کہ ایک دن جناب امیرالمومنینؑ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ عقیلؑ سے محبت کرتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں! بخدا میں عقیلؑ سے دو وجہوں سے محبت کرتا ہوں: ایک تو ان کی اپنی ذات کی وجہ سے اور اس کی اچھائیوں کی وجہ سے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اس لیے میں ان سے محبت کرتا ہوں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جناب عقیلؑ کے فرزند آپؑ کے فرزند ارجمند کی محبت میں بے دردی کے ساتھ قتل ہوں گے۔ پس اہلِ ایمان ان کی مظلومیت پر گریہ کریں گے اور ملائکہ مقربان ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ پھر آپؐ رونے لگے۔ آپؐ اتنا روئے کہ آپؐ کے آنسوؤں سے آپؐ کی ریش مبارک تر ہوگئی اور آپؐ کے سینے پر آپؐ کے آنسو بہنے لگے''۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میری بارگاہِ خداوندی میں دین کے دشمنوں کے خلاف شکایت ہے کہ وہ میری عترت پر ظلم و ستم کریں گے۔ (الامالی صدوق، ص ۱۲۸)

(مترجم: اصل حدیث یوں ہے: وَاِنَّ وَلَدَهٗ لَمَقْتُوْلٌ فِيْ مَحَبَّةِ وَلَدِكَ فَتَدْمَعُ عَلَيْهِ عُيُوْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمَلَآئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ اس حدیث میں ''ولد'' کا لفظ ہے۔ اس سے مقصود ایک فرد ہو اور ممکن ہے اس سے مراد جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ ہوں حالانکہ جنابِ عقیلؑ کے کئی ایک فرزند میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ شاید ولد سے مراد اسمِ جنس ہو اور پھر اس سے

جنابِ عقیلؑ کی تمام اولاد مراد ہو کہ آپؑ کے فرزند امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں اولادِ عقیلؑ شہید ہوگی۔

مصائب اہلِ بیتؑ میں دوسروں کو رُلانے کا ثواب

جناب سید ابن طاؤس کی روایت ہے: آلِ رسولؐ کا فرمان ہے:

"جو شخص ہماری مصیبت میں روئے اور ایک سو آدمیوں کو رُلائے پس اس کی جزا بہشت ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری مصیبت میں روئے اور پچاس آدمیوں کو رُلائے تو اس کے لیے جنت ہے۔ اگر کوئی ہمارے مصائب میں اشک ریزی کرے اور تیس آدمیوں کو رُلائے تو اُس کے لیے جنت ہے۔ جو شخص ہمارے مصائب میں روئے اور بیس آدمیوں کو رُلائے تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔ اور اگر کوئی خود رُوئے اور دس آدمیوں کو رُلائے تو اس کی جزا بھی بہشت ہے۔ اگر کوئی خود رُوئے اور ایک شخص کو ہمارے مصائب میں رُلائے تو اس کی جزا بھی جنت ہے۔ اگر کوئی ہماری مصیبت میں رُونے کی شکل بنائے تو اس کے لیے بھی جنت ہے"۔ (اللہوف، ص ۱۰)

منظوم صورت میں مصائب کا ثواب

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

"اگر کوئی سید الشہداءؑ کے مصائب میں ایک بیت پڑھے اور خود رُوئے اور دس آدمیوں کو بھی رُلائے پس اس کے لیے اور ان کے لیے جو امامؑ کے مصائب میں روئے ہیں بہشت واجب ہو جاتی ہے"۔

اگر کوئی ایک بیت پڑھے خود بھی رُوئے اور نو آدمیوں کو رُلا دے پس اس کے لیے اور ان رونے والوں کی جزا بہشت ہے۔ آپؑ مسلسل فرماتے رہے اور گریہ کرنے والوں کی تعداد گھٹاتے رہے۔ آخر میں فرمایا: اگر کوئی آدمی خود ایک مصیبتِ امامؑ کا شعر پڑھے اور خود

رُوئے"۔ راوی کہتا ہے: میرا گمان یہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وہ خود بھی رونے کی شکل بنائے تو اس کی جزا بہشت ہے۔ (ثواب الاعمال، ص ۸۴، کامل الزیارات، ص ۱۰۵، وسائل الشیعہ ۱۴، ص ۵۹۶)

محاسن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آپؑ نے ایک دن فرمایا: تم میں سے کسی کے سامنے ہمارے مصائب کا ذکر ہو اور اس کی آنکھوں سے مکس کے پَر کے تر کرنے کے برابر آنسو جاری ہوں تو اللہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، چاہے اس کے گناہ کفِ دریا کے برابر ہی کیوں نہ ہوں"۔ (المحاسن، ج ۱، ص ۶۳، قرب الاسناد، ص ۶۸، اللھوف، ص ۱۱۰، مستطرفات السرائر، ص ۶۳۶، مصادقۃ الاخوان، ص ۳۲، وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۲۰)

کامل الزیارات میں مسمع سے روایت ہے: میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؑ نے فرمایا:

اے مسمع! تو عراق سے تعلق رکھتا ہے؟ کیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے جاتا رہتا ہے؟

مسمع کا بیان ہے کہ میں نے آپؑ کے حضور عرض کیا: میں آنجنابؑ کی زیارت کے لیے نہیں جا سکتا، کیونکہ میں اہلِ بصرہ میں ایک مشہور و معروف شخص ہوں۔ پورے علاقے کے لوگ مجھے جانتے ہیں اور پورا علاقہ حکومت کا وفادار ہے اور ناصبی لوگ میرے دشمن ہیں اس لیے میں احتیاط سے کام لیتا ہوں۔ یہ لوگ اکثر میری شکایت حاکمِ وقت تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ میرے احوال ان تک بھیجتے رہتے ہیں اور مجھے نقصان دیتے رہتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: اے مسمع! اہلِ بیتؑ پر جو اُموی ظالموں نے مظالم ڈھائے کیا تو انھیں یاد کرتا رہتا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں آنحضرتؑ کے مصائب یاد کرتا رہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تو ان کے مصائب پر گریہ کرتا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں میں ان کے مصائب پر روتا ہوں۔ جب مجھے اُن کے

مصائب یاد آتے ہیں تو میں غم زدہ ہو جاتا ہوں اور میری آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برستی ہیں۔ میرے گھر والے جب میری یہ حالت دیکھتے ہیں تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ میں آل محمدؐ کے مصائب کی وجہ سے محزون و مغموم ہوں، مجھ سے کھانا چھوٹ جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ تیرے ان آنسوؤں پر رحم فرمائے۔ اے مسمع! آگاہ باش! تیرا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو ہماری مصیبت پر جزع فزع کرتے ہیں اور تو ان لوگوں میں سے ہے جو ہماری خوشی میں خوش رہتے ہیں اور ہماری غمی میں مغموم رہتے ہیں۔ جب ہم محفوظ ہوتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: اے مسمع! آگاہ رہیے! جب تیرا وقت وفات آئے گا تو اس وقت میرے بزرگواروں کو اپنے سرہانے دیکھے گا اور تو اس وقت دیکھے گا کہ وہ ملک الموت کو تیری لیے سفارش کر رہے ہوں گے اور موت کا فرشتہ تم پر شفیق اور مہربان ہو جائے گا اور تمھاری جان آسانی کے ساتھ قبض کرے گا اور وہ تجھے ایسی خوشخبری دیں گے جس کے سننے سے تیری آنکھیں روشن اور ٹھنڈی ہو جائیں گی اور موت کا فرشتہ تجھ پر تیری ماں سے زیادہ مہربان ہوگا۔

مسمع کہتا ہے: جب آپؑ کا کلام معجز بیان اس مقام تک پہنچا تو آپؑ رونے لگے اور آپؑ کے آنسو آپؑ کے مبارک رخساروں پر بہنے لگے۔ اس وقت میں بھی رونے لگا۔ اس دوران آپؑ نے فرمایا: اے مسمع! اس ذات کی حمد و ثنا ہے کہ جس نے ہمیں تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور اپنی رحمت سے مخصوص کیا۔

آپؑ نے فرمایا: جس دن سے حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام شہید ہوئے ہیں اس دن سے آسمان اور زمین اب تک ازراہ ترحم ہمارے حال پر گریہ کرتے ہیں اور جس صورت میں ملائکہ ہمارے مصائب میں روتے ہیں اس صورت میں کوئی اور نہیں گریہ کرتا اور جس دن سے اس

اُمت جفا کار نے ہم اہلِ بیتؑ کو شہید کیا اور ہمارے حقوق ضائع کیے اس دن سے ملائکہ کی آنکھیں گریہ سے خشک نہیں ہوئیں۔ ان کے رخساروں پر ان کی آنکھوں سے اشک رواں دواں ہیں۔ جب کوئی آدمی ازراہِ ترحم ہمارے حال پر (جو کچھ کہ ہمارے دشمنوں نے ہم پر ظلم وستم ڈھائے ہیں) گریہ کرتا ہے، اس سے قبل کہ اس کے آنسو اس کی آنکھوں سے باہر نکلیں اللہ اس پر رحمت نازل کرتا ہے۔ غمِ حسینؑ میں بہنے والا وہی قطرۂ چشم جہنم کی آگ پر ڈال دیا جائے تو وہ خاموش ہو کر رہ جائے اور اس کی حرارت ختم ہو کر رہ جائے۔ ہاں اگر کسی کا دل ہمارے حال پر سوزاں و دردناک ہو جب اس پر مرگ آئے گی تو وہ اس وقت شاداں و خنداں ہوگا اور وہ جب ہمیں اپنے بالائے سر دیکھے گا تو اُس کی خوشی و مسرت کی انتہا نہ رہے گی اور اس کی وہ خوشی و مسرت ہمیشہ باقی رہے گی کہ آخر وہ حوضِ کوثر پر ہمارے پاس آئے گا، اور جب ہمارے دوست حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے تو کوثر ان کی آمد پر شاداں ہوگا اور اس کی مسرت کی انتہا نہ رہے گی اور وہ اپنی لذت سے انھیں اس قدر لذتیں عطا کرے گا کہ ہرگز ان کا دل نہ چاہے گا کہ وہ حوضِ کوثر کو چھوڑ کر کہیں اور جائیں۔

اے مسمع! جو شخص ایک دفعہ حوضِ کوثر سے پانی کا ایک گھونٹ پی لے تو اُسے دوبارہ پانی پینے کی ضرورت نہ رہے گی اور پھر وہ کسی قسم کا رنج و غم نہیں اُٹھائے گا۔ آبِ کوثر کی خنکی اس طرح ہے جیسے کافور کی خنکی ہوتی ہے۔ اس کی خوشبو اس طرح ہے جس طرح مشک معطر کی خوشبو ہو۔ اس کی لذتیں اور خوش طعمی اس طرح ہے جس طرح زنجبیل کا من پسند ذائقہ ہوتا ہے۔ وہ شہد سے شیریں تر ہے، مکھن سے نفیس اور اشکِ چشم سے صاف تر ہے، عنبر سے خوشبو تر ہے، آبِ کوثر چشمہ تسنیم سے نکلتا ہے اور

بہشت کی لہروں میں جاری ہوتا ہے۔ وہ سنگریزوں کے بجائے موتیوں اور یاقوت پر جاری وساری رہتا ہے۔

حوضِ کوثر پر اس قدر پیالے ہیں جتنے آسمان پر ستارے۔ ان کی خوشبو ہزار سال کی مسافت سے دماغ کو معطر کردیتی ہے۔ وہ پیالے سونے اور چاندی کے اور مختلف انواع جواہر کے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں پانی پینے کا ارادہ کرے گا تو وہ پیالے ایسی خوشبوئیں پینے والے کے مشام میں پہنچائیں گے کہ پینے والا کہے گا کہ میں راضی ہوں کہ مجھے اسی جگہ پر چھوڑ دو مجھے اس کے علاوہ کوئی اور نعمت نہیں چاہیے، میں یہاں رہ جاتا ہوں یہاں سے کہیں اور جانا منظور نہیں ہے۔

اے مسمع! تو ان لوگوں سے ہوگا جو اس حوض سے سیراب ہوں گے اور جو آنکھ ہمارے مصائب میں روتی ہے اُسے کوثر کے دیکھنے سے مسرت و شادمانی حاصل ہوگی۔ ہمارے تمام دوست اس سے سیراب ہوں گے۔ ہر شخص کو ہماری محبت کی مقدار کے برابر حوضِ کوثر سے پانی ملے گا۔

جناب امیرالمومنینؑ حوضِ کوثر کے کنارے پر کھڑے ہوں گے اور ان کے مبارک ہاتھوں میں عوسج کی لکڑی کا عصا ہوگا۔ آپؑ ہمارے دشمنوں کو اس عصا سے حوضِ کوثر سے ہٹادیں گے۔ پس ہمارا ایک دشمن کہے گا: میں دنیا میں اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا تھا آپ مجھے پانی کیوں نہیں دیتے؟

آنحضرتؑ فرمائیں گے: اے ملعون! تو اپنے امام کے پاس جا، تاکہ وہ تیری سفارش کرے۔ اس وقت وہ کہے گا: جسے میں نے اس دنیا میں امام بنایا تھا آج وہ مجھ سے بیزار ہے۔ آنحضرتؑ فرمائیں گے: جسے تو دوست رکھتا تھا اس کے پاس جا اور اُس سے سوال کر وہ تیری سفارش کرے، کیونکہ تو اُسے تمام مخلوق سے بہتر جانتا تھا اور جو سب سے بہتر

ہے اس کی شفاعت رد نہ ہو۔ وہ کہے گا: میں پیاس سے ہلاک ہورہا ہوں۔ آنحضرتؐ فرمائیں گے: خدا تیری پیاس میں مزید اضافہ کرے۔

مسمع کہتے ہیں: میں نے امام علیہ السلام کے حضور عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں یہ منافق کس صورت میں حوضِ کوثر کو تلاش کر کے وہاں آجائے گا جب کہ دوسرے لوگ وہاں نہ پہنچ پائیں گے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ اس لیے حوضِ کوثر پر پہنچ جائے گا کہ وہ شخص گناہوں سے پرہیز کرتا تھا اور جب ہمارا ذکر اس کی مجلس میں ہوتا تھا تو وہ ہم پر سب وشتم نہ کرتا تھا اور جو دوسرے لوگوں نے ہمارے حق میں زیادتیاں کی ہیں وہ ایسا نہ کرتا تھا۔ یہ سب امور اس لیے نہ کرتا تھا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا یا وہ ہماری امامت کا عقیدہ رکھتا تھا بلکہ وہ اپنی باطل عبادت میں ایسا مصروف رہتا تھا کہ وہ نہ چاہتا تھا کوئی اور ذکر ہو۔ اس کے دل میں نفاق تھا اور اس کی طینت میں ہماری عداوت تھی اور ہمارے دشمنوں کی پیروی کرتا تھا اور انھیں پسند کرتا تھا اور انھیں ہم پر مقدم اور افضل جانتا تھا"۔ (کامل الزیارات، ص ۱۰۱)

(مترجم: اسی طرح کی بے شمار احادیث موجود ہیں کہ غاصبانِ حقوق اہلِ بیتؑ عصمت وطہارت حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے لیکن کوثر پینے سے محروم رہیں گے۔ انھیں پیاسا واپس جانا ہوگا۔ شاید یہ ان کا آنا اس لیے ہو کہ وہ وہاں حوضِ کوثر پر شیعیانِ آلِ محمدؐ کی پذیرائی کو دیکھ لیں اور انھیں خوشی ومسرت میں دیکھ لیں تا کہ ان کی حسرت وندامت زیادہ ہو اور وہ جناب امام علی علیہ السلام کی عزت وجلال کا مشاہدہ کریں اور ان کی حسرت و پشیمانی میں اضافہ ہو اور پھر اپنے آپ کو برا بھلا کہیں کہ کل دنیا میں اس بزرگوار کی اطاعت کیوں نہ کی تھی۔ اے کاش! اہلِ بیت رسالتؐ کی پیروی کرتے۔

زَادَهُمُ اللهُ حَسْرَةً وَنَدَامَةً يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا وَلَقَدْ أَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِيْ

"اس دن اللہ ان کی حسرت و ندامت میں اضافہ کر دے گا اور ظالم اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش! میں نے فلاں کو اپنا خلیل کیوں بنایا تھا جس نے ذکر سے مجھے گمراہ کر دیا"۔

حدیث اپنے مقام پر ختم ہوگئی اور امام علیہ السلام نے مزید گفتگو نہ کی، کیونکہ ائمہؑ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جو گفتگو بھی فرماتے تھے۔ وہ تمام احکام کو سامنے رکھ کر کرتے تھے اور سائل کے فہم کے مطابق بات کرتے تھے اور اس کے احوال کے پیش نظر بیان جاری کرتے تھے اور سائل کو اس کے سوال کے مطابق جواب دیتے کہ اس کی تسلی ہو جائے۔ تمام اسرار بیان نہ فرماتے تھے۔ ان بزرگواروں کی احادیث ایک دوسرے کی کاشف ہیں۔

امام حسین علیہ السلام قبر کے اندر

صاحب کامل الزیارات نے عبداللہ بن بکر سے ایک طولانی روایت کی ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ سفر حج پر تھا۔ میں ان کا رفیق سفر تھا۔ میں نے اس دوران آپؑ سے پوچھا: اے فرزند رسولؐ! اگر سید الشہداؑ کی قبر مبارک کھولی جائے تو قبر میں آپؑ کا مبارک جسم دکھائی دے گا؟

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: اے ابن بکر! تیرا سوال کس قدر مشکل ہے۔ سید الشہداؑ اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ بہشت میں رسولؐ اللہ کے پاس ہم منزل ہیں اور وہاں وہ اپنے ان بزرگواروں کے ساتھ روزی پاتے ہیں اور مختلف نعمتوں کو حاصل کرتے ہیں اور ان سے لذت حاصل کرتے ہیں اور وہاں ان کے لیے خوشی و مسرت کے سامان ہیں۔ وہ وہاں گرامی اور مکرم ہیں۔ حضرت سید الشہداؑ کبھی اپنے ہاتھ کو عرش کے دائیں طرف لے جاتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: اے پروردگار! جو آپؑ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اس وعدے کو پورا فرما۔

جو لوگ آپؑ کی زیارت کے لیے آپؑ روضۂ مبارکہ پر آتے ہیں تو آپؑ ان پر نگاہ رکھتے ہیں۔ آپؑ ان کے اور ان کے والدین کے ناموں کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح

آپؑ لوگ اپنی اولادوں کے ناموں کو جانتے ہو، بلکہ آپؑ اپنے زائرین کو اس سے بہتر جانتے ہیں جتنا تم اپنی اولاد کو جانتے ہو۔ زائرین کے پاس جو کچھ ہوتا ہے آپ اُسے بھی جانتے ہیں۔

جب کوئی آپؑ کے مصائب میں روتا ہے اور گریاں و نالاں ہوتا ہے آپؑ ان پر نظر فرماتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اپنے پدرانِ بزرگواران کی بارگاہوں میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھی ان کے زائرین کے لیے دعا کریں۔ جب کوئی آپؑ پر گریہ کرتا ہے آپؑ اُس سے خطاب کرتے ہیں:

اے گریہ کرنے والے! خداوند تعالیٰ نے تیرے لیے کرامتیں، نعمتیں آمادہ و مہیا کر رکھی ہیں۔ وہ تیرے اس حزن و اندوہ سے ہزاروں گنا زیادہ اپنے دامن میں خوشیاں رکھتی ہیں۔ آنحضرتؑ اپنے اُوپر گریہ کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں:

"اے پروردگار! اس کے گناہوں کو معاف فرما اور اس کی خطاؤں سے درگزر فرما"۔

مصنف فرماتے ہیں: میں نے بعض ثقہ مؤلفین و معاصرین کی کتابوں میں خود دیکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کے سامنے آپؑ کے اس شہزادے کی شہادت کا ذکر کیا کہ آپؑ کے اس شہزادے کو اُموی طاغیوں کی طرف سے بے پناہ مصائب پہنچیں گے تو خاتونِ قیامت یہ سن کر بے پناہ روئیں تھیں۔ اس گریہ وزاری کے بعد شہزادی نے اپنے بابا رسولؐ اللہ کے حضور عرض کیا تھا: اے بابا جان! یہ مصیبت ہمارے اس شہزادے پر کب آئے گی؟

آپؐ نے فرمایا: یہ اس زمانے میں آئے گی، جس زمانے میں نہ مَیں ہوں گا نہ آپؑ اور نہ علیؑ۔ ہم سب اس دنیا سے رحلت کرچکے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس بیان سے خاتونِ جنت کا گریہ اور بڑھا اور اس میں شدت پیدا ہوئی اور اس دوران عرض کیا:

"اے بابا جانؐ! جب میرا بیٹا شہید ہوگا اور میں اس وقت زندہ نہ ہوں گی تو میرے

بیٹے پر کون رُوئے گا؟ ان پر نوحہ و نالہ کون کرے گا؟ اور اس کے لیے صفِ ماتم و گریہ کون بچھائے گا اور ان پر کون آنسو بہائے گا؟"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے شہزادی! میری اُمت کی نیک عورتیں میرے اہلِ بیتؑ کی عورتوں کے مصائب پر گریہ کریں گی اور ان کے دین دار مرد اہلِ بیتؑ کے مردوں پر گریہ کریں گے اور وہ سالانہ صفِ عزا بچھائیں گے اور ہمارے اہلِ بیتؑ کے مصائب کی یاد تازہ کرتے رہیں گے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو آپؑ ان کی عورتوں کی شفاعت کریں گی اور میںؐ ان کے گناہ گار مردوں کی شفاعت کروں گا۔ جو شخص اس دنیا میں میرے فرزند حسینؑ کے مصائب میں گریاں و نالاں ہوگا قیامت کے دن میں اس کا ہاتھ پکڑوں گا، اور اُسے بہشت میں داخل کروں گا۔

اے میری شہزادی! قیامت کے دن ہر چشم گریاں و نالاں اور اشک ریزاں ہوگی مگر وہ آنکھ گریہ سے محفوظ ہوگی جس نے اس دنیا میں میرے بیٹے حسینؑ پر گریہ کیا ہوگا۔ وہ آنکھ اس روز شاداں و فرحاں ہوگی اور اُسے جنت کی بیکراں نعمتوں کی بشارت دی جائے گی"۔ (العوام امام حسینؑ، کتاب شیخ عبداللہ بحرانی، ص ۵۳۴)

مصنف کتاب فرماتے ہیں: اس باب کی بعض احادیث آئندہ بیان ہوں گی کہ جن میں ذکر ہے کہ زمین و آسمان بھی سید الشہداءؑ کی مظلومیت پر روئے۔ میں نے بعض کتب میں خود یہ حکایت دیکھی ہے کہ جس کے راوی بزرگوار سید حسینی ہیں۔

سیّد بزرگوار کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں کچھ دوسرے زائرین کے ساتھ جنابِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مزار شریف پر تھا۔ محرم کا مہینہ تھا۔ جس دن عاشورا محرم آیا ہم میں سے ایک آدمی نے سید الشہداءؑ کے مصائب پڑھنا شروع کر دیے۔ پس اُس آدمی نے یہ روایت بیان کی کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر وہ شخص جو سید الشہداءؑ کے مصائب میں اتنا روئے کہ اس کی آنکھ سے مچھر کے پَر کو تر کرنے کے برابر آنسو باہر آئے تو خداوند تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ چاہے وہ کفِ دریا کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

ہماری اس مجلس میں ایک دریائے جہالت میں غرق اور جہل مرکب و نادانی سے متصف آدمی بیٹھا تھا۔ جسے علم و دانش سے دُور کا واسطہ نہ تھا۔ خوشبوئے علم و معرفت اس کے مشام تک نہ پہنچی تھی۔ کہنے لگا: یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ عقل اسے قبول نہیں کرتی۔

پس اس آدمی اور ہمارے درمیان ایک لمبی چوڑی بحث ہوئی جس قدر ہماری معلومات تھیں ہم نے اُسے اپنی بات منوانے کی بھرپور کوشش کی۔ جتنے دلائل و براہین تھے وہ پیش کیے لیکن اُس نے ہماری ایک نہ مانی اور اپنے جہل وضد پر اَڑا رہا۔ آخری ہماری مجلس ختم ہوئی اور ہم میں سے ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر چلا گیا۔ وہ آدمی چلتے وقت تک اپنے انکار و عناد پر ڈٹا رہا اور حدیث کی تکذیب کرتا رہا۔

جب دوسرا دن ہوا اور ہم سب اپنی معمول کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ آدمی ہماری مجلس میں آیا، لیکن جب ہم نے اس کی طرف دیکھا تو ہمیں اس میں تبدیلی نظر آئی۔ جب اُس نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تو اس کے لہجے میں گزشتہ روز والی گرمی نہ تھی بلکہ نرمی تھی۔ عذر و معذرت کے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس نے اپنے عقائد فاسدہ سے ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا۔ اظہار ندامت کے بعد اس نے اپنا قصہ سنایا کہ جب کل ہماری مجلس ختم ہوئی اور میں اپنے مقام پر آیا اور خواب گاہ میں سو گیا۔

جونہی میں سویا تو میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے۔ ہر طرف سے لوگ میدانِ محشر میں جمع ہو رہے ہیں۔ ایک وسیع میدان ہے جو بالکل برابر ہے۔ اس میں نہ بلندی ہے اور نہ پستی بالکل ہموار ہے۔ تمام لوگ وہاں جمع ہیں۔ میزانِ اعمال لگا ہوا ہے اور صراط کو جہنم کے اُوپر رکھا ہوا ہے۔

اعمال نامے کھولے جا رہے ہیں۔ اِدھر جہنم کو بھڑکایا جا رہا ہے اور جنت کو سجایا جا رہا ہے۔ اِدھر میں نے دیکھا کہ جھلسا دینے والی اور جلا دینے والی ہوائیں مجھ پر چلنے لگی ہیں جس سے میرا وجود جلنے لگا اور جھلسنے لگا۔ اس وقت میں حال سے بے حال تھا۔ اس دوران مجھ پر تشنگی کا دورہوا۔ پیاس کی شدت نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ کی کہ کہیں پانی نظر آئے اور اپنی پیاس بجھاؤں لیکن مجھے کہیں پانی کا ایک قطرہ تک نہ ملا۔ میرا

جسم جل رہا تھا۔ میرے اندر ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ میدانِ محشر کے دائیں بائیں ایک وسیع و عریض حوض ہے جس کی وسعت کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اُسی ساعت میں نے سمجھ لیا یہ ضرور حوضِ کوثر ہی ہے۔

میں فوراً حوضِ کوثر پر گیا، جس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ شہد سے زیادہ میٹھا اور صاف و شفاف تھا۔ اچانک اس حوض کے کنارے پر میری نگاہ دو بزرگواروں پر پڑی اور ان کے پاس ایک خاتون بھی تھی کہ جس کے جمالِ نور نے اہلِ محشر کو اپنے احاطے میں لیا ہوا ہے۔ وہ خاتونِ معظمہ باوجود اس جلال وعظمت و جاہ و عزت کے سیاہ ماتمی لباس میں تھیں اور ان کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ محزون و مغموم نظر آرہی تھیں۔ میں نے پوچھا: یہ بزرگوار کون ہیں کہ جن کے اَنوار باہرہ نے عرصۂ محشر کو منور کر رکھا ہے؟

ایک شخص نے مجھے بتایا: ان میں سے ایک سرکار بزرگوار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دوسرے بزرگوار رہبر عالم جہاں جناب علی مرتضیٰؑ ہیں اور وہ خاتون مکرمہ جو ان کے پاس بیٹھی ہیں وہ طاہرہ مطہرہ بتول عذرا حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

میں نے پوچھا: میں انھیں سیاہ لباس میں محزون و مغموم دیکھ رہا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟

اس شخص نے کہا: کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ آج روزِ عاشورہ ہے کہ اس دن حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ پس اس وجہ سے وہ خاتون مغموم و پریشان ہیں۔

جب میں نے اس آدمی کی یہ بات سنی تو میں خاتونِ معظمہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی بارگاہِ قدس میں پہنچا اور ان کے حضور عرض کیا: اے شہزادیِ رسولؐ اللہ! میں پیاس سے مرا جاتا ہوں، پیاس و تشنگی نے میرا برا حال کر رکھا ہے، اس پانی سے مجھے ایک گھونٹ پانی کرامت فرمایئے۔

جب اس خاتونِ معظمہ نے میری بات سنی تو غضب ناک نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور فرمایا:

کیا تو وہی نہیں ہے کہ جو میرے بیٹے کی مصیبت میں رونے کے ثواب کا منکر ہے؟ کہ وہ میرے نور دیدہ ہیں اور میرے دل کا ثمر ہیں اور شہیدِ بیابانِ کربلا ہیں اور کشتۂ گروہ

طاغیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قاتلوں پر جنھوں نے ان پر دریائے فرات کا پانی بند کیا، لعنت فرمائی ہے۔ مَیں اس ترساں ولرزاں صورت میں بیدار ہوا اور اللہ کے حضور بہت زیادہ توبہ واستغفار کی۔ بس اسی وقت سے میں پشیمان و نادم ہوں کہ میں نے یہ گستاخی کیوں کی۔ پس میں اب اپنے دوستوں کے پاس آیا ہوں کہ ان سے معذرت کروں اور اپنا خواب بھی بیان کروں۔ پس میں نے بارگاہ خداوندی میں توبہ کرلی ہے۔ (العوالم الامام الحسین، ص ۵۳۴)

(مترجم: یہ وہ روایات ہیں کہ جنھیں مصنف نے اس باب میں درج کیا ہے جس طرح صاحب مجمع البحرین نے مادہ عشر میں روایت نقل کی ہے۔ پس اس روایت کا یہاں نقل کرنا سودمند ثابت ہوگا)۔

حدیث میں آیا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مناجات کی: اے میرے پروردگار! کیا وجہ ہے کہ تو نے اُمت محمدیہ کو تمام سابقہ اُمتوں پر فضیلت بخشی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا: اے موسیٰ! میں نے ان کی دس خصلتوں کی وجہ سے انھیں ترجیح وتفضیل دی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! وہ کون سی دس خصلتیں ہیں کہ جن پر اُمت محمدیہ نے عمل کیا اور ان کے اس عمل کی وجہ سے تو نے انھیں افضل بنا دیا تاکہ مجھے ان کا علم ہو، اور میں بنواسرائیل کو ان کی تعلیم دوں اور وہ بھی ان پر عمل کریں تاکہ انھیں بھی یہ فضیلت ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دس خصلتیں یہ ہیں:

(۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) روزہ کی پابندی (۴) حج (۵) جہاد (۶) نماز جمعہ (۷) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا (۸) قرأت قرآن (۹) علم قرآن کا حصول (۱۰) عاشورا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! عاشورا سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عاشورا نام ہے سبطِ محمدؐ پر رونا، دوسروں کو رُلانا، خود رونے کی شکل بنانا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! میرے بندوں میں سے کوئی

ایسا بندہ نہیں کہ وہ اس زمانے میں اس مظلوم کے مصائب میں گریہ کرے اور اس پر جنت واجب نہ ہو اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور میرے بندوں میں سے کوئی ایسا بندہ نہیں کہ اس فرمان میں میرے آخری نبی کے فرزند کی محبت میں مال خرچ کرے خواہ طعام کی شکل میں خواہ درہم و دینار کی شکل میں میں اُسے اس دنیا میں ستر گنا عطا کروں گا اور آخرت میں اُسے بہشت میں جگہ دوں گا۔ وہ بہشت میں جہاں چاہے گا وہ رہے گا۔ میں اس کے تمام گناہ معاف کردوں گا۔

بخدا! اس زمانے میں جب کوئی مرد اور عورت عاشورا کے دن یا اس کے علاوہ دوسرے ایام میں جناب محمد مصطفیؐ کے فرزند کی شہادت پر گریہ کرے گا اور اُن کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ جاری ہوگا تو میں اس کے نامۂ اعمال میں ایک سو شہدا کا ثواب لکھ دوں گا۔ (مجمع البحرین، ج ۳، ص ۴۰۶، مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۸)

***

بابِ دوازدھم

اصحابِ امام حُسین علیہ السلام کے فضائل و منزلت

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی شجاعت کی وجہ

علل الشرائع میں جناب عمارہ سے مروی ہے: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: حضرت امام حسین علیہ السلام کے صحابہ کی جرأت و شجاعت کی کیا وجہ تھی کہ وہ موت سے خوف زدہ نہ تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ان کی جرأت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے سے حجابات ہٹا دیے گئے تھے۔ انھوں نے بہشت میں اپنے منازل و مقامات کا مشاہدہ کرلیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر موت کے لیے سبقت حاصل کر رہے تھے۔ اس لیے ان کا ہر آدمی اپنے آپ کو پیش کرتا تھا تاکہ وہ امامؑ کے قدموں میں شہادت حاصل کرے اور سب سے پہلے حوروں سے ملاقات کرے اور ان سے معانقہ کرے اور بہت جلد جنت میں اپنی منزل و مکان پالے۔ (علل الشرائع ج ۱، ص ۲۲۹)

معانی الاخبار میں علی ناصری کی روایت ہے: جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: جس وقت میدانِ کربلا میں یومِ عاشور میرے پدر بزرگوار کو دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور ان پر امر سخت ہوکر رہ گیا تھا۔ آپؑ کے اصحاب نے آپؑ پر نگاہ کی تو انھوں نے آپؑ کی حالت کو اپنی حالت کے برعکس پایا کیونکہ اس دن آپؑ کے اصحاب کی حالت کچھ اس طرح تھی کہ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن نے انھیں گھیر لیا ہے اور ہر طرف ان پر ہجوم کردیا ہے۔ اس وجہ سے ان کے مبارک چہرے خوف کی وجہ سے متغیر ہوکر رہ گئے تھے اور ان کے اعضا مفاصل میں لرزا پیدا ہوگیا تھا اور خوف کا ان پر غلبہ ہوگیا تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ کے افراد کے حالات ان جیسے نہ تھے۔ خوف نامی چیز سے وہ واقف ہی نہ تھے کہ

خوف ہوتا گیا ہے۔ جوں جوں دشمن کا ان پر دباؤ بڑھ رہا تھا، اس قدر ان کے چہروں کی رونق بھی بڑھ رہی تھی۔ ان کے رخساروں کی چمک دمک نور بکھیر رہی تھی۔ ان کے اعضاء مطمئن تھے۔ نہ وہ ترساں تھے اور نہ لرزاں۔ وہ نہایت ہی پُرسکون تھے، نہ انھیں دشمن کا خوف تھا اور نہ قتل کا خوف تھا۔ اس لیے آپ کے کچھ اصحاب اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہتے: اُدھر فرزندِ رسولؐ کی طرف دیکھو کہ وہ کس قدر پُرسکون ہیں اور انھیں موت کا خوف ہی نہیں ہے۔ جب سیدالشہداؑ نے ان کی اس حالت کا جائزہ لیا کہ ان میں سے اکثر موت کے ڈر سے افتاں وخیزاں اور ترساں ولرزاں ہیں۔

آپؑ نے انھیں فرمایا: اے فرزندانِ گرامی! صبر کیجیے کیونکہ موت تو ایک پُل ہے جو تمھیں اس دنیائے فانی کے رنج وشدائد سے نجات دے گی اور تم اس کے ذریعے وسیع وعریض جاودانی بہشت میں داخل ہوجاؤ گے جو اللہ کی نعمتوں سے بھرپور ہے جس میں کمال ہی کمال ہے، زوال ہے ہی نہیں اور اس میں نہ کسی قسم کا تغیر وتبدل ہے اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے۔تم میں سے کوئی شخص ہے جو نہ چاہے گا کہ قیدخانہ سے قصرِعالی کی طرف منتقل ہوجائے اور موت تمھارے دشمنوں کے لیے اس طرح ہے کہ جس طرح کسی شخص کو قصر سے زندان جانا پڑ جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ دنیا مومن کے لیے زندان ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔ موت مومنوں کے لیے ایک پُل ہے جو انھیں بہشت کے باغوں کی طرف پہنچا دیتی ہے اور موت کافروں کے لیے بھی پُل ہے جو انھیں دوزخ تک پہنچاتی ہے۔ یہ نہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھے جھوٹ کہا گیا ہے"۔

اصحابِ حسینیؑ اور منازلِ جنت

خرائج میں ابوحمزہ ثمالی سے روایت ہے: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں شب عاشورا اپنے والد کے ہاں بیٹھا تھا جس کی صبح کو میرے والد بزرگوار کو شہید کیا گیا۔
آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"شب تاریک ہے، ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھایئے، اسے اپنے لیے ڈھال بنا کر یہاں سے چلے جایئے۔ آپ لوگ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں، کیونکہ یہ باغی اور سرکش لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے علاوہ ان کی اور کوئی غرض نہیں ہے۔ میں ہی ان کا مقصود اور مراد ہوں۔ اگر وہ مجھے قتل کردیں تو وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ ان کا تم سے کوئی کام ہی نہیں ہے۔ میری طرف سے تمھیں کھلی اجازت ہے کہ تم جاسکتے ہو"۔

جب ان لوگوں نے معدن فتوت و کرامت سے سخنان دل سوز سنیں تو سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا: بخدا! ہم سے ایسا نہیں ہوسکے گا کہ آپؑ کو لشکر اعداء کے نرغے میں تنہا چھوڑ دیں اور اپنی جانیں بچا کر نکل جائیں۔

یہ سن کر سید الشہداؑ نے فرمایا: اگر آپ لوگ یہاں سے نہیں جاتے تو یہ دیکھ لو تم سب قتل کردیے جاؤ گے، تم میں سے کوئی ایک بھی قتل ہونے سے نہیں بچ سکے گا۔

اصحاب نے عرض کیا: ہم اپنے خدا سے اور کیا مانگتے ہیں جب کہ وہ ہمیں اس شرافت و کرامت سے مشرف کرے اور سربلندی عطا کرے اور آپؑ کے قدموں میں شہادت کا عظیم رُتبہ حاصل کرلیں۔

جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے ان کے جذبوں اور ولولوں کو دیکھا اور ان کا شہادت سے عشق دیکھا اور اُنھیں لشکر اعداء کے خلاف جہاد پر عازم و جازم اور ثابت قدم پایا اور ان کو آزما لیا اور وہ بھی آزمائش میں پورے اُترے تو آپؑ نے ان کے حق میں دعائے خیر دی۔
پھر اُن سے فرمایا: "اب اپنے سروں کو آسمان کی طرف بلند کیجیے اور اپنے منازل و درجات پر نظر کیجیے اور بہشت میں اپنے مقامات کی زیارت کیجیے"۔

پھر آپؑ نے ان میں سے ہر ایک کو جنت میں اپنا اپنا محل و مقام دکھایا۔ اے فلاں

یہ مقام و منزل تیری ہے، اے فلاں وہ گھر جنت میں تیرا ہے۔ جب آپ کے اصحاب نے جنت میں اپنے اپنے محلات و درجات دیکھے تو وہ منزلِ یقین پر پہنچ گئے بلکہ انھیں عین الیقین حاصل ہو گیا کہ وہ جونہی قتل ہوں گے تو فوراً جنت میں اپنی اپنی منازل کو پالیں گے۔ اس لیے ان کا ہر فرد شمشیر و سنان کے تابڑ توڑ حملوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بڑھ بڑھ کر جہاد کر رہا تھا۔ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت کی سعادت کو پا کر بہشت بریں پہنچ گئے۔
(الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۸۴۷)

حضرت امام زین العابدینؑ کی حضرت عباس علمدار کے فرزند سے گفتگو

خصال اور امالی شیخ صدوق میں ابوحمزہ ثمالی سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نگاہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے فرزند پر پڑی تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور رخساروں پر جاری ہو گئے۔ آپؑ کافی دیر تک روتے رہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنگِ اُحد کے دن سے سخت تر و شدید تر دن نہیں آیا کہ اُس دن آپؐ کے عمِ بزرگوار جناب حمزہ بن عبدالمطلب جو (شیر) اسد اللہ اور اسدِ رسولؐ تھے، مارے گئے تھے۔ پھر جنگ موتہ سے سخت ترین دن رسولؐ اللہ پر نہیں آیا کہ اس روز آپؐ کے چچازاد بھائی جناب جعفر بن ابی طالب علیہ السلام شہید کر دیے گئے۔

اس کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی دن مصائب و شداد میں اس دن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، جس دن میرے پدر بزرگوار بے دردی کے ساتھ شہید کیے گئے۔ اُس دن تیس ہزار نامردوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام پر ہجوم کیا اور آپؑ کے قتل پر اکٹھے ہو گئے اور ان کا ہر فرد دعویٰ کرتا تھا کہ وہ رسولؐ اللہ کی اُمت سے ہے، اور ان کا ہر آدمی سید الشہداؑ کے خون گرانے کے سبب اللہ کا تقرب چاہتا تھا اور سید الشہداؑ نے انھیں وعظ و نصیحت کی تھی اور انھیں اللہ کے دائمی عذاب سے ڈرایا لیکن وہ غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور آپؑ کی نصائح کو قبول نہ کیا۔ آخر انھوں نے ازراہِ ظلم و جور امامؑ کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

جناب عباسؑ پر اللہ کی رحمت ہو کہ انھوں نے جانفشانی اور مردانگی کے جوہر دکھائے اور اپنی جان اپنے بھائی کی جان پر قربان کردی یہاں تک کہ ان ظالموں نے آپ کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو جنت میں ان ہاتھوں کے عوض دو پَر عطا فرمائے۔ آپؑ ان پروں سے ملائکہ کے ساتھ بہشت میں پرواز کرتے ہیں، جس طرح جناب جعفر طیارؑ کو اللہ نے دو پَر عطا فرمائے تھے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: بارگاہِ خداوندی میں جناب عباسؑ کو وہ مقام و منزلت نصیب ہے کہ قیامت کے دن تمام شہداؑ ان کی اس منزلت پر رشک کریں گے۔ (امالی صدوق، ص ۴۶۲، الخصال صدوق، ج ۱، ص ۶۸، ۱۰۱)

حضرت عباس علمدارؑ کا مقام

کامل الزیارات میں ابوبصیر سے روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک دن فرمایا:

مَا مِنْ شَهِيْدٍ اِلَّا وَيُحِبُّ لَوْ اَنَّ الْحُسَيْنَ بْنِ عَلِيٍّ حَيٌّ حَتّٰى يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ مَعَهُ

"کوئی شہید ایسا نہیں ہے مگر کہ وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوتا اور ان کے ہمراہ جنت میں جاتا"۔

(کامل الزیارات، ص ۱۱۱)

(مترجم: اس فقرہ سے مراد یہ ہے کہ جب کائنات کے تمام شہدا شہدائے کربلا کے عالی درجات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس وقت ان کی آرزو ہوتی ہے کہ اے کاش! حضرت امام حسین علیہ السلام زندہ ہوتے اور وہ ان کے قدموں میں نثار ہوتے اور ان کے مدارج کو حاصل کرتے۔

***

بابِ سیزدھم

قاتلانِ امام حسینؑ پر عذابِ الٰہی

قاتلانِ حضرت امام حُسینؑ پر لعنت کرنے کا ثواب

بزرگوار شیخ صدوق کی امالی میں منقول ہے: ریان بن شبیب کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تو خوشی وشادی حاصل کرنا چاہتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہشت میں رہنا چاہتا ہے تو حضرت امام حُسین علیہ السلام کے قاتلوں پر لعنت بھیج!

اے ابن شبیب! اگر تو اُخروی مسرتوں اور راحتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسی اجر جزیل اور ثوابِ جمیل کا حصول چاہتا ہے جو اجر ان لوگوں کو ملا ہے جنھوں نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کے قدموں میں جانیں نچھاور کیں تو ان الفاظ کو اپنے دل وزبان پر جاری کر۔

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا (النساء، آیہ ۷۳)

(مترجم: یہ روایت پچھلے اوراق میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ مصنف نے اسی روایت کے بعض فقرات کو اس باب کی مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کر دیا ہے)۔

سلام بر حسینؑ اور لعنت بر قاتلانِ امامؑ

مصنف نے فرمایا ہے کہ میں نے اسی روایت کو شام کے احوال میں بیان کیا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے: جب تم میں سے کسی کی نگاہ جَو کے شراب پر پڑے اور شطرنج پر پڑے تو اس وقت حضرت امام حُسین علیہ السلام کی مصیبت کو یاد کرو اور یزید (لعین) اور اس کی آل پر لعنت کرو تو اس کے سبب خداوند تعالیٰ تمھارے تمام گناہ معاف فرما دے گا چاہے وہ آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۴۱۹، عیونِ اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۲، وسائل الشیعہ، ج ۲۵، ص ۳۶۳)

حضرت امام حسینؑ کے قاتل پر عذاب

عیونِ اخبار الرضا میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حضرت امام حسینؑ کا قاتل جہنم میں ایک تابوت میں ہوگا۔ اہلِ دنیا کا نصف عذاب اس کے لیے مقرر کردیا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کو جہنم کی آتشیں زنجیروں کے ساتھ جکڑ کر قعرِ جہنم میں لٹکا دیا جائے گا۔ اس کی بدبو سے تمام اہلِ جہنم بارگاہِ خداوندی میں فریاد کریں گے، اس کی پناہ چاہیں گے اور وہ ملعون ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور دردناک عذاب میں مبتلا رہے گا اور اس کے جتنے ساتھی جنھوں نے اس کی مدد کی تھی یا اس کی اتباع میں تھے وہ سب اس کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ جس وقت ان کے اجسام کی کھال جل جائے گی تو دوبارہ اس کی جگہ ایک نئی کھال لے لے گی اور اس طرح یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا تاکہ وہ مسلسل عذاب میں رہیں اور ان کا عذاب مسلسل ہوگا اور ان کے حلق میں حمیمِ جہنم ڈالی جائے گی۔ پس جہنم کے عذاب کی وجہ سے ان کے لیے ابدی واہی و تباہی ہے۔ (عیونِ اخبار الرضا، ج ۲، ص ۴۷، تاویل آیات طاہرہ، ص ۷۴۳)

یہ روایت صحیفۃ الرضا میں مذکور ہے۔ (صحیفۃ الرضا، ص ۵۸)

قاتلِ امام حسینؑ اُمت کا شریر ترین فرد ہے

کتاب عیونِ اخبارالرضا میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے، آپؐ نے فرمایا:

میرے فرزند حسینؑ کو وہ قتل کرے گا جو میری اُمت کا شریر ترین اور بدترین مرد ہوگا اور جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے بیزاری کرے گا وہ میری نبوت کا منکر ہے اور جو میری نبوت کا منکر ہے، وہ کافر ہے اور وہ میری احادیث کو جھٹلاتا ہے۔ (عیونِ اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶۴)

اللہ اور اس کے رسولؐ دشمنانِ اہلِ بیتؑ پر لعنت کرتے ہیں

خصال میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

فرمان ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے ہر مستجاب الدعوات نبی نے چھے افراد پر لعنت کی ہے۔

پہلا وہ فرد جو اللہ کی کتاب میں کسی چیز کا اضافہ کرے۔

دوسرا وہ شخص جو قدرتِ خدا کی تکذیب کرے۔

تیسرا وہ شخص جو میری سنت کو ترک کرے۔

چوتھا وہ جو اس چیز کو میری عترت کے حق میں حلال قرار دے جو اللہ نے حرام کر رکھی ہے اور انھیں اذیت دے۔

پانچواں وہ شخص جو لوگوں پر از روئے قہر و غلبہ سلطنت کرے اور جسے اللہ نے عزیز و مکرم بنایا ہے، اُسے ذلیل کرے اور اُس کی تکریم کرے جسے خدا نے ذلیل کیا ہے۔

چھٹا وہ شخص ہے جو مسلمانوں کا مالِ غنیمت اپنے قبضہ میں لے کر اُسے اپنے لیے حلال سمجھے۔(خصال صدوق، ج ا، ص ۳۳۸)

(مترجم: اس حدیث میں یہ الفاظ کہ ''خدا جنھیں عزیز و مکرم کرے'' سے مراد آئمہ اور اہلِ ایمان ہیں اور ''خدا جنھیں ذلیل کرے'' سے مراد کافر لوگ ہیں۔

اے کلیم! میں پوری کائنات کو بخش دوں گا......مگر؟

عیونِ اخبار الرضا اور صحیفہ رضا میں منقول ہے: حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

ایک دن حضرت موسیٰؑ کلیم نے بارگاہِ خداوندی میں مناجات کی: ''اے میرے پروردگار! میرے بھائی (ہارونؑ) اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، انھیں بخش دے''۔

پس اللہ تعالیٰ نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی: ''اے موسیٰؑ! اگر تو اوّلین و آخرین کی سفارش کرے تو میں تیری ان کے حق میں سفارش قبول کروں گا سوائے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے، میں ہر صورت ان کے قاتل سے انتقام لوں گا۔ (عیونِ اخبار الرضا، ج ۲، ص ۴۷، اللھوف، ص ۱۴۰، تاویل آیات طاہرہ، ص ۲۴۷)

جس وقت حسینؑ کو یاد کرو تین مرتبہ کہو

شیخ طوسی نے اپنی امالی میں حسن بن ابی فاختہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک

دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور عرض کیا: جب میں سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کو یاد کروں تو اس وقت کون سا ذکر کروں؟

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: تم اس وقت تین بار کہو: صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا اَبَاعَبْدِاللهِ۔ (امالی شیخ طوسی، ص ۵۴)

قاتلِ امام حسینؑ کا اُخروی عذاب

کتاب ثواب اعمال میں مروی ہے کہ عیسیٰ بن قاسم کہتے ہیں: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور قاتل امام حسین علیہ السلام کا ذکر کیا تو حاضرین میں سے ایک آدمی نے آپؑ کے حضور عرض کیا: مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملعون پر اس دنیا میں عذاب نازل کرے اور اس سے انتقام لے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: گویا کہ تو اُخروی عذاب کو بہت کم اور آسان خیال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آخرت میں جو دردناک عذاب مقرر کر رکھا ہے وہ دنیا کے عذاب سے سخت تر اور شدید تر ہے اور وہ دنیاوی عذاب کے مقابلے میں نہایت ہی دردناک اور اذیت ناک ہے۔ (ثواب الاعمال، ص ۲۱۶)

حضرت امام حسینؑ اور حضرت یحییٰؑ کے قاتلوں کا جہنم میں مقام

کتاب ثواب الاعمال میں مذکور ہے کہ جناب جابر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں ایک جگہ ہے جو نہایت ہی دردناک ہے سوائے قاتلِ حسینؑ اور قاتلِ یحییٰؑ کے، اس کا کوئی اور مستحق نہیں ہے۔ (امالی طوسی، ص ۴۲، ۵۴، ثواب الاعمال، ص ۲۱۶)

پیغمبروںؑ نے اپنی اپنی اُمت کو حکم دیا

کامل الزیارات میں کعب الاحبار سے روایت ہے: سب سے پہلے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت کی، وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے اور اُنھوں نے اپنی

اولاد کو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں پر لعنت کرتے رہیں اور ان سے عہد لیا کہ ان کے قاتلوں پر کبھی لعنت کو ترک نہ کریں۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں پر لعنت کی اور اپنی اُمت کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کے قاتلوں پر لعنت کریں۔ ان کے بعد جناب داؤد علیہ السلام نے آنحضرتؑ کے قاتل پر لعنت کی اور آپؑ نے بنواسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ان کے قاتل پر لعنت کریں۔ ان کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرتؑ کے قاتل پر لعنت کی اور آپؑ نے جس چیز کا زیادہ اظہار کیا وہ یہ تھی۔

آپؑ نے فرمایا: اے بنواسرائیل! اس بزرگوار کے قاتل پر لعنت کیجیے۔ اگر تم میں سے کوئی ان کی شہادت کا زمانہ پائے تو ان کی نصرت میں جہاد کرے، اگرچہ وہ ان کی نصرت میں شہید ہو جائے۔ اگر کوئی ان کے ساتھ ثابت قدم رہے تو ایسے ہے جیسے وہ پیغمبروں کے ساتھ شہید ہوا ہو اور اپنے خون میں غلطاں ہوا ہو۔ گویا کہ میں اس زمین کو دیکھ رہا ہوں جس میں وہ شہید کیے جائیں گے اور کوئی ایسا نبی نہیں ہے، جس نے کربلا کی زیارت نہ کی ہو اور اسی مقام پر نہ ٹھہرا ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین کربلا سے خطاب فرمایا:

> اے بقعۂ مبارک! تیرے اندر کائنات کی تمام خوبیاں ہیں اور عنقریب تیرے اندر ماہ درخشندہ و تابان مدفون ہوگا۔ (کامل الزیارت، ص ۶۷)

(مترجم: مصنف نے اس حدیث کے بعض فقروں کی وضاحت کی ہے۔ حدیث کا متن یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

> وَ اِنْ اَدْرَكْتُمْ اَيَامَهُ فَلَا تَجْلِسُوا عَنْهُ فَاِنَّ الشَّهِيْدَ مَعَهُ كَالشَّهِيْدِ مَعَ الْاَنْبِيَاءِ مُقْبِلٍ غَيْرَ مُدْبِرٍ وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بُقْعَتِهِ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ زَارَ كَرْبَلَاءَ وَوَقَفَ عَلَيْهَا وَقَالَ اِنَّكَ لَبُقْعَةٌ كَثِيْرَةُ الْخَيْرِ فِيْكِ يُدْفَنُ الْقَمَرُ الْاَزْهَرُ

ان جملوں کا ترجمہ تو ہو چکا ہے لیکن مصنف نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے کہ لفظ ''مقبل'' کی جگہ ''مقبلاً'' ہونا چاہیے۔ اس کے لام پر فتح اور آخر میں تنوین ہو۔ اور یہ ''قول کالشہید'' سے حال واقع ہوگا۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں شہادت اس شہادت کے مانند

ہوگی جو انبیا علیہم السلام کی خدمت میں شہادت تھی حالانکہ وہ جہاد کی طرف متوجہ تھا اور میدان سے بھاگنے والا نہ تھا۔ اگر کہیں کہ ''مقبل'' مبتدا محذوف کی خبر ہے تو اس کا معنٰی ہوگا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام دشمنوں سے جہاد کرنے میں پیش پیش رہے اور آپؑ نے جہاد سے اعراض نہیں کیا تو یہ معنٰی سب سے صحیح نظر آتا ہے۔

وائی بر قاتلانِ امام حسینؑ

اسی مذکورہ کتاب میں عوالم سے روایت ہے جو قریش کا غلام تھا، اُس نے کہا: میں نے اپنے آقا عمر بن ہُبیرہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں حسنین شریفینؑ بیٹھے ہیں۔ رسولؐ اللہ کبھی حضرت حسن علیہ السلام کے رخساروں کے بوسے لیتے اور کبھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہرۂ اقدس کو چومتے۔ اسی دوران آپؐ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو تجھے شہید کرے اس کے لیے واہی وتباہی ہے۔ (کامل الزیارات)

جو رسولؐ اللہ کی زندگی جیسی زندگی اور ان جیسی موت چاہتا ہے

مذکورہ کتاب میں سعد اسکاف سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جو میری زندگی کی طرح اپنی زندگی کرنا چاہتا ہے اور میری موت مرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس جنت میں داخل ہو، جس کے درختوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا اور اُنھیں اپنی قدرتِ کاملہ سے بویا اور کاشت کاملہ سے پیدا فرمایا اور اُنھیں اپنی قدرتِ کاملہ سے بویا اور کاشت کیا تو وہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی ولایت میں آجائے اور ان کے بعد ان کی ولایت میں آئے جو اِن کے اوصیاء ہیں۔ ان کی فضیلت کا عقیدہ رکھے اور ان کے سامنے سرِتسلیم خم کرے کیونکہ وہ لوگوں کے ایسے راہنما ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہے اور اللہ نے اُنھیں میرا علم وفہم عطا فرمایا ہے اور یہ میری عترت ہیں اور میری طینت وخون سے ان کی تخلیق ہوئی ہے اور یہ میرے پارۂ تن ہیں۔ میری بارگاہ خداوندی میں ان افراد کے خلاف

شکایت ہے جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کے فضائل کا انکار کرتے ہیں اور میرے احسان و صلہ رحمی کو ان کے حق میں قطع کرتے ہیں بخدا! جو لوگ میرے فرزندوں کو شہید کریں گے، اللہ انھیں میری شفاعت سے محروم رکھے گا۔(بصائر الدرجات، ص ۴۸-۴۹، مناقب آل ابی طالب، ج ا، ص ۲۹۲، شرح نہج البلاغہ، ج ۹، ص ۱۷۰)

قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام اور قاتلِ حضرت یحییٰ علیہ السلام ولدالزنا تھے

مذکورہ کتاب میں کُلیب بن معاویہ سے روایت ہے: ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قاتل حرام زادہ ہے اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کا قاتل بھی حرام زادہ ہے۔ آسمان نے کسی کی مصیبت پر گریہ نہیں کیا سوائے ان دو بزرگواروں کی مصیبت پر۔ (کامل الزیارات، ص ۷۷)

(مترجم: مندرجہ بالا حدیث کو حصر سے بیان کیا گیا ہے کہ صرف انھی دو بزرگواروں کی مصیبت پر آسمان رویا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ ان دو بزرگواروں پر آسمان مخصوص کیفیت کے ساتھ رویا۔ اس کیفیت کے ساتھ کسی اور کی مصیبت پر نہیں رویا حالانکہ روایت موجود ہے۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں موجود ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام کی شبِ شہادت بھی آسمان نے گریہ کیا)۔

جب ٹھنڈا پانی پیئیں اپنے تشنہ دھن امامؑ کو یاد رکھیں

کامل الزیارات میں داؤد رقی سے روایت ہے: میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلسِ قدس میں حاضر تھا کہ آنحضرتؑ نے پانی طلب فرمایا کہ نوش جان کریں۔ جب آپؑ کے سامنے پانی آیا اور آپؑ نے پینا چاہا تو میں نے دیکھا کہ آپؑ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؑ نے رونا شروع کر دیا۔ اس دوران آپؑ نے فرمایا:

اے داؤد! اللہ تعالیٰ حضرت امام حُسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت کرے۔

آپؑ نے فرمایا: جب کوئی آدمی پانی پیئے اور حضرت امام حُسین علیہ السلام کی پیاس کو یاد کرے اور ان کے قاتل پر لعنت کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ نیکی لکھی جاتی

ہے اور اس کے ایک لاکھ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور اس کے ایک لاکھ درجات بلند کردیے جاتے ہیں اور اُسے ایک لاکھ بندوں کے آزاد کرنے کا ثواب عطا کرتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اُسے سُکھ و راحت کے ساتھ اور بادل شاداں و فرحاں محشور کرے گا۔

(کامل الزیارات، ص ۱۰۴، الکافی، ج ۶، ص ۳۹۱، امالی صدوق، ص ۱۴۲، جامع الاخبار، ص ۱۷۷، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۰، وسائل الشیعۃ، ج ۲۵، ص ۳۷۷)

اُمت محمدیہ کے یہودی

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں منقول ہے: یہ آیت شریفہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ (البقرہ، آیہ ۸۴)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے"۔

یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی کہ "جنھوں نے اللہ کے عہد کو توڑا، اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اس کے ولیوں کو قتل کیا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ کیا میں تمھیں ان لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو یہودیوں کے مثل ہیں اور وہ میری اُمت کے یہودی ہیں؟

آپؐ کے اصحاب نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؐ نے فرمایا: میری اُمت کا ایک گروہ دعویٰ کرے گا کہ وہ میرے دین پر ہے لیکن وہ میری افضل ترین ذریت کو قتل کرے گا۔ میری شریعت کے حرام و حلال میں تبدیلی پیدا کرے گا اور میری سنت کو بدل دے گا۔

میرے دو فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کو اس طرح قتل کرے گا، جس طرح گزشتہ دور میں یہودیوں نے جناب زکریاؑ اور جناب یحییٰؑ کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس شقی ترین گروہ پر لعنت کرتا ہے جس طرح اس نے ان کے اسلاف پر لعنت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ قیامت سے قبل

امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ایک امام ہادی و مہدی کو بھیجے گا جو اپنے دوستوں کی ضربتِ شمشیر سے ان ظالموں کو واصل جہنم کرے گا۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قاتلانِ امام حسینؑ پر لعنت کی ہے اور جو ان کے معاون ہیں ان پر بھی لعنت کی ہے اور جو لوگ بلاضرورت تقیہ کریں گے ان پر بھی لعنت کی ہے۔ آگاہ رہیے! جو لوگ از روئے رحمت و شفقت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت کو یاد کر کے روتے ہیں اور ان کے دشمنوں پر لعنت کرتے ہیں اور جو ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر درود و سلام بھیجتا ہے۔

آگاہ رہیے! جو لوگ قتلِ حسینؑ پر راضی ہیں تو وہ ان کے قتل میں شریک ہیں اور وہ لوگ جو امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کی اتباع کرتے ہیں اور ان سے دوستی رکھتے ہیں تو وہ سب دینِ خدا سے خارج ہیں۔

خداوند تعالیٰ ملاءِ اعلیٰ کے مقرب فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ لوگ جو امام حسینؑ کے مصائب میں روتے ہیں اور اُن کے آنسو جب ان کے رخساروں پر بہتے ہیں تو ان آنسوؤں کو خازنانِ بہشت کے پاس لے جائیں تاکہ وہ ان آنسوؤں کو آبِ حیوان میں ملا دیں، جس سے ان کی شیرینی ولذت میں اضافہ ہو، اور ان اشقیاء کے آنسو جو قتلِ حسینؑ سے خوش ہوئے جہنم میں ڈال دیں اور حمیم اور صدید اور غسلین جہنم میں ملا دیں تاکہ اس کی شدت و گرمی میں ہزار درجہ کا اضافہ ہو تاکہ اس میں دشمنانِ آلِ محمدؐ داخل ہوں۔ (تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۲۵۸، ۳۶۸)

قاتلانِ امام حسینؑ پر کبوتر لعنت کرتا ہے

کافی میں داؤد بن فرقد سے روایت ہے: میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے خانہ اقدس میں بیٹھا تھا۔ پس میری نگاہ کبوتر (راعبی) پر پڑی جو بلند آواز کے ساتھ اور خوش آواز کے ساتھ نغمہ سرا تھا۔

جس وقت امام علیہ السلام نے میری اس رغبت کو ملاحظہ کیا کہ میں کبوتر کی آواز سننے میں

ہمہ تن گوش ہوں تو آپؑ نے فرمایا:

اے داؤدؒ! کیا تو جانتا ہے کہ یہ کبوتر کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: بخدا میں آپؑ پر قربان جاؤں مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام پر لعنت کر رہا ہے۔ کبوتروں کی اس جنس کو اپنے گھر میں رکھ لیجیے۔ (کافی، ج ۶، ص ۵۴۷، کامل الزیارات، ص ۹۸، وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۵۶۸)

اسی مذکورہ کتاب میں سکونی سے مروی ہے: ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: راعبیہ کبوتر کو اپنے گھر میں رکھیے، کیونکہ یہ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام پر لعنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے قاتلان پر لعنت کی ہے۔

(مترجم: راعبی کبوتر وہ ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے تو زور سے بولتا ہے اور مسلسل بولتا رہتا ہے تو اس کی آواز نغمہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے مذکر کو راعبی کہا جاتا ہے اور اس کی مؤنث کو راعبیہ کہا جاتا ہے۔ اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ راعب ایک علاقے کی زمین کا نام ہے اور یہ اُس زمین کے ساتھ منسوب ہیں)۔

عمر ابن سعد ملعون کا انتخاب

(مصنف: میں نے اپنے ہم عصر مؤلفین کی تالیفات میں دیکھا ہے کہ جب ابن زیاد ملعون نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے ستر ہزار کا لشکر تیار کر لیا تو اس نے لوگوں سے خطاب کیا کہ تم میں سے جو شخص امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو تو میں اُسے اس کی پسند کے شہر کی حکومت دینے کو تیار ہوں۔ لیکن اس کی اس بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر اس نے عمر بن سعد کو بلایا اور اُسے کہا: میں تمھیں امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اپنے لشکر کا امیر بنانا چاہتا ہوں۔ اس وقت اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کام کے لیے معاف رکھیے۔

ابن زیاد نے کہا: ٹھیک ہے رہنے دیجیے۔ میں تمھیں اس کام پر مامور نہیں کرتا لیکن

وہ عہد نامہ جو میں نے رَے کا علاقہ تیرے نام لکھ دیا ہے وہ واپس کرے اور پھر جہاں چاہے چلے جاؤ۔

جب عمر سعد نے ابن زیاد کی یہ بات سنی تو اس نے کہا: مجھے ایک رات کی مہلت دیجیے تاکہ میں اچھی طرح اس امر پر غور کرلوں۔ ابن زیاد نے کہا: ٹھیک ہے تمھیں مہلت ہے، جاؤ آج رات خوب فکر کرلو۔

عمر بن سعد جب اپنے گھر واپس آیا اور رات ہوئی تو اُس نے اپنے گھر والوں، دوستوں اور بھائیوں سے مشاورت کی لیکن اُنھوں نے اُسے منع کیا کہ اس کام کو قطعاً اختیار نہ کرو۔

(مترجم: بعض کتب مقاتل میں منقول ہے: عمر ابن سعد کی ایک بیوی ایسی بھی تھی جو اہلِ بیتؑ کی دشمن تھی، اس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام حفص تھا، تو اس ماں بیٹے کے کہنے پر اس نے ابن زیاد (لعنتی) کے اس بدترین امر کو قبول کیا)۔

کامل کی نصائح

علامہ مجلسی لکھتے ہیں: عمر بن سعد کے گھر اس کے اقارب و رشتہ دار اور دوست سب جمع تھے اور وہ ان سب سے مشورہ لے رہا تھا۔ ان لوگوں میں ایک اہلِ خیر و صالح انسان جس کا نام کامل تھا وہ بھی موجود تھا۔ وہ اپنے نام کے مطابق واقعی ایک کامل انسان تھا۔ وہ ایک صاحب رائے وعقل مند آدمی تھا۔ اس کی عمر ابن سعد کے والد کے ساتھ رفاقت وصداقت تھی۔ اُس نے عمر سعد سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں حیران وپریشان دیکھ رہا ہوں۔ کس کام کا عزم وجزم کررکھا ہے؟

عمر ابن سعد نے جواب دیا: ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر تشکیل دیا ہے اور اس کی امارت وہ مجھے سونپنا چاہتا ہے تاکہ میں جاؤں اور ان سے جنگ کروں۔ امام حسینؑ کا قتل کرنا میرے نزدیک ایک لقمہ طعام اور ایک گھونٹ پانی پی لینے سے زیادہ آسان ہے۔ جب میں یہ کام کرلوں گا، اُنھیں اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قتل

کرلوں گا تو ملک رَے مجھے مل جائے گا اور وہاں عیش و عشرت اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزاروں گا۔

اس مردِ کامل نے کہا: اے عمر ابن سعد! اُف ہے تجھ پر اور تیرے دین پر تو دختر رسولؐ کے فرزند کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ تجھ پر افسوس ہے اور تیرے دین ایمان پر بھی، تو حق وحقیقت سے جاہل ہے اور راہِ راست کو تو نے گم کردیا ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ تو کس سے جنگ کرنے جارہا ہے اور کس شخص کے مقابلے میں لڑے گا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

بخدا! اگر اُمت محمدیہ کے کسی ایک شخص کے قتل کے عوض مجھے تمام دنیا و مافیہا دے دی جائے تو میں ہرگز اُسے قتل نہیں کروں گا۔ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو فرزند رسولؐ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور تجھے بارگاہِ رسالت میں لے جایا جائے گا تو اس وقت کیا جواب دے گا۔ اس وقت تیرے پاس کیا عذر ہوگا؟ درحالانکہ تو نے فرزند رسولؐ کو قتل کررکھا ہوگا۔ ایک ایسی ہستی جو ان کی آنکھوں کا نور اور ان کے دل کا میوہ ہے اور ان کا فرزند ہے اور وہ سیدہ نساء العالمینؑ و سیدالاوصیاؑ (علی مرتضیٰؑ) کا فرزند ہے۔

اے ابن سعد! وہ جوانانِ جنت کا سردار ہے اور وہ اس زمانے میں ہمارے لیے رسولؐ اللہ کی منزلت پر ہیں۔ جن کی اطاعت ہم پر اس طرح واجب ہے جس طرح ان کے نانا بزرگوار کی اطاعت خود ان کی حیات میں واجب تھی۔ وہ جنت وجہنم کے مختار ہیں۔ جو ان کی اطاعت کرے گا، وہ جنت میں جائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔

اے ابن سعد! تو اچھائی اور نیکی کو اختیار کر، جو امر مناسب اور پسندیدہ ہو اُسے اختیار کر۔ اے ابن سعد! بخدا اگر تو حسینؑ سے جنگ کرے گا یا انھیں شہید کردے گا یا ان سے جنگ کرنے میں اعانت کرے گا تو یاد رکھ! ان کے بعد تو چند روز اس دنیا میں رہے گا۔

جب کامل نے اُسے مشفقانہ نصائح اور شافعیہ مواعظ کیے تو اس نے اس کے جواب میں کہا: اے کامل! کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ جب میں حسینؑ کو قتل کرلوں گا تو ستر ہزار کے لشکر کا امیر بن جاؤں گا اور ملک رَے کا حاکم بن جاؤں گا۔

کامل نے کہا: میں تمھیں ایک صحیح حدیث سنانا چاہتا ہوں۔ شاید تو اُسے سن کر اس

ہلاکت ابدی سے بچ جائے اور تیرے لیے نجات ممکن ہو جائے۔

کامل نے کہا: آگاہ رہو، میں ایک سفر میں تیرے باپ سعد کے ہمراہ تھا۔ ہمارا یہ سفر ملک شام کا سفر تھا۔ دورانِ سفر میرا گھوڑا تھک گیا اس لیے میں قافلہ کے پیچھے رہ گیا۔ اس دوران پیاس کا مجھ پر غلبہ ہوا۔ میں حیران و سرگرداں تھا۔ پیاس نے میرا برا حال کر رکھا تھا۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں، کدھر جاؤں؟ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک کچھ فاصلے پر مجھے ایک راہب کا دیر نظر آیا تو میں اس کی طرف چل پڑا۔ جب میں اس کے قریب گیا تو اپنے گھوڑے سے اُترا اور اس دیر کے دروازے پر آیا تا کہ وہاں سے پانی پیئوں اور سکون حاصل کروں۔ اچانک راہب نے دیر کی دیوار سے اپنی گردن بلند کر کے مجھے کہا: تو اِدھر کیا چاہتا ہے؟

میں نے اُسے کہا: میں سخت پیاسا ہوں، مجھے تھوڑا سا پانی مل جائے تا کہ میں پیاس سے نجات حاصل کرلوں۔

اُس نے کہا: تو اس پیغمبرؐ کی اُمت سے ہے جو مالِ دنیا کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرتی ہے اور لذاتِ دنیا پر مرتی ہے۔

کامل کہتا ہے: میں نے کہا: جی ہاں! میں اُمتِ محمدیہ سے ہوں۔

راہب نے کہا: تم بدترین اُمت ہو، تم بروزِ قیامت اپنے پیغمبر کو کیا منہ دکھاؤ گے کیونکہ تم ان کی اہلِ بیتؑ کے دشمن ہو، انھیں تم ازراہِ ظلم و ستم قتل کرو گے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بناؤ گے اور ان کا مال لوٹ لو گے۔

جب میں نے راہب سے یہ وحشت انگیز باتیں سنیں تو میں نے راہب سے کہا: اے راہب! کیا اس طرح واقعی ہوگا؟

راہب نے کہا: جی ہاں! تم لوگ یہ کام ضرور کرو گے۔ جب تم ایسا کرلو گے اور اپنی فتح کا جشن مناؤ گے تو اس وقت ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں، تمام دریا و پہاڑ وصحرا و بیابان، تمام صحراؤں کے جانور، تمام پرندے نالہ و فریاد بلند کریں گے اور وہ پیغمبرؐ کی عترت کے قاتلوں پر لعنت کریں گے۔

اس بزرگوار کے قاتل ان کے قتل کے بعد اس دنیا میں زیادہ دیر زندگی نہیں گزاریں گے بلکہ معمولی چند روزہ زندگی۔ پھر ایک مرد ظہور کرے گا اور اہلِ بیت رسولؐ کے قاتلوں سے انتقام لے گا اور وہ ہر اُس آدمی کو جس نے ان کے قتل میں شرکت کی تھی اُسے ضرور قتل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو بہت جلد جہنم پہنچا دے گا۔

پس اس راہب نے کہا: میرا گمان ہے کہ تجھے اس فرزند طیب و طاہر کے قاتل سے کچھ نسبت و قرابت ہے بخدا! اگر میں اس کے زمانے تک زندہ رہا تو میں ضرور اپنی جان ان پر فدا کروں گا۔

میں نے راہب سے کہا: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کے قاتلوں میں سے ہوں۔

راہب نے کہا: اگر تو اس فرزند ارجمند کے قاتلوں میں سے نہیں ہے تو پھر کوئی اور تیرے اقربا میں سے ہوگا۔ اس کے قاتل کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا نصف عذاب تیار کر رکھا ہے اور اس کا عذاب فرعون وہامان کے عذاب سے بدتر ہوگا۔

یہ کہہ کر اس راہب نے دیر کا دروازہ بند کر دیا اور اپنی عبادت میں مشغول ہوگیا اور مجھے پانی نہ دیا۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور اپنے قافلے سے جاملا۔ جب میں تیرے باپ سعد کے پاس پہنچا تو اُس نے مجھے کہا: اے کامل! تو کہاں رہا؟

میں نے راہب والی ساری کہانی اُسے سنائی۔ یہ سن کر سعد نے کہا: تو نے بالکل سچ کہا ہے۔ میں ایک عرصہ پہلے اسی دیر راہب سے گزرا۔ اسی راہب نے جو باتیں تجھے کہیں ہیں، اُس نے مجھے بھی کہیں تھیں۔ تیرے باپ نے مجھے کہا: اُس راہب نے مجھے کہا تھا کہ میں یا میرا بیٹا فرزندِ رسول کا قاتل ہوگا اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میرا بیٹا (عمر) فرزند رسول کا قاتل ہو۔

کامل نے اس گفتگو کے بعد عمر ابن سعد سے کہا: تیرا باپ اسی سبب سے تیرے معاملے میں بہت خائف رہا کرتا تھا۔ پس وہ تیرے اس معاملے میں سخت حیران و پریشان تھا کہ تو فرزند رسولؐ کو قتل کرے گا۔

اے عمر! اس فعلِ قبیح سے تو بیزاری اختیار کر اور اس کام سے تو اپنے آپ کو دُور رکھ کہیں تو عذابِ جہنم کے نصف کا مستحق نہ ہوجائے۔

شہادتِ کامل

مصنف نے نقل کیا ہے کہ اسی مذکورہ کتاب میں ہے: کامل کی یہی باتیں ابن زیاد تک پہنچیں۔ اس نے کامل کو اپنے دربار میں بلایا اور حکم دیا کہ کامل کی زبان کو کاٹ دیا جائے۔ کامل کی زبان کاٹ دی گئی اور وہ ڈیڑھ دن زندہ رہا اور آخر وہ اپنے رب کی رحمت کے سائے میں پہنچ گیا۔ اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور اپنے رب کے پاس پہنچ گیا۔ (المنتخب فی المراثی والخطب، ص ۲۷۵)

اے موسیٰؑ کلیم! میرے لیے مغفرت طلب کیجیے

بنواسرائیل سے ایک شخص نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ (جنابِ موسیٰؑ بن عمران) بہت جلدی میں ہیں اور بہت تیز تیز چلے جارہے ہیں۔ آپؑ کا رنگ زرد ہوچکا ہے اور بدن مبارک نہایت ہی نحیف و لاغر ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے بدن میں لرزا ہے۔ آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں۔ آپؑ کے جسم نازنین کی جلد اور ہڈیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپؑ کو مناجات کے لیے طلب فرماتا تھا تو اللہ کے خوف کی وجہ سے ان کی حالت اس طرح ہوجاتی تھی۔ اسرائیلی نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو پہچانا کیونکہ وہ آپؑ پر ایمان رکھتا تھا، آپؑ کے سامنے آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبیؑ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے، اس کی رحمت پر اُمید رکھتا ہوں۔ آپؑ خدا سے دعا کریں کہ وہ میرے اس گناہ کو بخش دے۔

آپؑ نے اس کی بات قبول کی اور تشریف لے گئے۔ جب آپؑ نے بارگاہِ خداوندی میں مناجات کی تو عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں حالانکہ تو سوال سے قبل بھی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰؑ! جو تم سوال کرو میں عطا کروں گا، جو چیز مانگو وہ دوں

گا۔ جناب موسیٰ نے عرض کیا: فلاں اسرائیلی نے ایک گناہ کیا ہے جس کی وہ مغفرت چاہتا ہے۔ ارشاد ہوا: اے موسیٰ! جو مجھ سے بخشش چاہے میں اُسے بخش دیتا ہوں سوائے قاتلِ حسینؑ کے اُسے نہیں بخشوں گا۔

جناب موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے اللہ! حسینؑ کون ہیں؟ ندائے پروردگار آئی: اے موسیٰ! جس کا ذکر ہم نے تجھ سے کوہِ طور پر کیا۔ جناب موسیٰ نے عرض کیا: اے پروردگار! اُنھیں کون قتل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گروہ اشقیاء جو ان کے نانا کی اُمت سے ہوگا۔ زمینِ کربلا پر اُنھیں شہید کرے گا اور اُس کی شہادت کے بعد اس کا گھوڑا بے قرار ہو کر چیخیں مارے گا اور اپنی زبان میں کہے گا:

ایسی اُمت جفاکار سے فریاد جو اپنے نبیؐ کے نواسے کو شہید کرے۔ وہ بزرگوار گرم ریت پر پڑے ہوئے ہوں گے اور بے غسل و کفن خاکِ کربلا پر چھوڑ دیے جائیں گے۔ ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا جائے گا اور اس کے عیال و اطفال کو اسیر بنا کر شہر بہ شہر پھرائیں گے۔ اس کے انصار کو شہید کردیں گے۔ ان کے سروں کو اس بزرگوار کے سرِ مبارک کے ساتھ نیزوں پر بلند کریں گے۔

اے موسیٰ! ان کے بچے پیاس سے مرجائیں گے اور ان کے بڑوں کی کھال سوزشِ آتش سے سکڑ جائے گی اور وہ فریاد کریں گے، کوئی ان کی فریاد کو سننے والا نہ ہوگا۔ وہ پناہ طلب کریں گے، کوئی اُنھیں پناہ نہ دے گا۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے پروردگار! تو اس کے قاتل کو کیا عذاب دے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! ان کے قاتل کا عذاب ایسا ہے کہ اہلِ جہنم اس سے فریاد کریں گے۔ اس کے قاتل میری رحمت سے دُور اور اس کے جد کی شفاعت سے محروم ہیں۔

اے موسیٰ! اگر اس کے جد کی حرمت کا پاس نہ ہوتا تو اپنا عذاب اس کے قاتلوں پر نازل کرتا، یہاں تک کہ وہ سب ملعون زمین میں دھنس جاتے۔

جناب موسیٰ نے عرض کیا: اے پروردگار! میں ان کے قاتلوں سے بیزار ہوں اور میں

ان سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں ان سے بھی بیزار ہوں جو ان کے قاتلوں سے اور ان کے مظالم سے راضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! جو اس مظلوم کا تابع ہوگا میں اس پر اپنی رحمت واجب کروں گا۔ اے موسیٰ! جو کوئی اس شہید مظلوم کی وصیت پر روئے یا رُلائے یا رونے کی شکل بنائے اس پر آتشِ جہنم کو حرام کروں گا۔

قاتلانِ امامؑ کی اصلیت

مصنف نے یہاں حضرت امام حُسین علیہ السلام کے قاتلان کا نسب بیان کیا ہے کہ یزید کی ماں کا نام میسون ہے جو بجدل کلبی کی بیٹی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کے غلام کے ساتھ زنا کیا اور اُس کے نطفے سے یزید پیدا ہوا۔ صاحبِ کتاب نے لکھا ہے کہ اس امر کی طرف نسابہ بکری نے اپنے ان اشعار کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

فَاِنْ یَکُنِ الزَّمَانُ اَتٰی عَلَیْنَا   بِقَتْلِ التُّرْکِ وَالْمَوْتِ الْوَحِیِّ

فَقَدْ قَتَلَ الدَّعِیُّ وَعَبْدُ کَلْبٍ   بِاَرْضِ الطَّفِّ اَوْلَادَ النَّبِیِّ

"اگر زمانہ غدار و چرخِ کج مدار ہمارا مخالف ہوگیا اور ہمیں سطحی اور غیرمعروف نسب والوں نے قتل کردیا اور ہمارے قتل میں بہت جلدی کی اور تھوڑے سے عرصے میں اپنوں اور اغیار نے زمین ہمارے پاؤں سے کھینچ لی اور یہ قتلِ عام و مرگ سریع ہمارے لیے عار و شنار نہیں بنے گی۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہمارے اس قتل پر ہمیں طعنہ دے اور ہم پر عیب لگائے کیونکہ اس چرخِ بوقلموں کی یہ عادت رہی ہے کہ ہمیشہ اُس نے زمانے کے غداروں اور رذیلوں کا ساتھ دیا ہے اور ان کے ہاتھوں عظیم اور نجیبانِ زمانہ قتل ہوئے ہیں اور وہ جس کا نسب معلوم نہیں وہ اپنے اس نسب کی نسبت میں جھوٹا ہے۔ وہ جو کہتا ہے کہ وہ فلاں کا بیٹا ہے حالانکہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے بلکہ کلب کے غلام کا نطفہ

ہے کہ جس نے ہم رسولؐ اللہ کے بیٹوں کو دریائے فرات کے کنارے شہید کر ڈالا"۔

نسابہ بکری کی "دعی" سے مراد عبیداللہ بن زیاد ہے، کیونکہ عبیداللہ کا باپ زیاد تھا۔ اس کی ماں کا نام سمیہ تھا اور وہ آفاقِ عالم میں اپنے پیشے کے لحاظ سے شہرت یافتہ تھی اور وہ قبیلہ ثقیف کے غلام سے حاملہ ہوئی اور اس نے زیاد کو جنم دیا۔ جب وہ شخص امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد حکومتی اعتبار سے مستحکم ہوا تو اُس نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ نے اپنے بت پرستی کے زمانے میں زیاد کی ماں سے زنا کیا تھا اور اُس کے نطفے سے زیاد پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے زیاد اس کا بھائی ہے۔ اس وجہ سے زیاد کا لقب "دَعی" مشہور ہوا۔

حضرت عائشہ اسے ابن زیاد بن ابیہ کے نام سے پکارا کرتی تھیں۔ جب حضرت عائشہ سے اس کے باپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت عائشہ نے جواب دیا کیونکہ اس کے باپ کا کوئی علم نہیں ہے اس لیے اُسے زیاد بن ابیہ کہنا چاہیے۔ نسابہ بکری کی مراد "عبدکلب" سے "یزید" ہے، کیونکہ وہ بجدل کلبی کے غلام کا بیٹا ہے۔

عمر بن سعد

عمر بن سعد کے بارے میں تحقیق ہے کہ وہ سعد ابن وقاص کا بیٹا نہ تھا بلکہ وہ بنو عذرہ کے ایک فرد کا بیٹا تھا۔ وہ آدمی سعد کی ماں کا غلام تھا۔ سعد کی ماں نے اپنے اس غلام سے زنا کیا تھا اور پھر اس کے نطفے سے سعد پیدا ہوا۔

جب ایک شخص اور سعد کے درمیان خلافت کا جھگڑا ہوا تو سعد نے اُس سے کہا: میں امر خلافت میں تجھ سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔ تو اُس نے کہا تھا: تو اپنی حقیقت کو دیکھ کہ تو قبیلہ بنی عذرہ کے ایک آدمی کے نطفے سے پیدا ہوا ہے، اس لیے تو امر خلافت کے لائق نہیں ہے۔ اس قصے کو اہلِ سنت کے ایک عالم نوفلی بن سلیمان نے بیان کیا۔

ان کے بارے میں سید اسماعیل حمیری نے کہا تھا:

قِدۡمًا تَداعَوۡا زَنِیۡمًا ثُمَّ سَادَهُمۡ   لَوۡلَا خُمُولُ بَنِیۡ سَعۡدٍ لَمَا سَادُوا

"اس سفلہ پرور زمانے کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ حکومت و ریاست ان کے پاس رہی ہے، جن کا نہ نسب معین ہوتا ہے اور نہ نسب معروف ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس قوم کی طرف نسبت دیتے ہیں جس قوم کے وہ ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اور اپنی نسبت اس باپ کی طرف دیتے ہیں، جس کے وہ بیٹے ہوتے ہی نہیں ہیں۔ وہ اپنے نسب میں غیر صحیح اور پست ہوتے ہیں اور اپنی صفات کے لحاظ سے پست و لئیم ہوتے ہیں۔ پس لوگ ایسے لوگوں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کو اپنا حاکم بنا لیتے ہیں جیسے بخت نصر، فرعون، ہامان اور نمرود وغیرہ تھے۔ یہ سب اپنے نسب میں پست تھے لیکن لوگوں پر حکمران رہے۔ اگر ابن سعد اپنے نسب میں پست و غیر معروف نہ ہوتا تو وہ لوگوں کا امیر نہ بنتا"۔ (دیوان سید حمیدی، ص ۱۶۳، مروج الذہب، ج ۳، ص ۱۵، الزام النواصب، ص ۱۶۹)

(مترجم: مصنف نے یہ سب کچھ "کتاب الزام النواصب" سے نقل کیا ہے۔ باقی علما نے بھی اپنی اپنی کتب میں دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے انساب بیان کیے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ اہلِ بیتِ رسولؐ کے دشمن کیوں تھے؟)

زیاد و عمرو عاص

مروی ہے: ایک دن زیاد ایکؓ صاحب کے دربار میں آیا اور اس نے اس کے دربار میں گفتگو کی اور فصاحت و بلاغت کی بوچھاڑ کر دی۔ اُسی دربار میں عمرو عاص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے زیاد کی فصاحت و بلاغت کا مشاہدہ کیا تو وہ بڑا حیران ہوا اور اپنے ہم نشینوں سے کہا: لِلّٰہِ ابُوہ۔ عرب یہ جملہ مقام تعجب و مدح میں بولتے تھے۔

عمرو عاص نے کہا: اگر یہ قبیلہ قریش سے ہے تو یہ تمام عرب پر حکومت کر سکتا ہے۔ ایک آدمی وہاں بیٹھا تھا۔ اُس نے عمرو عاص سے سرگوشی کے انداز میں کہا: بخدا یہ قریش میں

سے ہے۔ اگر میں اس کی اصل نسب تجھے بتاؤں تو تجھے معلوم ہوجائے گا کہ یہ قریشی ہے اور تجھے پتا چل جائے گا کہ وہ تیرے اور میرے قریبیوں سے بہتر ہے۔

عمرو عاص نے اُس سے پوچھا: اس کا باپ کون ہے؟

اُس نے کہا: بخدا، میں نے اسے اس کی ماں کے رحم میں ڈالا تھا۔

عمرو عاص نے کہا: اگر بات یہ ہے تو پھر تم اسے اپنے ساتھ ملحق کیوں نہیں کرتے؟

اُس نے کہا: جو یہ بیٹھا ہے، اس کا خوف ہے اگر ایسا کروں تو مجھ پر حد جاری کردے گا، اس لیے خاموش ہوں۔

ابن زیاد

مروی ہے: ایک آدمی نے زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا تھا اور اُس نے اپنے باپ اور زیاد کی ماں کے حالات کی تفصیلات پیش کردی تھی۔ گزشتہ صفحات میں یہ واقعہ تفصیلاً موجود ہے۔

جس زمانے میں حضرت امام علی علیہ السلام ظاہری خلافت پر تھے تو اس وقت زیاد آپؑ کے اصحاب میں سے تھا اور آپؑ کی اطاعت میں تھا۔ آپؑ نے زیاد کو ولایت فارس کا حکمران بنایا تھا۔ جس وقت جناب امیر علیہ السلام کی شہادت ہوئی اور کوفہ والوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی تو اس وقت شام کے ایک آدمی نے زیاد کی طرف خط لکھا حالانکہ وہ اس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرف سے حاکم فارس تھا۔ اس کا خط کچھ اس طرح کا تھا:

اے زیاد! تمھیں معلوم ہے کہ علیؑ کو قتل کردیا گیا ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ تو میرے پاس آ، اور میں تجھے ایک اعلیٰ مقام دوں اور جس ریاست کو تو پسند کرے وہ مجھ سے لے لو۔

جب اس کا خط زیاد کو ملا تو اُس نے اس کے جواب میں لکھا۔ اس خط میں اس کے جو بے شمار عیوب تھے وہ اس میں لکھے، اس کے علاوہ اس نے یہ بھی لکھا:

”اگر جناب امیرالمومنینؑ شہید ہوگئے ہیں تو الحمدللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند گرامی حضرت امام حسن علیہ السلام ان کی جگہ پر موجود ہیں اور وہ ہی

خلافت کے سزاوار ہیں اور وہ ہی امامؑ برحق ہیں"۔

جب زیاد کا خط اُسے ملا تو وہ زیاد پر سخت غضب ناک ہوا اور فوراً اس کی طرف تخویف وتہدید پر مشتمل خط لکھا۔ جب یہ خط زیاد کو ملا تو وہ منبر پر چلا گیا اور منبر پر خطبہ دیا اور کہا:

"اے لوگو! ایک آدمی نے میری طرف یہ خط لکھا ہے اور جس میں اُس نے مجھے دھمکیاں دی ہیں اور اس کی یہ بات بڑی عجیب بات ہے حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رسولؐ اللہ کے فرزند موجود ہیں۔ وہ ہی خلافت و امامت کے حق دار ہیں۔ ان کے علاوہ اس امر کا کوئی اور مستحق نہیں ہے"۔

جب حضرت امام حسن علیہ السلام اور اس آدمی کے درمیان صلح ہوئی اور ظاہری طور پر جب آپؑ سے خلافت وحکومت چلی گئی اور حکومت اس کے پاس پہنچ گئی اور یہی خبر فارس میں زیاد کو ملی۔ وہ اس وقت وہاں کا حاکم تھا۔ معاویہ کو زیاد سے خوف تھا کہ وہ کہیں حالات کو خراب نہ کردے کہ وہاں فتنہ وفساد کھڑا نہ کردے اور اُس پر معاملہ تنگ ہوجائے تو اس نے عمرو بن عاص سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: مصلحت اس میں ہے کہ تو اس کی طرف خط لکھ اور خط میں لطف ومہربانی کا اظہار کر اور اس سے حکومت وعطیات کا وعدہ کر کے کسی کو بھیج کہ وہ وہاں فارس جائے اور حکومت کا طمع دے تاکہ وہ تیرے پاس آجائے۔

پس اُس نے مغیرہ کو اس کی طرف بھیجا اور اُسے خط بھی دیا، جس میں اس نے اپنی مہربانیوں کا اظہار کیا اور مختلف وعدہ جات کے تذکرے کیے۔ جب مغیرہ اس کے پاس گیا اور اُسے ورغلانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اُس نے مغیرہ کی باتوں کو قبول نہ کیا۔ آخر اس نے اپنی بہن جویرہ کو زیاد کے پاس بھیجا۔ جب وہ زیاد کے گھر آئی تو اُس نے اس کے سامنے اپنا پردہ اُتار دیا اور اس کے سامنے بغیر پردہ کے بیٹھ گئی لیکن زیاد کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اس وقت جویرہ نے کہا: تو میرا بھائی ہے، میرے باپ نے مجھے بتایا تھا۔ اس بات پر زیاد کو یقین آیا اور اسی دعوے کو اپنے حق میں قبول کیا اور ایسے بدترین نسب کو قبول کیا اور اپنی

حقیقت کا خود اعلان کیا۔

پس آخر چار آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے زیاد کی ماں کے ساتھ زنا کیا اور اس کے نطفے سے زیاد پیدا ہوا۔ پس اس اعتبار سے وہ اس کا بیٹا ہے اور یہ معاملہ شام کی جامع مسجد میں قرار پایا۔ جب یہ بات چیت ہو رہی تھی اور گواہ گواہی دے رہے تھے تو مسجد میں ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا: تم لوگ پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کر رہے ہو کہ آنحضرتؐ کا فرمان ہے: اولاد زانیہ عورت کے شوہر کی ہوتی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

جب اس نے اس آدمی کی بات سنی تو غضب ناک ہو گیا اور اُسے گالیاں دیں اور مسجد سے نکالا دیا۔ پس معاملہ یہی طے پایا کہ زیاد اس ذریعہ سے اس کا بھائی بن گیا۔

اس واقعہ کے بعد اس نے زیاد کو کوفہ و بصرہ کا حاکم بنا دیا۔ اس نے جناب امیرالمومنینؑ کے طرف داروں پر زندگی تنگ کر دی۔ کیونکہ وہ انھیں اچھی طرح سے جانتا تھا اور وہ ہر صورت میں انھیں بلوا لیتا تھا اور انواع و اقسام کے عذاب دے کر قتل کر دیتا تھا۔ یہ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیتا تھا اور مختلف قسم کے مظالم ڈھاتا تھا۔ اس کے خوف سے لوگوں نے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور دُور دراز کے شہروں، ریاستوں میں جا کر پناہ لی۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے صحراؤں اور بیابانوں میں بسیرا اختیار کر لیا۔ اس طرح آبادیاں پراگندہ ہو کر رہ گئیں۔

زیاد روزانہ لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کرتا اور انھیں حکم دیتا کہ وہ منبر پر آئیں اور امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو دشنام دیں اور جو آدمی آپؑ کو گالیاں نہ دیتا تو وہ اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا اور پھر اذیتیں دے کر قتل کروا دیتا۔ ایک طویل عرصہ وہ اس طرح اللہ کی مخلوق پر مظالم ڈھاتا رہا اور اس کے مظالم بڑھتے رہے۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ معمول کے مطابق کوفہ کی جامع مسجد میں لوگ جمع تھے کہ آج پھر جناب امام علی علیہ السلام کو دشنام دیے جائیں گے۔ لوگ زیاد کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اس کا غلام باہر آیا اور لوگوں سے کہا: اے لوگو! اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ کہ آج امیر مصروف ہے۔ اس دن اسے فالج نے آگھیرا تھا بلکہ اللہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

زیاد ایک بہت بڑا جابر اور ستم کار انسانی درندہ تھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس سے قبل لوگوں کو اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ مروی ہے: آنحضرتؑ نے ایک دن کوفہ شہر میں خطاب فرمایا:

اے کوفہ! جب تیرے ساتھ کسی ستم کار و جابر نے جابرانہ و ظالمانہ رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا تا کہ وہ اپنے مظالم سے باز آجائے۔

انھی ظالموں میں سے ایک ظالم وستم کار اسی زیاد کا بیٹا ابن زیاد تھا جس نے شہر کوفہ میں مظالم کے پہاڑ توڑ دیے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی گرفت میں لیا۔ مرضِ جذام کا مریض ہوا اور پھر جناب ابراہیم بن مالک اشتر کی ضرب شمشیر آبدار سے جہنم رسید ہوا۔ دوسرا حجاج تھا جس کے پیٹ میں سانپ پیدا ہو گئے تھے۔ آخر وہ ظالم بھی اسی طرح جہنم پہنچ گیا۔

عمر ابن سعد کی حقیقت آپ کے سامنے ہے اور اس طرح اس کی اصلیت بھی آپ کے سامنے ہے بلکہ اس کی ماں جب اپنے باپ کے گھر میں تھی اور اس کی شادی نہ ہوئی تھی تو اُس نے صخر سے زنا کیا اور اُس کا اُسے حمل ٹھہرا۔ جب اس کے باپ کو اس کے حاملہ ہونے کا پتا چلا تو اُس نے اُس سے انتقام لینا چاہا تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا تو اس کے باپ نے رسوائی کے خوف سے اُسے ایک غلام کے حوالے کیا۔ ابھی ان کی تزویج کو تین ماہ نہیں ہوئے تھے کہ وہ پیدا ہو گیا۔

ابن ابی الحدید نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ تفصیلات کے لیے شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۳۳۷ ملاحظہ فرمائیں۔

***

بابِ چہاردھم

امام حُسین علیہ السلام
اور
اصحابِ امامؑ کے مصائب

یزیدی دور

جس وقت یزید کو حکومت ملی اور وہ بادشاہ بنا تو اس دور میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا پر جو کچھ گزری وہ اس باب میں تفصیلاً مذکور ہے۔

وَلَعْنَةُ اللہ عَلٰی ظَالِمِیْہِ وَقَاتِلِیْہِ وَالرَّاضِیْنَ بِقَتْلِہٖ وَالْمُبَارِزِیْنَ عَلَیْہِ

(مترجم: یہ باب بہت طویل ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس باب کو فصلوں میں تقسیم کردوں، تاکہ مختلف مضامین آپس میں مخلوط نہ ہوں اور ناظرین و قارئین کے لیے آسانی پیدا ہوجائے)۔

فصل اوّل

تاریخِ کربلا اور مصادر مقاتل بحارالانوار

منابع مقاتل بحارالانوار

اس سے قبل کہ میں اس وحشت انگیز و مصیبت ہائے دل سوز و گریہ خیز کی ابتدا کروں، میں ان روایات کو نقل کرنا چاہتا ہوں کہ جنھیں شیخ بزرگوار شیخ صدوق نے اپنی امالی میں درج کیا ہے اور ان مصادر کو نقل کرنا چاہتا ہوں، جن میں مقتل کی روایات موجود ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱) کتاب ارشاد (شیخ مفید)

۲) لہوف (سید جلیل علی ابن طاؤس)

۳) مثیر الاحزان (شیخ بزرگوار شیخ ابن نما)

۴) مقاتل الطالبین (ابوالفرج اصفہانی)

۵) مقتل کبیر (سید عالم کامل فاضل محمد بن ابی طالب بن احمد حسینی الحائری)

۶) کتاب المناقب (علمائے متقدمین)

مصنف نے بعدازیں فرمایا ہے کہ میرے پاس "مروج الذہب" ایک قدیم صحیح نسخہ موجود ہے، جو فاضل کامل مسعودی کی تصنیفات میں سے ہے جو علمائے امامیہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ "المناقب ابن شہر آشوب" اور کتاب "کشف الغمہ" بھی مصادر میں سے ہیں۔

معاویہ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

شیخ صدوق نے اپنی امالی میں روایت درج کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب معاویہ کا وقتِ مرگ قریب آیا اور وہ اپنی زندگی سے مایوس و نااُمید ہوا تو اپنے بیٹے یزید کو اپنے پاس بلایا اور اُسے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے بڑے بڑے اور زمانے کے سرکشوں کو ذلیل کر کے تیرے قدموں میں جھکا دیا ہے اور میں نے ہر طرح سے اُنھیں تیرا مطیع بنا دیا ہے۔ یہ تمام شہر تیری سلطنت کے حدود میں ہیں اور سب تیرے تابع فرمان ہیں۔ سلطنت، بادشاہی اور تمام اسباب دنیا تیرے لیے میں نے مہیا کر دیے ہیں، لیکن مجھے تیری حکومت کے بارے میں تین آدمیوں کا خوف و وہم ہے۔ وہ تین آدمی تیری ہر صورت میں مخالفت کریں گے اور وہ اپنی بساط کے مطابق تیری حکومت کو گرانے کی کوشش کریں گے اور وہ تجھ سے ہمیشہ حالتِ جنگ میں رہیں گے۔ وہ تین آدمی یہ ہیں:

① عبداللہ بن عمر بن خطاب ② عبداللہ بن زبیر ③ حسینؑ بن علیؑ

اگر تو عبداللہ بن عمر کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے گا تو وہ تجھ سے جدا نہیں ہوگا۔ اس پر ہمیشہ نگاہ رکھنا اور نرمی کے ساتھ پیش آنا۔

عبداللہ ابن زبیر اگر تیرے ہاتھ لگے اُسے ہرگز نہ چھوڑنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور اس کے جسم کے بند بند کو جدا کر دینا اور وہ ہمیشہ تیری گھات میں ہے۔ وہ گھات میں ایک شیر کی طرح ہے۔ جب اُسے فرصت ملتی ہے تو وہ اپنے شکار پر حملہ کر دیتا ہے۔ اگر وہ تیرے ہاتھ میں آجائے تو اُسے معاف نہ کرنا اور وہ تیرے ساتھ اس طرح مکر و حیلہ کرے گا جس طرح لومڑی کتے سے کرتی ہے۔

تیسری شخصیت حضرت امام حسینؑ کی ہے۔ وہ رسولؐ اللہ سے قرابت رکھتے ہیں اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا تمھیں معلوم ہے کہ وہ بزرگوار رسولؐ اللہ کے جسم کا حصہ ہیں اور ان کا خون ہیں۔ یہ تمام باتیں تو خوب جانتا ہے۔ البتہ اہلِ عراق اُنھیں اپنے ہاں دعوت دیں گے اور ان سے نصرت کا وعدہ کریں گے۔ جب وہ بزرگوار ان کی طرف آئیں گے تو وہ اپنے عہد و معاہدے توڑ دیں گے اور ان کی نصرت نہیں کریں گے اور اُنھیں اکیلا چھوڑ دیں گے۔ اگر اس وقت تو ان پر غلبہ حاصل کر لے تو رسولؐ اللہ کی وجہ سے ان کے حقوق کا خیال رکھنا اور ان کی قدر و منزلت کرنا اور ان سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کرنا۔ مخالفت کی وجہ سے ان کی

بے حرمتی نہ کرنا۔ میرے اور ان کے درمیان اچھے مراسم ہیں مگر تو ضرور اس بزرگوار کو نقصان دے گا۔ جب تو اُنھیں نقصان دے گا تو تُو پھر برائی ہی دیکھے گا۔ جب وہ یہاں تک پہنچا تو اُس کی روح اس کے جسم سے نکل گئی۔

امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: معاویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے چچا عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ جب وہ مدینہ آیا تو اس وقت مروان معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔ پس عتبہ نے اُس سے گورنری کا چارج سنبھالا اور اُسے فارغ کر دیا اور خود مسند حکومت پر متمکن ہو گیا۔ ابھی اس نے ارادہ کیا کہ مروان پر یزید کا حاکم جاری کرے وہ فوراً مدینہ سے بھاگ گیا اور عتبہ کے ہاتھ نہ آیا۔ پس عتبہ نے اپنے کسی آدمی کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ وہ جلد اس کے پاس آجائیں۔

امامؑ کی عتبہ سے گفتگو

جب حضرت امام حسین علیہ السلام عتبہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپؑ سے کہا: اے حسینؑ! یزید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؑ سے اس کے لیے بیعت لوں۔ پس آپؑ یزید کی بیعت کرلیں۔

حضرتؑ نے فرمایا:

"اے عتبہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اہلِ بیتؑ رسالت کا فرد ہوں۔ میں اس گھر کا چشم و چراغ ہوں جو معدنِ نبوت و رسالت ہے اور حق و ہدایت کا مینار ہے۔ میں وہ ہوں کہ اللہ نے اپنے حق کو ہمارے قلوب میں راسخ کیا ہے۔ اپنے حق کو ہمارے حوالے کیا ہے اور ہماری زبانوں پر حق جاری ہے۔ ہماری زبانیں اذنِ خدا سے نطق کرتی ہیں۔ میں نے اپنے جدِّ بزرگوار جناب رسولؐ خدا سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا تھا: خلافت و امارت ابوسفیان کی اولاد پر حرام ہے۔ پس میں اپنے اہلِ بیتؑ

اور مومنین کے ساتھ کس صورت میں ایسے لوگوں کی بیعت کروں، جن کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا ہے؟''

عتبہ کا خط یزید کے نام

جب امام علیہ السلام کی گفتگو عتبہ نے سنی تو اپنے کاتب کو حکم دیا کہ وہ یزید کی طرف اس مضمون کا خط لکھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط عتبہ بن ابی سفیان کی طرف سے بندۂ خدا یزید کی طرف ہے۔

امابعد! میں نے تیری بیعت کے لیے امام حسین علیہ السلام کو کہا ہے کہ وہ تیری بیعت و اطاعت کریں لیکن حسین بن علیؑ تجھے لائق خلافت وحکومت نہیں سمجھتے اور تجھے اپنی بیعت کے لائق نہیں جانتے۔ اب اس بارے حکم جاری کرو کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ والسلام!

یزید کا خط عتبہ کے نام

جب عتبہ کا خط یزید کو ملا اور اس نے خط پڑھا تو اس نے درج ذیل مضمون پر مشتمل خط عتبہ کی طرف جاری کیا:

امابعد! جس وقت تمھیں میرا خط ملے فوراً میری طرف جواب لکھ۔ ان لوگوں کے نام لکھ جنھوں نے میری بیعت کی ہے اور جنھوں نے میری بیعت سے انکار کیا ہے۔ ان کے نام بھی لکھ اور حسینؑ بن علیؑ کا سر میرے خط کے ساتھ میری طرف بھیج۔

امامؑ کا قبر رسولؐ سے الوداع

جب یزید کا خط مدینہ پہنچا اور اس کی اطلاع حضرت امام حسین علیہ السلام کو ملی تو آپؑ نے جان لیا کہ یہ لوگ کسی صورت میں ان کے قتل سے باز نہ آئیں گے تو آپؑ نے فیصلہ کرلیا کہ

ہمیں فوراً حجاز سے عراق چلے جانا چاہیے۔ جب تاریکی شب نے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو آپؑ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور رسولؐ اللہ کی قبر پر پہنچے تو اس وقت قبر مبارک سے نور ساطع ہوا۔ جب آپؑ نے اس نور ساطع کو دیکھا تو فوراً واپس گھر چلے آئے۔

خواب میں زیارتِ رسولؐ

جب دوسرا دن ہوا اور رات آئی تو پھر آپؑ روضۂ رسولؐ پر آئے کہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک سے وداع کریں۔ جب آپؑ قبر مبارک پر آئے اور قبر مبارک کی زیارت کی۔ زیارت کے بعد آپؑ نے نوافل پڑھنا شروع کیے۔ آپؑ نے اپنی نماز کو طول دیا۔ جب آپؑ سجدہ میں گئے۔ آپؑ نے سجدے کو طول دیا تو حالت سجدہ میں آپؑ کی مبارک آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ آپؑ نے خواب میں رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ اُنھوں نے آپؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور آپؑ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسے دیے اور آپؑ سے فرمایا:

''میرے والدین تجھ پر قربان ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت جلد ایک گروہ کے درمیان آپؑ اپنے خون میں غلطاں ہوں گے۔ یہ گروہ میری اُمت کا ہوگا اور وہ لوگ میری شفاعت کے اُمیدوار بھی ہوں گے۔ ہرگز اُنھیں اللہ کی رحمت سے حصہ ملے گا اور نہ اُنھیں میری شفاعت نصیب ہوگی۔

اے فرزند گرامی! آپؑ بہت جلد اپنے والد، اپنی والدہ اور بھائی کے پاس آنے والے ہیں اور وہ آپؑ کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ آپؑ کے لیے بہشت میں عالی شان مقامات میں ان تک پہنچنے کے لیے اللہ کی رضا میں شہادت کا حصول ضروری ہے''۔

(مترجم: اس مطلب کی وضاحت اگلے صفحات میں بیان ہوگی)۔

خروجِ امام حسینؑ از مدینہ

امام حسین علیہ السلام گریاں خواب سے بیدار ہوئے اور اپنے اہل بیتؑ کے پاس واپس آئے

اور اُنھیں اپنا خواب سنایا اور ان سے وداع کیا۔ آپؑ نے اپنی بہنوں، بیٹیوں اور اپنے بھتیجے جناب قاسم بن حسن کو محملوں پر سوار کیا۔ آپؑ اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے ساتھ اکیس افراد کی تعداد میں مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ ان میں درج ذیل افراد بھی شامل تھے: ابوبکر بن علی، محمد بن علی، عثمان بن علی، عباس بن علی، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، علی بن حسین الاکبر، علی بن حسین الاصغر۔

حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن عمر

جب آپؑ کے مدینہ سے جانے کی اطلاع عبداللہ بن عمر تک پہنچی تو وہ فوراً اپنی سواری پر سوار ہوا، اور آپؑ کے پیچھے مدینہ سے نکلا اور بڑی جلدی کے ساتھ تمام منازل کو طے کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آپہنچا اور آپؑ کے حضور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کہاں جارہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میں عراق جارہا ہوں۔ اس نے کہا: عراق جانے کا ارادہ ملتوی کیجیے۔ اپنے جد بزرگوار کے روضۂ انور کی طرف واپس چلیں۔

امام حسینؑ کا عبداللہ بن عمر سے وداع

حضرت امام حسینؑ نے مدینہ واپس جانے سے انکار کردیا کہ وہ اب واپس کسی صورت میں مدینہ نہیں جاسکتے۔ جب اللہ بن عمر مایوس ہوا تو اس نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپ اپنے جسم کے ان مقامات سے لباس ہٹائیے جہاں رسولؐ اللہ بوسے دیتے تھے تاکہ میں انھی مقامات کے بوسے لے لوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے شکم سے کپڑا ہٹایا اور اُس نے آپؑ کی ناف مبارک کے بوسے لیے۔ عبداللہ بن عمر نے تین دفعہ آپؑ کی ناف مبارک کے بوسے لیے اور روتا بھی رہا اور عرض کیا: میں آپؑ کو اپنے خدا کے حوالے کرتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ آپؑ جس سفر پر جارہے ہیں آپؑ ضرور مارے جائیں گے اور اپنے خون میں غلطاں کیے جاؤ گے۔ پس آنحضرتؑ عبداللہ ابن عمر سے وداع ہوئے اور اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

منزل ثعلبیہ پر مسائل کا سوال

جب آپؑ منزل ثعلبیہ پر پہنچے تو آپؑ کی ملاقات بشیر بن غالب سے ہوئی۔ وہ آپؑ کے حضور آیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ کا مطلب کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: امام دو قسم کے ہیں: ایک امام وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ہدایت اور رستگاں کی دعوت دیتا ہے۔ پس کچھ لوگ اس کی دعوت و ارشاد کو قبول کرتے ہیں اور ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرا امام وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو راہِ ضلالت و گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور کچھ لوگ اس کی اس دعوت کو قبول کرتے ہیں اور ضلالت و گمراہی کو اپناتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جو لوگ اس امام کی اتباع کرتے ہیں جو راہِ ہدایت کی دعوت دیتا ہے تو لوگ ہدایت قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارتے ہیں تو وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ اس امامؑ کی پیروی کرتے ہیں جو راہِ ضلالت کی دعوت دیتا ہے تو اس کے تابعین جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر یہی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَرِيۡقٌ فِى الۡجَـنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ (الشوریٰ، آیہ ۷)

''ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں جائے گا''۔

حضرت امام حسینؑ منزلِ عذیب میں

آپؑ منزلِ ثعلبیہ سے منزلِ عذیب پہنچے۔ جب آپؑ وہاں تشریف لائے تو ظہر کے وقت آپؑ نے وہاں قیلولہ فرمایا۔ اسی دوران جب آپؑ کی آنکھ لگ گئی تو آپؑ نے خواب میں دیکھا۔ جب آپؑ بیدار ہوئے تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس وقت شہزادہ علی اکبرؑ آپؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ جب ان کی نگاہ آپؑ پر پڑی تو عرض کیا: اے بابا جان! آپؑ اس وقت کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے فرزندِ من! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہاتف غیبی سے آواز آئی اور وہ ہمیں مخاطب تھا کہ اپنے سفر کو جلد طے کیجیے۔ آپؑ کی سواریاں تمھیں

بہت جلد بہشت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ پس آپؑ نے وہاں سے کوچ کیا اور رہیمہ میں اجلال فرمایا۔ وہاں ایک کوفہ کا آدمی آگیا، جس کی کنیت ابوھرم تھی۔ اُس نے آپؑ کے حضور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا وجہ ہے کہ آپؑ مدینے سے اِدھر چلے آئے ہیں؟

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے اباھرم! تجھ پر افسوس ہے بنواُمیہ نے ہمیں گالیاں دیں، ہم نے صبر کیا، اُنھوں نے ہمارے حقوق پر قبضہ کیا، ہم نے صبر کیا۔ اب وہ ہمارا خون گرانے پر تُل گئے ہیں اس لیے میں وہاں سے چلا آیا۔

بخدا وہ ہر صورت مجھے قتل کریں گے۔ میرے قتل کے بعد اللہ انھیں ذلت وخواری کا لباس پہنائے گا اور ان کی یہ ذلت دائمی ہوگی۔ پھر اللہ ان پر ایک ایسا آدمی (صاحب شمشیر) مسلط کرے گا جو ان کا قتلِ عام کرے گا اور اُنھیں ذلیل وخوار کردے گا۔

اِدھر حکومت والوں کی آپؑ پر نگاہ تھی۔ جب اُنھیں پتا چلا کہ آپ منزلِ رہیمہ پر فروکش ہیں تو ابن زیاد نے حُر بن یزید ریاحی کو ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ آپؑ کی طرف روانہ کیا۔

حُر اور غیبی آواز

حُر کا کہنا ہے: جب میں اپنے لشکر کے ساتھ حضرت امام حُسین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا تو راستے میں مجھے ایک غائبانہ آواز سنائی دی اور وہ کہہ رہا تھا: اے حُر! تجھے بہشت کی مبارک ہو، میں نے اِدھر اُدھر دیکھا مجھے کوئی نہ دکھائی دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اے حُر! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو فرزندِ رسولؐ کے خلاف جنگ کے لیے نکلا ہے اور بہشت کی بشارت بھی تیرے لیے ہے یہ کیا ہوگا؟

امام حُسینؑ اور حُر کی ملاقات

ظہر کا وقت تھا کہ لشکرِ حُر حضرت امام حُسین علیہ السلام کے پاس گیا۔ اُس وقت امامؑ نے شہزادہ علی اکبرؑ کو اذان دینے کا حکم جاری کیا اور اقامت کے لیے فرمایا۔ آپؑ نماز پڑھانے کے لیے اُٹھے تو دونوں گروہوں نے اکٹھے امامؑ کے پیچھے نمازِ ظہر ادا کی۔ جب امامؑ نے نماز

کے سلام کہے تو حُر اپنی جگہ سے اُٹھا اور آپؑ کے پاس گیا اور عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آنحضرتؑ نے فرمایا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، اے بندۂ خدا تو کون ہے؟

اُس نے عرض کیا: میں حُر بن یزید ریاحی ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے حُر! میرے ساتھ جنگ کے لیے آیا ہے یا میری نصرت کے لیے آیا ہے؟

حُر نے عرض کیا: بخدا مجھے آپؑ کے ساتھ جنگ کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں کہ آپؑ سے جنگ کروں اور آپؑ سے جنگ کے سبب کل قیامت کے دن اپنی قبر سے اُٹھوں، اس حالت میں کہ میرے سر کے بالوں میں فرشتوں کے ہاتھ ہوں۔

جس طرح حُر کی گفتگو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کی وہ یہ ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اُحْشَرَ مِنْ قَبْرِيْ نَاصِيَتِيْ مَشْدُوْدَةٌ اِلٰى وَيَدَيَّ مَغْلُوْلَةٌ اِلٰى عُنُقِيْ وَاُكَبَّ عَلٰى حُرِّ وَجْهِيْ فِي النَّارِ

"میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنی قبر سے اس صورت میں محشور ہوں کہ میری پیشانی میرے پاؤں سے بندھی ہوئی ہو یا مجھے سر کے بالوں سے پکڑا جا رہا ہو، اور میرے ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے ہوں اور مجھے منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے"۔

حُر نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کہاں جا رہے ہیں؟ آپؑ واپس مدینہ تشریف لے جایئے اگر آپؑ کوفہ تشریف لے گئے تو ضرور قتل ہو جائیں گے۔

اشعار امام حسینؑ حر کے جواب میں

سَاَمْضِيْ فَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتٰى ۔ اِذَا مَا نَوٰى حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا

وَوَاسَى الرِّجَالَ الصَّالِحِيْنَ بِنَفْسِهٖ ۔ وَفَارَقَ مَثْبُوْرًا وَخَالَفَ مُجْرِمًا

فَاِنْ مِتُّ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ عِشْتُ لَمْ اُلَمْ ۔ كَفٰى بِكَ ذُلًّا اَنْ تَمُوْتَ وَتُرْغَمَا

"میں جلدی گزر جانے والا ہوں اور میں کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ ازراہِ مردانگی و جوانمردی ایک نیکوکار و جوان نیکو خصال کے لیے کوئی ننگ و عار نہیں ہے۔ جب وہ ارادے میں خالص ہو اور وہ کفار کے ساتھ جہاد کرنے والا ہو اور وہ خود ایک پکا اور سچا مسلمان ہو، ایسا انسان اپنی جان کو نیک لوگوں پر قربان کر دیتا ہے اور ایسا آدمی جو اللہ کی رحمت سے دُور ہوتا ہے وہ دُوری اختیار کرتا ہے۔ اگر میں اللہ کی رضا کے لیے مردانگی و جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہوئے مارا جاؤں تو یہ میرے لیے ندامت نہیں ہے۔ میں اس سے پشیمان نہیں ہوں گا، اگر میں زندہ رہا تو مجھے کوئی ملامت نہیں کرے گا۔ تیرے لیے یہی ذلت و خواری کافی ہے کہ تو زندہ رہے اور تیری ناک رگڑ دی جائے"۔

پس آپؑ نے منزلِ رہیمہ سے کوچ کیا اور منزلِ قطقطانیہ میں نزولِ اجلال فرمایا۔ اسی منزل پر آپؑ نے خیمہ دیکھا اور پوچھا: یہ خیمہ کس کا ہے؟

آپؑ کے حضور عرض کیا گیا: یہ خیمہ عبداللہ بن حُر جعفی کا ہے۔ آپؑ نے اُسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا: اے مرد! تو بہت زیادہ خطاکار و گناہ گار ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن شفیعِ محشر میرے جدِ بزرگوار ہوں گے۔ اگر تو اس وقت اپنی خطاؤں سے توبہ کر لے اور میری نصرت کے لیے تیار ہو جائے تو قیامت کے دن میرے نانا بزرگوار تیری شفاعت کریں گے۔

اُس بے سعادت آدمی نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! بخدا اگر میں آپؑ کی نصرت کروں تو آپؑ کے قدموں میں سب سے پہلے میں قربان ہوں گا البتہ ابن زیاد کا لشکر بہت زیادہ ہے، وہ غالب ہو کر رہے گا اور آپؑ کو قتل کر دے گا۔ میں بھی آپؑ کے سامنے قتل ہو جاؤں گا۔ میں یہ اقدام نہیں کر سکتا لیکن میرے پاس یہ گھوڑا ہے۔ یہ آپؑ کے حوالے کرتا ہوں، بخدا یہ ایسا گھوڑا ہے جب میں اس پر سوار ہوتا ہوں کہ فلاں مطلب کو حاصل کروں وہ حاصل کر کے رہتا ہوں۔ جب میں کسی شکار کے پیچھے گیا اور اس گھوڑے پر سوار

ہوا وہ شکار مجھ سے خطا نہیں ہوا۔ جب کبھی میں کسی مہم کے لیے اس پر سوار ہو کر نکلا ہوں تو مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا۔ اس گھوڑے نے مجھے ہمیشہ اپنے دشمنوں سے نجات دی ہے۔ یہ گھوڑا حاضر ہے لیکن میں آپؑ کی نصرت نہیں کر سکتا۔

جب آنحضرتؑ نے اس بے سعادت کی یہ باتیں سنیں تو آپؑ نے اپنا رُخِ انور اُس سے پھیر لیا اور فرمایا: مجھے تیرے گھوڑے سے کوئی غرض نہیں ہے اور میں گمراہ لوگوں سے کوئی مدد لینے والا نہیں ہوں لیکن یہ خیال رکھنا نہ میرے ساتھ نیکی کر اور نہ مجھے ضرر دینا۔ جس کسی نے ہم اہلِ بیتؑ کا استغاثہ سنا اور ہماری آواز اس کے کانوں تک پہنچی اور اُس نے ہماری نصرت نہ کی تو ایسے آدمی کو اللہ جہنم میں ڈالے گا۔

ورودِ کربلا

پس آپؑ نے وہاں سے کوچ کیا اور کربلا میں ورود کیا اور وہاں نزولِ اجلال فرمایا۔

آپؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا: یہ کون سی زمین ہے؟

اُنھوں نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! اِسے کربلا کہتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: بخدا! آج ہم اس زمین پر ہیں جو زمینِ کرب و بلا ہے اور یہ وہ زمین ہے جہاں ہمارے خون گریں گے اور اسی جگہ پر ہماری حرمت کی جنگ ہوگی اور ہماری بے حرمتی کو لوگ مباح جانیں گے۔

سردارانِ لشکرِ ابن زیاد

جب عبیداللہ ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت امام حُسین علیہ السلام سرزمینِ کربلا میں ورود کر چکے ہیں تو اُس نے فوراً نخیلہ کو لشکرگاہ تجویز کیا۔ (نخیلہ کوفہ سے باہر ایک مقام ہے) اور وہاں عمر بن سعد کو چار ہزار کا لشکر دے کر کربلا کی طرف روانہ کیا۔ اس کے پیچھے عبداللہ بن حصین تمیمی ہزار سوار کے لشکر کے ساتھ کربلا بھیجا۔ اس کے پیچھے شبث ربعی کو ایک ہزار سوار کا لشکر دیا۔ اس کے پیچھے محمد بن اشعث بن قیس کندی کو ہزار کا لشکر دیا۔ ان تمام لشکروں کی امارت عمر بن سعد کے حوالے کی اور دوسرے لشکروں کو تاکید کی کہ وہ سب عمر بن سعد کی

اطاعت کریں اور کوئی اس کی نافرمانی نہ کرے۔

شمر کی کربلا روانگی

ابھی اس واقعہ کو چند روز گزرے تھے کہ ابن زیاد کو خبر ملی کہ عمر بن سعد روزانہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے خفیہ ملاقاتیں کرتا ہے اور وہ دونوں ایک مقام پر اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے خلوت میں باتیں کرتے ہیں۔ عمر بن سعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ نہیں چاہتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کام کا ارتکاب نہ کرے۔ ابن زیاد نے شمر کو چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کربلا روانہ کیا اور عمر بن سعد کے نام اس مضمون کا خط روانہ کیا۔

امابعد! جس وقت میرا خط تجھے ملے:

فَلَا تُمْهِلَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَخُذْ بِكَظْمِهِ وَحُلْ بَيْنَ الْمَاءِ وَبَيْنَهُ كَمَا حِيلَ بَيْنَ عُثْمَانَ وَبَيْنَ الْمَاءِ يَوْمَ الدَّارِ

"حسینؑ بن علیؑ کو قطعاً مہلت نہ دے اور اس کی گردن کو پکڑ یعنی اس پر معاملہ تنگ کر دے اور اس پر پانی اس طرح بند کر دے، جس طرح عثمان پر دورانِ محاصرہ پانی بند کر دیا گیا تھا"۔

جب عمر ابن سعد نے ابن زیاد کا خط پڑھا تو اس نے حکم دیا کہ دونوں لشکروں کے درمیان منادی کر دی جائے کہ ہم نے امام حسینؑ اور اس کے اصحاب کو صرف ایک رات کی مہلت دی ہے، کل جنگ ہوگی۔ جب اس آواز کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحابِ باوفا نے سنا تو وہ نہایت ہی غم زدہ ہوئے۔ یہ اعلان ان پر بھاری گزرا۔ پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَا اَعْرِفُ اَهْلَ بَيْتٍ اَبَدًا وَقَدْ نَزَلَ بِيْ مَا قَدْ تَرَوْنَ وَاَنْتُمْ فِيْ حِلٍّ مِنْ بَيْعَتِيْ لَيْسَتْ لِيْ فِيْ اَعْنَاقِكُمْ بَيْعَةٌ وَلَا لِيْ عَلَيْكُمْ ذِمَّةٌ وَهٰذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخِذُوْهُ جَمَلًا وَتَفَرَّقُوْا فِيْ سَوَادِهٖ فَاِنَّ الْقَوْمَ اِنَّمَا يَطْلُبُوْنِيْ وَلَوْ ظَفِرُوْا بِيْ لَذَهَلُوْا عَنْ طَلَبِ غَيْرِيْ

آپؑ کا فرمان فَاتَّخِذُوہُ جَمَلاً عربی زبان کی ضرب المثل ہے۔ وہاں اسے استعمال کیا جاتا ہے جو مسافر ساری رات سفر کریں اور لمحہ بھر کے لیے آرام نہ کریں۔ آپؑ نے فرمایا:

''خدایا! میں نے کسی کے اہلِ بیتؑ و اقارب کو اپنے اہلِ بیتؑ اور اقارب سے نیکوکار و خوش کردار و شائستہ و پاکیزہ تر نہیں دیکھا اور میں نے کسی کے اصحاب کو ان کے اصحاب سے بہتر و برتر نہیں دیکھا، جس طرح کہ آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ مصائب و آلام نے مجھ پر ہجوم کر دیا ہے اور ہر طرف سے مَیں گھیر لیا گیا ہوں۔ میری بیعت اب تمھاری گردنوں میں نہیں ہے اور بیعت کی زنجیریں تمھاری گردنوں سے اُٹھا دیتا ہوں۔ اب میرے اور تمھارے درمیان کوئی عہد و پیمان و بیعت موجود نہیں ہے۔ یہ رات کی تاریکی تمھیں اپنے دامن میں چھپا لے گی اور اسے چلنے کے لیے سواری بنا لو اور اس کی سیاہی میں منتشر ہو جاؤ جہاں ممکن ہو اُدھر چلے جاؤ۔ ان لوگوں کا مطلوب صرف مَیں ہوں۔ وہ میرے علاوہ کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ وہ صرف میرا خون چاہتے ہیں۔ اگر اُنھیں مجھ پر کامیابی ہوگئی تو پھر وہ دوسروں سے غافل ہو جائیں گے''۔

انصارانِ حسینیؑ کا جواب

جس وقت آپؑ کے اصحاب باوفا نے آپؑ کی سخنان دل سوز اور گریہ خیز کلمات کو سنا تو سب سے پہلے جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! اگر ہم اپنے آقا و سیّد و سردار اور بزرگوار اور رسولؐ اللہ کے فرزند کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ دیں اور اُنھیں اس لشکرِ شقاوت میں بے یار و مددگار رہنے دیں اور خود چلے جائیں تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے۔ ابھی تو ہم نے آپ کی نصرت و یاوری میں تلواروں سے مقابلہ نہیں کیا اور تلواروں اور نیزوں سے ان دشمنوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ اگر ہم

آپ جیسے سردار اور فرزند رسولؐ کو ان اعدا کے درمیان بے یارومددگار چھوڑ دیں اور اپنی جان بچالیں تو ہم پر لوگوں کی ملامت کی زبانیں کھلیں گی۔

بخدا! ہم سے ہرگز یہ کام نہیں ہوسکتا۔ ہم ہمیشہ آپؑ کی نصرت میں رہیں گے۔ ہم وہی کریں گے جو آپؑ کریں گے۔ جو آپؑ پر گزرے گی وہ ہم قبول کریں گے۔ آخر موت کے کڑوے گھونٹ کو نوش جان کریں گے۔ آپؑ کی جان پر اپنی جانیں قربان کریں گے۔ اپنے نفوس سے آپؑ کی جان کی حفاظت کریں گے۔ اپنے خون کو آپؑ کے خون پر قربان کریں گے۔ پس ہمارے اوپر جو تکلیف شرعی ہے، اُسے بجالائیں گے۔

زُہیر بن قین کی تقریر

جناب زُہیر بن قین کھڑے ہوئے اور کہا: بخدا! اے فرزندِ رسولؐ! مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے آپؑ کی محبت میں قتل کیا جائے اور پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کردیا جاؤں اور اس طرح میں سو مرتبہ قتل کیا جاؤں اور زندہ کیا جاؤں اور خداوند تعالیٰ میرے اس قتل سے آپؑ کی اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ کے جوانوں کی جانیں بچالے۔

تشکرِ امام حُسینؑ

جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی ان باتوں کو سنا تو ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی تمھیں میری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔ پھر آپؑ نے حکم دیا کہ اطرافِ لشکر میں ایک خندق کھودو، پھر آپؑ نے فرمایا: اُسے ایندھن سے بھر دو۔

آپؑ نے اس دوران شہزادہ علی اکبرؑ سے فرمایا: تیس سوار اور بیس نفر پیدل لے کر دریائے فرات پر جاؤ اور پانی لے آؤ۔ آپؑ کا یہ لشکر رات کے وقت دریائے فرات پر گیا اور پانی لے آیا۔ آپؑ نے اس رات یہ جانگداز و دل سوز اشعار اپنی مبارک زبان پر جاری فرمائے:

يَا دَهْرُ أُفٍّ لَكَ مِنْ خَلِيلِ ... كَمْ لَكَ بِالْإِشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ

مِنْ طَالِبٍ وَ صَاحِبٍ قَتِيلِ ... وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيلِ

وَإِنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ ... وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكٌ سَبِيلِي

"اے زمانۂ غدار اور اے چرخ کج مدار! تجھ پر اُف اور تُف ہے کہ تو نے آج تک کسی سے وفا نہیں کی ہے۔ تجھ پر کوئی بھروسہ نہیں ہے، کتنے طالبانِ حق اور ساتھی صبح و شام تیرے ہاتھوں قتل کردیے جاتے ہیں۔ یہ زمانہ اُسے قتل کرتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ اس کے عوض پر راضی نہیں ہوتا۔ تمام معاملات کی باگ ڈور ربِ جلیل کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کے راستے پر رواں دواں ہے۔ سبھی نے ایک دن مرنا ہے، ہاں اس دنیا سے کوچ کا وقت کتنا قریب ہے"۔

جب شہزادہ علی اکبرؑ اپنے یار و انصار کے ساتھ خیمہ گاہ میں (دریائے فرات سے) پانی لائے تو مظلومِ کربلا نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اُٹھئے اور پانی پی لیجیے۔ تمھارے لیے اس جہانِ فانی کے پانی کا یہ آخری توشہ ہے اور اس پانی سے اپنا لباس دھو لیجیے تاکہ وہ لباس تمھارا کفن بن جائے۔ (اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے، مشہور ہے کہ پانی اہلِ بیتؑ پر سات محرم سے بند ہو چکا تھا۔ ناشر)

صبح عاشورا

جب اس عظیم مصیبت و بلا کے دن کی صبح صادق اُفقِ مشرق سے طلوع ہوئی تو سید الشہداؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ فریضۂ صبح ادا کیا تو اس کے بعد شاہِ کم سپاہ نے اپنے پُرسعادت لشکر کو اس طاغی و باغی گروہ کے ساتھ جہاد کے لیے تیار کیا اور ان کی صفوں کو مرتب کیا۔ آپؑ نے فرمایا: جو اطرافِ لشکر میں خندق کھودی گئی ہے اور اس میں ایندھن بھرا گیا ہے اس میں آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن کا لشکر ہر طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

دوسری طرف عمر بن سعد نے جنگ کے لیے اپنے لشکر کو تیار کیا۔ اس دوران ابن سعد کے لشکر سے ایک سوار امامؑ کے لشکر کی طرف آیا۔ یہ ابن ابوجویریہ مزنی تھا۔ یہ اس خندق کے قریب پہنچا جس میں آگ کے شعلے بلند تھے۔ جب اس نے اس شعلہ ور آگ کو دیکھا تو اس نے ازراہِ مسرت و استہزاء تالی بجائی اور آواز دی:

اے حسینؑ و اصحابِ حسینؑ! تمھیں آتشِ دوزخ سے قبل آگ کی بشارت ہو کہ تم نے اپنی زندگی میں اپنے لیے آگ بھڑکائی ہے۔

جب سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی یہ گستاخی دیکھی تو پوچھا: یہ کون ہے؟

آپؑ کے اصحاب نے فرمایا: یہ ابن ابی جویریہ مزنی ہے۔

حجتِ خدا نے اپنی زبانِ معجز نما سے یہ کلام معجز نما نطق فرمایا:

اللھم اذقہ عذاب النار فی الدنیا

"اے اللہ! اسے اس دنیا میں آگ کا مزہ چکھا"۔

آپؑ کا یہ فرمانا تھا کہ آپؑ کی دعا فوراً قبول ہوئی تو اسی وقت اس کا گھوڑا بدکا اور یہ زمین پر آرہا اور اسی خندق کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جا گرا اور اسی آتشِ شعلہ ور میں جل کر خاکستر ہو گیا۔

تمیم بن حصین کا حشر

عمر بن سعد کے لشکر سے تمیم بن حصین غزاری نامی شخص نکلا اور اُس نے یہ صدا دی:

اے حسینؑ و اصحابِ حسینؑ! کیا تم دریائے فرات کی طرف دیکھ رہے ہو کہ اس کا پانی کتنا صاف و شفاف ہے کہ اس کے اندر مچھلیاں صاف دکھائی دیتی ہیں لیکن بخدا اس کا ایک قطرہ بھی تمھارے پاس نہیں جانے دیا جائے گا، حتیٰ کہ تم موت کا ذائقہ چکھو گے۔

آنحضرتؑ نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟

آپؑ کو بتایا گیا کہ یہ تمیم بن حصین فزاری ہے۔

اس وقت آپؑ نے فرمایا: یہ اور اس کا باپ دونوں جہنمی ہیں، اے پروردگار! اسے اسی وقت پیاسا مار دے۔ آپؑ کی دعا فوراً قبول ہوئی کہ اس پر پیاس نے غلبہ کیا۔ شدت پیاس کی وجہ سے یہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آرہا اور اس وقت وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ آخر اپنے لشکر کے گھوڑوں کے سموں میں کچلا گیا اور اسی صورت میں اس کی روح اس کے بدن سے نکلی اور وہ جہنم واصل ہو گیا۔

جسارت محمد بن اشعث

محمد بن اشعث اپنے لشکر سے باہر نکلا اور اُس نے میدان میں آ کر کہا: اے حسینؑ بن فاطمہؑ! تم رسولؐ اللہ کی طرف سے کیا خصوصیت رکھتے ہو کہ جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہے؟

جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اس شقی وطاغی کے یہ کفر آمیز کلمات سنے تو آپؑ نے اپنی معجز نما زبان پر اس آیت کو جاری فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ ۢ بَعْضٍ (آل عمران، آیہ ۳۳-۳۴)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ وحضرت نوحؑ وآلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے بعض کی اولاد کو بعض سے"۔

آپؑ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: یہ کون ہے؟

آپؑ کے حضور عرض کیا گیا: یہ محمد بن اشعث بن قیس کندی ہے۔ پس آپؑ نے اپنے مبارک سر کو آسمان کی طرف بلند فرمایا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! محمد بن اشعث کو ذلیل وخوار فرما، آج کے بعد اسے کبھی عزت نہ دینا۔

آپؑ کی اس دعا نے فوراً اثر دکھایا۔ یہ اپنے لشکر میں واپس آیا۔ اپنے گھوڑے سے اُترا اور رفع حاجت کے لیے لشکر سے باہر نکلا۔ جونہی یہ خلوت میں گیا وہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر عقرب کو مسلط کیا اور اس نے اسی برہنہ حالت میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

یزید بن حصین اور لشکر ابن زیاد

اہلِ بیتؑ پر پانی بند ہو چکا تھا۔ دریائے فرات ابن زیاد کی فوج کے قبضے میں تھا۔ اِدھر اہلِ بیتؑ کے خیام میں پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ پیاس کی وجہ سے سید الشہداؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب نڈھال ہو چکے تھے۔ یزید بن حصین ہمدانی جو آپؑ کے صحابی تھے، آپؑ کے حضور حاضر ہوئے۔

راوی کا بیان ہے: یزید بن حصین ایک نیک ومتقی انسان تھے اور ابواسحاق ہمدانی کے

خالو تھے۔ عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ مجھے اجازت فرمائیں کہ میں اس لشکر کے پاس جاؤں اور انھیں نصیحت کروں۔

جب انھیں رخصت ملی تو وہ اس لشکرِ شقاوت سے بلند آواز میں مخاطب ہوئے اور کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبوت و رسالت دے کر تمام عالمین کی طرف بھیجا۔ اُنھوں نے نیک لوگوں کو بے پناہ ثواب و نعماتِ الٰہی کی بشارت دی جو اللہ نے بہشت میں اہلِ ایمان کے لیے مہیا کر رکھی ہیں اور اُس نے گناہ گاروں کو دوزخ کے دردناک عذاب کی خبر سے ڈرایا اور لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ وہ ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں روشن آفتاب تھے اور ان کی تعلیمات سراپا رستگاری و نجات تھیں۔ یہ دریائے فرات ہے۔ صحراؤں کے خنزیر اور بیابانوں کے کتے اس کا پانی پی رہے ہیں۔ تم ان کے جد بزرگوار کی اُمت ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ اس دعویٰ کے باوجود تم نے ان پر پانی بند کر رکھا ہے اور تم خود دریا کے فراواں پانی سے سیراب ہو رہے ہو۔

جب اس لشکرِ اشقیاء نے اس پاک طینت اور نیک سیرت مومن کی پاک و پاکیزہ گفتگو سنی تو کہنے لگے: اے یزید! تم نے طویل گفتگو کی ہے۔ اب اپنی زبان کو بند رکھ اور مزید بات نہ کر۔ آج جس طرح حسینؑ پیاسا ہے اور اُس پر پانی بند ہے، اس سے قبل کوئی اور تھا جس پر پانی بند کیا گیا تھا؟

امام حسینؑ کا لشکرِ اشقیاء سے خطاب

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ ان لوگوں نے اس مومن کا جواب اس انداز میں دیا ہے کہ آپؑ نے یزید کو بلایا اور فرمایا: اے یزید! واپس آؤ۔ آنحضرتؑ بنفسِ نفیس لشکرِ اشقیاء کے سامنے تشریف لے گئے اور اپنی شمشیر کے سہارے کھڑے ہو کر ان سے خطاب کیا۔ آپؑ نے بلند آواز سے فرمایا: میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے مجھے پہچانا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: ہاں ہم آپؑ کو جانتے ہیں۔ آپؑ عالمین کے رسولؐ کے بیٹے

ہیں اور انھی بزرگوار کے سبط ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تمھیں یہ معلوم ہے کہ رسولؐ اللہ میرے جد بزرگوار ہیں؟

اُنھوں نے کہا: جی ہاں! ہم جانتے ہیں کہ آپ کے نانا اللہ کے رسولؐ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تمھیں اللہ کی قسم، کیا تم جانتے ہو کہ میری ماں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت محمد مصطفےؐ کی بیٹی ہیں؟

انھوں نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تمھیں خدا کی قسم، کہ میرے پدر بزرگوار علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! ہم جانتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ میری جدہ ہیں جو کائنات کی وہ پہلی خاتون ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! ہم جانتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ حضرت حمزہؓ سیدالشہدا میرے والد کے چچا ہیں؟

انھوں نے کہا: جی ہاں! ہم جانتے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت جعفر طیارؓ جو بہشت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں، وہ میرے چچا ہیں؟

انھوں نے کہا: ہاں! ہم یہ بھی جانتے ہیں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ تلوار جو میں نے حمائل کر رکھی ہے یہ تلوار رسولؐ اللہ کی تلوار ہے؟

انھوں نے کہا: جی ہاں! یہ واقعی رسولؐ اللہ کی تلوار ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ عمامہ جو میرے سر پر ہے، یہ رسولؐ اللہ کا عمامہ ہے؟

انھوں نے کہا: جی ہاں! واقعی یہ رسولؐ اللہ کا عمامہ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اُمت مسلمہ میں سب سے پہلے جس نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی وہ میرے والد بزرگوار حضرت امام علی علیہ السلام ہیں اور وہ اس اُمت کے ہر فرد سے دانا تر و بزرگ تر تھے۔ ان کا عمل سب سے بیش تر اور ان کی خدمات سب سے زیادہ تھیں اور وہ ہر مومن و مومنہ کے ولی وسیّد و سردار تھے؟

یہ سن کر ان نابکاروں نے کہا: ہم سب خوب جانتے ہیں اور آپؑ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ سچ ہے۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: جب تم ان تمام باتوں کو جانتے ہو تو پھر تم میرے خون کو کیوں حلال سمجھتے ہو اور مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ قیامت کے دن حوضِ کوثر پر میرے والد بزرگوار موجود ہوں گے۔ آنجنابؑ اپنے دوستوں کو کوثر پلائیں گے اور اپنے دشمنوں کو اسی طرح بھگا دیں گے جس طرح پیاسے اُونٹ کو گھاٹ سے بھگایا جاتا ہے حالانکہ وہ اس وقت سخت پیاسے ہوں گے اور قیامت کے روز لوائے حمد میرے جد بزرگوار کے ہاتھ میں ہوگا۔

ان لوگوں نے آپؑ کی تمام باتیں سنیں اور ان کی تصدیق کی اور کہا: ان تمام صفات و فضائل کے باوجود تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ تم سے ضرور جنگ کریں گے اور تمھیں تشنہ لب قتل کریں گے۔

جب مظلومِ کربلا نے ان کی باتوں کو سنا تو آپؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو اپنی مقدس ریش کی طرف بلند کیا۔ اس وقت آپؑ کی عمر مبارک ۵۷ سال تھی۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں پر اس لیے بہت زیادہ غضب ناک ہوا کہ وہ اس کے لیے بیٹے کے قائل ہوئے۔ عیسائیوں پر اس لیے ناراض ہوا کہ انھوں نے اللہ رب العالمین کو تین میں سے تیسرا قرار دیا اور مجوسیوں پر اس لیے غضب ناک ہوا کہ وہ خدا کے بجائے سورج اور چاند کی عبادت کرنے لگے تھے اور اب اس قوم پر اس لیے انتہائی غیظ میں آیا ہے کہ وہ سب اکٹھے ہو کر اپنے نبی کے نواسے کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔

حُر پر امامؑ کی گفتگو کا اثر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: جب جنابِ حُر نے امام علیہ السلام کی یہ ملکوتی گفتگو سنی اور اُسے اچھی طرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ اشرار ضرور امامؑ سے جنگ کریں گے اور آپؑ کو قتل کردیں گے، اُسے توفیق الٰہی نصیب ہوئی تو اُس نے اپنے گھوڑے کو بڑی تیزی کے ساتھ بھگایا اور فوراً ابن سعد کے لشکر سے باہر نکل گیا، اور امامؑ کے لشکرِ سعادت سے جا ملا۔ اور اُس نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے خداوند رحمٰن و رحیم! میں تیری طرف آرہا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ پس میری توبہ قبول فرما، کیونکہ میں نے تیرے دوستوں اور تیرے نبی کی اولاد کا دل دکھایا ہے۔

جب جنابِ حُر مظلومِ کربلا کے حضور پہنچے تو عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا مجھ پر توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ کیا خدا میری توبہ قبول فرمائے گا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ نے تیری توبہ قبول کرلی ہے اور تیری خطا معاف ہوگئی ہے۔

جب حُر نے معدنِ عصمت و طہارت سے سخن بشارت آمیز و شادی و فرح خیز سنی تو آپؑ کے حضور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپؑ کے سامنے ان کافروں سے جہاد کروں اور آپؑ کی مبارک جان پر اپنی جان قربان کروں۔

پس آنجنابؑ نے جنابِ حُر کو جہاد کی اجازت دی اور حُر میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور کہا:

اَضْرِبُ فِیْ اَعْنَاقِکُمْ بِالسَّیْفِ
عَنْ خَیْرِ مَنْ حَلَّ بِلَادَ الْخَیْفِ

"میں تمھاری گردنوں پر اپنی شمشیر سے ضربیں لگاؤں گا۔ ان بزرگواروں کی حفاظت میں تم سے جنگ کروں گا، جن کا تعلق ملک حجاز سے ہے"۔

اس شعر میں جنابِ حُر نے کلمہ خیف کا استعمال کیا ہے۔ اس کا معنی گوشہ بھی ہے۔ ایک جگہ کا نام بھی ہے جو کوہِ ابوقبیس میں ہے۔ ایک مسجد کا نام بھی خیف ہے جو میدانِ منیٰ کے

ایک طرف واقع ہے۔ آپؒ نے خیف سے مراد حجاز لیا ہے۔

جناب حُر نے لشکرِ اشقیاء کے چودہ آدمیوں کو جہنم پہنچایا لیکن اس وقت آپؒ کے جسمِ مبارک پر بہت زیادہ زخم لگ چکے تھے۔ آپؒ کا خون کثرت سے بہہ گیا تھا، جس کی وجہ سے آپؒ کی روح آپؒ کے جسم سے پرواز کر گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام خود جناب حُر کے لاشے پر آئے۔ اس وقت ان کے زخموں سے خون پرنالے کی طرح بہہ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر امامؑ نے فرمایا: تو دنیا میں بھی حُر تھا اور آخرت میں بھی حُر ہے اسی لیے تیرا نام حُر رکھا گیا؟

(مترجم: یعنی امامؑ نے فرمایا: اے حُر! تو دنیا میں بھی ایک شریف و نجیب انسان ہے اور آخرت میں بھی جہنم سے آزاد ہے۔ پس آپؑ نے حُر کے لاشے پر یہ اشعار پڑھے:

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِیْ رِیَاحٍ وَنِعْمَ الْحُرُّ مُخْتَلَفَ الرِّمَاحِ

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْنًا فَجَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

"حُر کس قدر نیکوکار و خوش کردار و نجیب ہے۔ وہ حُر جو فرزندانِ ریاح میں سے ہے۔ حُر کس قدر پاک طینت اور نیک سیرت تھے۔ جس وقت وہ نیزوں کی زد میں تھے وہ کس قدر صابر تھے۔ حُر کے کیا کہنے جس حسینؑ نے اُسے اپنی نصرت کی دعوت دی تو اُس نے اس آواز پر لبیک کہا اور صبح کے وقت اُس نے اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی"۔

زُہیر ابن قینؓ کی شہادت

جناب حُر کی شہادت کے بعد جناب زُہیر بن قینؓ نے میدانِ جنگ کا رُخ کیا اور اُس نے میدانِ جنگ میں حضرت امام حسینؑ کو خطاب کر کے یہ شعر پڑھا:

اَلْیَوْمَ نَلْقٰی جَدَّکَ النَّبِیَّا وَحَسَنًا وَالْمُرْتَضٰی عَلِیًّا

"پس آج کے دن بہشت میں آپ کے جد بزرگوار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپؑ کے برادر (حسن مجتبیٰؑ) اور آپؑ کے والد گرامی (جناب امام علیؑ)
سے ملاقات ہوگی"۔

پس آپؓ میدانِ کارزار میں مصروف ہوئے اور دشمن کے انیس افراد کو تہِ تیغ کیا اور آپؓ نے میدانِ جنگ میں یہ رجز پڑھا:

اَنَا زُهَيْرٌ وَاَنَا ابْنُ الْقَيْنِ اَذُبُّكُمْ بِالسَّيْفِ عَنْ حُسَيْنِ

"میں زہیر ہوں، میں قین کا بیٹا ہوں۔ میں اپنی تلوار سے حضرت
امام حسینؑ کا دفاع کروں گا"۔

آخرکار آپؓ شہید کردیے گئے اور آپؓ کی روح پرفتوح نے بہشت کی طرف پرواز کی۔

حبیب بن مظاہر اسدی کی شہادت

جناب زُہیر بن قین کی شہادت کے بعد جناب حبیب بن مظاہر میدانِ جنگ کی طرف تشریف لے گئے اور آپؓ نے یہ رجز پڑھا:

اَنَا حَبِيْبٌ وَاَبِيْ مُظَهَّرٌ لَنَحْنُ اَزْكٰى مِنْكُمْ وَاَطْهَرُ
نَنْصُرُ خَيْرَ النَّاسِ حِيْنَ يُذْكَرُ

"میں حبیب ہوں اور میرا والد مظاہر ہے۔ اے ستم کارو! ہم ہر صورت
میں تم لوگوں سے نیکوتر و پاکیزہ تر ہیں، کیونکہ ہم نے کائنات کے عظیم
انسان کی نصرت کی ہے"۔

جنابِ حبیب بن مظاہر نے میدانِ کارزار میں شجاعت و مردانگی کے بھرپور جوہر دکھائے اور دشمن کے اکتیس افراد کو واصلِ جہنم کیا۔ آخر زخموں کی کثرت کی وجہ سے نڈھال ہوگئے اور درجۂ شہادت پر جا پہنچے۔

ابوعُروہ غفاریؓ کی شہادت

جنابِ حبیبؓ کی شہادت کے بعد جناب عُروہ غفاریؓ نے امامؑ سے جنگ کی اجازت

لی۔ جب آپؑ میدانِ مبارزت میں آئے تو یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ حَقًّا بَنُوغِفَارٍ　　اَنِّیْ اَذُبُّ فِیْ طِلَابِ الثَّارِ

بِالْمَشْرَفِیِّ　　وَالْقَنَا　　الْخَطَّارِ

"لفظِ غِفار ہے۔ بنوغِفار بنو کنانہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جناب ابوذر غِفاری کا تعلق بھی اِسی قبیلہ طِلاب بروزن ضِراب باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا معنٰی ہے حق کا طلب کرنا ایسا حق جو کسی دوسرے کے ذمہ ہو"۔

ثار "ثا" حرف مفتوح ہے اور اس کا ھمزہ ساکن ہے اور کبھی ھمزہ کو "الف" بنا دیتے ہیں۔ اس کا معنٰی ایسا خون ہے جو کسی کے ذمہ ہو۔

"مشرف" حرف میم مفتوح ہے اور اس کا حرف "را" بھی مفتوح ہے۔ یہ "مشارف" کا واحد ہے اس کا معنٰی ہے "بلند جگہ"۔ عرب "مشرف" اس جگہ کو بولتے ہیں جہاں پانی و گھاس اور میوہ جات کثرت کے ساتھ ہوں۔ اسی مناسبت سے تلوار کا نام بھی مشرفی تلوار رکھ دیا گیا لیکن بعض ماہرین لغت نے کہا ہے کہ یہ قول غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے، اسی نسبت سے وہاں کی تلوار کو شمشیر مشرفی کہا جاتا ہے۔

"قنا" بروزن "عصا" حرف "قاف" مفتوح ہے۔ اس کا معنٰی ایسا نیزہ ہے جس کی نوک اور چوب بہت باریک ہوں۔ ان دو شعروں کا حاصل معنٰی یہ ہے:

"یہ حقیقت ہے کہ قبیلہ بنوغِفار بخوبی جانتا ہے کہ میں اپنے احباب کے خون کے انتقام میں بھرپور کوشش کرنے والا ہوں۔ میں ان کا دفاع کروں گا اور دشمنوں پر تلوار سے وار کروں گا۔ میں دین کے دشمنوں اور امامؑ کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ شمشیر و نیزہ سے میں ان کا دفاع کروں گا"۔

پس جب یہ میدانِ کارزار میں اُترے تو دشمن کے بیس آدمیوں کو تہِ تیغ کر کے آتش نمران کی طرف بھیجا لیکن جب ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا تو ان کے لگائے گئے زخموں

کی وجہ سے جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی اور بہشتِ بریں کی طرف کوچ فرمایا۔

بُریر بن خُضیر ہمدانی

ابوعُروہ غِفاریؓ کے بعد جناب بُریر بن خضیر میدانِ قتال میں اُترے۔ یہ بزرگوار اپنے زمانہ کے بہت بڑے عابد، زاہد اور قاریٔ قرآن تھے۔ بلکہ قرأت قرآن کے حوالے سے اپنی نظیر آپ تھے۔ جب آپؓ میدانِ جنگ میں آئے تو آپؓ نے یہ رجز پڑھا:

أَنَا بُرَيْرٌ وَ أَبِي خُضَيْرٌ لَاخَيْرَ فِيمَنْ لَيْسَ فِيهِ خَيْرٌ

پہلی "خیر" کا معنی تو واضح ہے البتہ جو دوسرا "خیر" ہے شاید اس سے مراد دین و مذہب ہو۔ جس طرح نمازِ جنازہ میں آخری تکبیر سے پہلے دعا پڑھی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا خَيْرًا

مرنے والا مومن ہو یا فاسق، کوئی بھی ہو، تو دعا کے الفاظ یہی ہوتے ہیں کہ ہم اس کے بہتر کو جانتے ہیں۔ اس شعر کا حاصل معنی یہ ہے: "میں بُریر ہوں اور میرا والد خُضیر ہے۔ جس آدمی میں دین مذہب کی اچھائیاں نہیں ہیں تو پھر اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔" پس آپؓ نے دشمن کے تیس آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا اور منزلِ شہادت حاصل کی۔

مالک بن انس کاھلی

اس بزرگوار کی شہادت کے بعد جناب مالک بن انس کاھلی نے میدانِ کارزار کا رُخ کیا اور یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ كَاهِلُهَا وَ دُودَانُ وَالْخِنْدِفِيُّونَ وَقَيْسُ عَيْلَانَ

بِاَنَّ قَوْمِي قُصَمُ الْاَقْرَانِ يَاقَوْمِ كُونُوا كَاُسُودِ الْجَانِ

آلُ عَلِيٍّ شِيعَةُ الرَّحْمٰنِ وَآلُ حَرْبٍ شِيعَةُ الشَّيْطَانِ

"کاھل" بروزن "صاحب" یہ اسد بن خُزیمہ کے بیٹے تھے۔ انھی کے نام سے قبیلہ بنی اسد مشہور ہے۔ "کاھل ھا" کی ضمیر کا مرجع قبائل عرب ہیں اور دُودان قبیلہ اسد کے کوئی بزرگ تھے۔ خندف لیلیٰ بنت حلوان بن عمران اس کا لقب تھا۔ یہ خاتون الیاس بن معتر کی

بیٹی تھیں۔ الیاس سے ان کے تین بیٹے جن کے نام عمرو، عامر، عُمیر تھے۔ ایک دن اسی خاتون کا شوہر الیاس اپنے اُونٹ چرانے کے لیے نکلا۔ جب وہ اپنے اُونٹوں کو لے کر چراگاہ کی طرف جارہا تھا تو راستے میں اچانک خرگوش نکلا، جس کی وجہ سے اُس کے اُونٹ ڈر گئے اور اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔

جب عمرو نے دیکھا کہ ان کے اُونٹ اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں اور وہ خرگوش کے اچانک اپنی بل سے نکلنے کی وجہ سے بھاگے ہیں تو وہ فوراً اپنے خیمہ سے باہر نکلا اور خرگوش کے پیچھے بھاگنے لگا کہ وہ اُسے پکڑے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے خرگوش کو پکڑ لیا، اس لیے اس کا نام "مدرکہ" مشہور ہوگیا۔ عامر، عمرو کے پیچھے بھاگا اور وہ اس خرگوش تک جاپہنچا تھا اور اُسے پکڑا تھا اور اُسے پکایا تھا۔ اس لیے اس کا نام "طابخہ" مشہور ہوا۔

عُمیر اس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ اپنے خیمہ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ تو اس کا لقب "قمعہ" مشہور ہوا اور وہ الیاس کی بیوی (لیلیٰ) اِن کے پیچھے جلدی کے ساتھ گئی تھی۔ اس کے شوہر نے اس سے پوچھا: تجھے کیا جلدی ہے؟ لیلیٰ نے جواب دیا: میں نے جلدی اس لیے کی کہ تیرا حال معلوم کروں، تو لیلیٰ کا لقب "خندف" پڑ گیا۔

"عیلان" قیس کے والد کا نام تھا یا پھر قیس کے گھوڑے کا نام تھا۔ "قُصم" ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو چیز اس کے ہاتھ میں آئے اُسے توڑ ڈالے اور پامال کردے۔

"اُسود" اسد کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ شیر ہے۔

"جان" اس کا معنیٰ "جنوں کا گروہ" ہے یا اس کا معنیٰ سانپ ہے۔ ایسا سانپ جس کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں۔

پس حاصل معنیٰ یہ ہے: عرب کے تمام قبائل جانتے ہیں چاہے وہ ذُودان ہے یا خندف یا قیس عیلان۔ میری قوم قُصم ہے۔ اے میری قوم! شیروں کی مانند بن جاؤ۔ تمھیں معلوم ہے کہ آلِ علی رحمن کے شیعہ ہیں اور آلِ حرب شیطان کے شیعہ ہیں اور وہ ان کے تابع ہیں"۔ انھوں نے بھرپور انداز میں جنگ کی اور دشمن کے چودہ آدمیوں کو قتل کیا۔ آخر سعادت ابدی حاصل کر کے جنت کی طرف سدھار......

زیاد بن مہاصر کندی

اس بزرگوار کی شہادت کے بعد جناب زیاد بن مہاصر کندی نے میدانِ جنگ میں قدم رکھے، شیر کی مانند اشقیاء پر ٹوٹ پڑے اور یہ رجز پڑھا:

اَنَا زِيَادٌ وَاَبِي مُهَاصِرٌ اَشْجَعُ مِنْ لَيْثِ الْعَرِيْنِ الْخَادِرِ

يَارَبِّ اِنِّي لِلْحُسَيْنِ نَاصِرٌ وَلِابْنِ سَعْدٍ تَارِكٌ مُهَاجِرٌ

''عرین'' بروزن ''امیر'' شیر کے مسکن کے معنی میں آتا ہے۔

''خادر'' اس شیر کو کہا جاتا ہے جو اپنی کچھار میں ہمیشہ موجود رہے اور جس کی طاقت کا اندازہ لوگوں کو نہ ہو۔ اس لیے اُس نے اپنے رجز میں اپنے آپ کو یوں ظاہر کیا ہے کہ وہ ایسا بہادر ہے کہ جس کی شجاعت کو دنیا نہیں جانتی۔

آپ نے کہا: میں زیاد ہوں اور مہاصر کا بیٹا ہوں۔ میری شجاعت شیر ببر سے بہت زیادہ ہے۔ اے میرے پروردگار! میں حسینؑ بن علیؑ کا ناصر ہوں اور ابن سعد سے میں نے دُوری اختیار کی ہوئی ہے''۔ پس اس بزرگوار نے نو افراد کو قتل کیا اور شہادت کی سعادت حاصل کی۔

وھب بن وھب

اس بزرگوار کے بعد جناب وھب نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ واقعۂ کربلا سے قبل نصرانی تھے۔ آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دستِ مبارک پر اسلام لائے تھے اور وہ اپنی ماں کے ساتھ سید الشہداؑ کی خدمت میں کربلا آئے۔

پس یہ پاک طینت انسان اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور خیمہ کا عمود اپنے ہاتھ میں لے کر میدانِ کارزار میں اُترے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور دشمن کے آٹھ آدمیوں کو قتل کیا اور آخر میں دشمن کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔

اس بزرگوار کو گرفتاری کی حالت میں ابن سعد کے پاس حاضر کیا گیا۔ عمر بن سعد نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، انھیں قتل کر دیا گیا اور ان کا سر مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف پھینک دیا گیا۔ جب ان کی والدہ نے اپنے بیٹے کے سر کو دیکھا تو اپنے بیٹے کی

تلوار اُٹھائی اور جنگ کرنے کے لیے اس لشکرِ اشقیاء کی طرف متوجہ ہوئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُنھیں جنگ سے روک دیا۔

آپؑ نے فرمایا: اے مادرِ وہب! اپنی جگہ پر بیٹھ جائیے کیونکہ اللہ نے عورتوں پر جہاد کو ساقط کیا ہے۔ تم اپنے بیٹے کے ساتھ میرے جد بزرگوار کے پاس جنت میں ہوگی۔

ہلال بن حجاج

ہلال بن حجاج نے جب میدانِ جنگ میں قدم رکھا تو یہ رجز پڑھا:

أَرْمِي بِهَا مُعْلَمَةً أَفْوَاقُهَا   وَالنَّفْسُ لَا يَنْفَعُهَا إِشْفَاقُهُ

''اشفاق'' کا معنیٰ ڈر، خوف ہے اور پرہیز کرنا ہے۔ کبھی اعراض و انکار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور خاص طور پر اس مقام پر جہاں ''مِن'' سے متعدی ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔

یہاں دونوں معانی کا احتمال ہے شاید پہلے معنیٰ بہتر ہو۔

''میں ان کافروں کے گروہ کو اپنے تیروں کا نشانہ بناؤں گا اور ان پر اپنے نیزے سے وار کروں گا جس کی وجہ سے ان کے خون سے میرے نیزے کی نوک رنگین ہو جائے گی''۔

اس شعر کے مفہوم کا دوسرا احتمال بھی ہے کہ ''مجھے تیروں اور نیزوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔ نیزوں کے سر میرے خون سے رنگین ہو جائیں گے، جو موت میرے مقدر میں ہے اس سے بھاگنے کا فائدہ نہیں ہے''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ (النساء، آیہ ۷۸)

''تم جہاں کہیں ہو گے موت تمھیں درک کرے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بھی ہو''۔ (اللہوف، ص ۴۷، کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۸، مناقب آلِ ابی طالب، ج ۴، ص ۹۵)

اس بزرگوار نے رجز خوانی کے بعد لشکرِ اشقیاء پر حملہ کردیا اور ان کے تیرہ آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اس طرح لڑتے لڑتے شہادت کو حاصل کیا۔

جناب عبداللہ بن مسلم

جناب ہلال بن حجاج کی شہادت کے بعد جناب عبداللہ بن مسلم میدانِ کارزار میں اُترے اور انھوں نے فرمایا:

اَقْسَمْتُ لَا اُقْتَلُ اِلَّا حُرًّا　　　وَقَدْ وَجَدْتُ الْمَوْتَ شَیْئًا مُرًّا

اَکْرَهُ اَنْ اُدْعٰی جَبَانًا فَرًّا　　　اِنَّ الْجَبَانَ مَنْ عَصٰی وَفَرَّا

دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں جو "فرا" ہے وہ صفت مشبہ ہے۔ اصل میں یہ "فرر" تھا۔ را کو "را" میں ادغام کیا تو فر بن گیا۔

دوسرے مصرعہ میں جو "فرا" ہے وہ فعل ماضی ہے جس کی اصل "فرر بروزن ضرب ہے۔

اس شعرِ اوّل کے معنی میں دو احتمال موجود ہیں: "میں نے قسم اُٹھا رکھی ہے کہ میں نے اپنے اُوپر لازم قرار دیا ہے کہ میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہوئے قتل ہوجاؤں گا۔ مجھے بستر کی موت سے نفرت ہے۔ ایسی موت جو میدانِ جنگ میں تیغ و نیزہ کے ساتھ آئے تو ایسی موت ایک بہادر کے لیے زیب و زینت کا باعث ہے، اور یہی جوانمردی اور حُریت کی علامت ہے اور ایسی موت تمام اموات سے خوب تر ہے"۔

پچھلے اوراق میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امام حُسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دیتے وقت فرمایا تھا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔

اسی مضمون پر مشتمل حضرت امام حُسین علیہ السلام کا قول بھی ہے:

وَاِنْ تَکُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِأَتْ　　　فَقَتْلُ اَمْرِءٍ بِالسَّیْفِ فِی اللهِ اَنْبَلُ

"جب انسانی ابدان کی تخلیق ہی اس لیے ہوئی ہے کہ وہ شربت ناگوار مرگ کو ہر صورت پئیں تو پھر اللہ کی راہ میں مرد کا شمشیر کے لیے قتل ہونا انتہا درجے کی حذاقت اور دانائی ہے"۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ سب سے آسان ترین موت شمشیر سے قتل ہونا ہے۔(1)

ان اشعار کا دوسرا مفہوم یہ ہے: "میں نے اپنے اُوپر لازم قرار دیا ہے کہ آزادی و جوانمردی کی صورت میں موت کو قبول کروں گا، حالانکہ میں موت کو تلخ و ناگوار سمجھتا ہوں اور مجھے میدان سے بھاگنے سے بھی نفرت ہے"۔ جو آدمی موت کے خوف سے میدانِ جنگ سے بھاگتا ہے وہ معصیت کار ہے کیونکہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مومن میدان میں اللہ کے دشمن کے خلاف ڈٹ جاتا ہے لیکن مرتکب معصیت موت کے خوف سے بھاگ جاتا ہے۔

یہ بزرگوار جب میدانِ جنگ میں گئے تو تین آدمیوں کو جہنم پہنچایا اور آخر میں شہادت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت

جناب عبداللہ بن مسلمؓ کی شہادت کے بعد فرزند عزیز سیدالشہداؑ نورِدیدہ حضرت فاطمہ زہراؑ جناب علی اکبرؑ میدانِ کارزار کی طرف گئے۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت علی اکبرؑ عازمِ جہاد ہوئے اور سیدالشہداؑ کی نگاہ آپؑ پر پڑی تو آپؑ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا: "اے میرے خدا! اس گروہ ستم کار و غدار پر گواہ رہنا جو شخصیت ان ظالموں کے خلاف جنگ کے لیے عازم ہے یہ تیرے رسولؐ کی اولاد میں سے ہے اور تمام لوگوں میں حُسن و جمال کے لحاظ سے سب سے

---

(1) الکافی، ج۵،ص ۵۳، ان افضل الموت القتل والذی نفس بیدہ لالف ضربۃ السیف اھون علی من میتہ علی الفراش، "سب سے افضل ترین موت اللہ کی راہ میں قتل ہونا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تلوار کی ہزار ضربات مجھ پر پڑیں تو یہ میرے لیے بستر کی موت سے مرنے کے لیے آسان ہے"۔ اس طرح نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۹ میں ہے: ان اکرم الموت القتل والذی نفس ابن ابی طالب بیدہ لالف ضربۃ بالسیف اھون علی من میتہ علی الفراش فی غیر طاعۃ اللہ۔ اس طرح یہ جملہ تہذیب میں بھی موجود ہے۔ ج۶،ص ۱۲۳، امالی شیخ طوسی، ص ۱۶۱، الجمل شیخ مفید، ص ۳۵۸، الفضائل شاذان، ص ۸۶، کشف الغمہ، ج۱،ص ۲۶۰، روضۃ الواعظین، ج۲،ص ۳۶۳

زیادہ تیرے رسولؐ کے مشابہ ہے"۔ جس وقت شہزادہ علی اکبرؑ میدانِ کارزار میں اُترے تو آپؑ نے یہ رجز پڑھا ؎

اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ　　نَحْنُ وَبَیْتِ اللهِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ

اَطْعَنُکُمْ بِالرُّمْحِ حَتّٰی یَنْثَنِیْ　　اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ اَحْمِیْ عَنْ اَبِیْ

"طعن" باب نصر ینصر اور منع یمنع سے آتا ہے۔ اس کا معنٰی ہے: "نیزہ سے مارنا"۔ "ینثنی" فعلِ مضارع باب انفعال ہے۔ "ثنی ثنی" جس کا معنٰی ہے نیزے کے منہ کا ٹیڑھا ہونا یا ٹوٹ جانا۔

پس حاصلِ معنٰی یہ ہے: "میں امام حسین علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ مجھے اللہ کی قسم! اور اس کے گھر کی قسم کہ میں ہی ان تمام لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں۔ میں تم پر نیزہ سے حملہ آور ہوں گا اور اس وقت تک اپنا نیزہ تمھیں مارتا رہوں گا جب تک نیزے کا منہ ٹوٹ نہ جائے۔ پھر میں تمھیں تلوار کے ساتھ قتل کروں گا اور اپنے بابا کا دفاع کروں گا اور ان کے قدموں میں شہادت کی سعادت حاصل کروں گا"۔

پس آپؑ نے دشمن کے دس آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر آپؑ اپنے والد بزرگوار کے حضور واپس تشریف لائے اور ان کی بارگاہ میں عرض کیا:

بابا جان! اس وقت سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ اس عطش اور جگرسوزی کی آپؑ کے حضور شکایت کرتا ہوں۔ یہ سن کر سید الشہداءؑ نے اپنے شہزادے سے فرمایا: "اے فرزند گرامی! اس پیاس کو برداشت کیجیے، صبر سے کام لیجیے کیونکہ آپؑ بہت جلد اپنے جدِ بزرگوار کے ہاتھوں آبِ بہشت سے سیراب ہونے والے ہیں، جس کے بعد آپؑ ہرگز پیاسے نہیں رہیں گے"۔

پس یہ شہزادہ دوبارہ تشنہ لب میدانِ کارزار کی طرف بڑھا اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور دشمن کے چالیس آدمیوں کو جہنم پہنچایا۔

سَلَامُ اللهِ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبَائِهِ الطَّاهِرِیْنَ

شہزادہ قاسمؑ کی شہادت

شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے فرزند شہزادہ قاسمؑ میدانِ جنگ میں اُترے تو اُنھوں نے رجز خوانی کی ۔

لَا تَجْزَعِیْ نَفْسِیْ فَکُلٌّ فَانٍ　　اَلْیَوْمَ تَلْقَیْنَ ذُرَی الْجِنَانِ

"ذُری" جو "ذروہ" کی جمع ہے، اس کا معنیٰ ہے ہر چیز کا بلند حصہ اس لیے کہا جاتا ہے۔ ذروۃ الجبل، "پہاڑ کی چوٹی"۔

"جنان" بروزن "کتاب" جنت کی جمع ہے۔ ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جو کھجور اور دوسرے درختوں سے پُر ہو۔ جس میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں۔

اشعار کا حاصل معنیٰ یہ ہے: "شہزادے نے اپنے آپ کو خطاب کیا اور اپنے نفس کو تسکین وتسلی دی اور اُسے دشمن کے خلاف جہاد پر اُبھارا اور اُسے شہادت کی طرف راغب کیا"۔

آپؑ نے فرمایا: "اے نفس! موت سے خوف زدہ مت ہو۔ ہر نفس نے موت کے گھاٹ اُترنا ہے اور اُس نے نابود ہونا ہے۔ آج تجھے مبارک ہو کہ جلد تمھیں بہشت کے عالی درجات حاصل ہونے والے ہیں"۔ پس شہزادے نے اپنی جنگ کا آغاز کیا اور دشمن کے تین آدمیوں کو جہنم پہنچایا لیکن جب ہر طرف سے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے حملہ ہوا تو آپؑ گھوڑے کی زین سے زمین پر آئے اور ان کی پاک و پاکیزہ روح جنت کی طرف پرواز کر گئی۔

فرزندِ رسولؐ کی میدانِ کربلا میں تنہائی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا میں دائیں دیکھا اور پھر بائیں دیکھا۔ جب آپؑ کو اپنے اصحاب اور اہلِ بیتؑ میں سے کوئی مرد نظر نہ آیا تو آپؑ نے اپنا مبارک سر آسمان کی طرف بلند کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو اس شریر گروہ کو دیکھ رہا ہے جو دریائے فرات اور میرے درمیان حائل ہو چکا ہے۔

ابھی آپؑ کی گفتگو جاری تھی کہ فوج اشقیاء کی طرف سے آپؑ پر تیروں کی بارش

برسنے لگی۔ کچھ تیر آپؑ کے حلقوم اور گلے مبارک میں پیوست ہوگئے تو آپؑ اپنے گھوڑے کی زین سے زمین کی طرف آئے اور اپنے گلے سے تیر کو کھینچا تو آپؑ کے مبارک ہاتھ خون سے تر ہوگئے تو آپؑ نے وہی ہاتھ اپنے سر مبارک اور ریش مبارک پر پھیرا اور آپؑ نے اسی حالت میں فرمایا: ''میں اسی حالت میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں گا کہ میرا بدن خون میں غلطاں ہوگا''۔

جب امام ابرار کے جسم مقدس سے کثرت کے ساتھ خون نکل گیا تو آپؑ نے اپنے جسم میں کمزوری محسوس کی تو آپؑ نے دائیں رخسارے کو کربلا کی گرم زمین پر رکھا تو اس وقت دشمنانِ خدا (سنان ایادی اور شمر ملعون) اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ امامؑ کے پاس آئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: اب کس چیز کا انتظار ہے، یہ زخمی ہوچکے ہیں ان کا کام تمام کیجیے۔

فرزندِ رسولؐ کی شہادت

سنان بن انس ایادی اپنے گھوڑے سے اُترا اور امامؑ کے قریب آیا اور اس نے آپؑ کی ریش مبارک کو اپنے نجس ہاتھ سے پکڑا اور اپنی تلوار سے سید الشہداؑ کے سر مبارک کو کاٹنے لگا اور کہنے لگا: بخدا میں تمھارے سر کو تمھارے جسم سے جدا کروں گا حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ تو رسولؐ اللہ کا فرزند ہے اور اپنے والدین کے اعتبار سے تمام جہان سے بہتر و برتر ہے۔ آخرکار آپؑ کو شہید کردیا گیا۔

ذوالجناح خیامِ حرم میں

جس وقت سید الشہداؑ کے گھوڑے نے امامؑ کو دیکھا کہ وہ شہید کردیے گئے ہیں تو اس نے اپنی پیشانی کو سید الشہداؑ کے خون سے رنگین کیا اور خیام کی طرف چلا آیا۔ جس وقت پیغمبر گرامیؐ کی بیٹیوں نے گھوڑے کی آواز سنی تو خیام سے باہر دوڑ کر نکلیں۔ جب وہ خیام سے باہر آئیں تو سید الشہداؑ کے مرکب کو بے سوار پایا تو اُنھیں معلوم ہوگیا کہ سید الشہداؑ کو شہید کردیا گیا ہے تو حضرت اُم کلثومؑ دختر حضرت امام حُسینؑ خیمے سے باہر آئیں اور اپنے ہاتھوں کو اپنے سر پر مارنا شروع کیا اور نوحہ و شیون کی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے فرمایا:

"وامحمدا! اے نانا بزرگوار! اِدھر دیکھیے تیرا حسینؑ مارا گیا اور صحرائے
کربلا میں گرم زمین پر پڑا ہوا ہے جس کے لاشے کو لُوٹ لیا گیا ہے،
ان کا عمامہ ان کی ردا لُوٹی جا چکی ہے"۔

سید الشہداؑ کا سرِ مبارک کوفہ میں

ان ستم کاروں کے ستم کار گروہ نے سید الشہداؑ کے سرِ مبارک کو کوفہ میں عبیداللہ ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا تو جس ظالم نے سید الشہداؑ کے سر کو پیش کیا تو اُس نے کہا۔

اَمْلَاءْ رِكَابِي فِضَّةً وَذَهَبًا   اَنَا قَتَلْتُ الْمَلِكَ الْمُحَجَّبَا
قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ اُمًّا وَاَبًا   وَخَيْرَهُمْ اِذْ يُنْسَبُوْنَ نَسَبًا

"محجب" اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، یعنی حجاب والا۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کوئی عام انسان نہ تھے بلکہ سید و سردار اور بادشاہ تھے۔ ان کے دروازے پر حاجبوں کا پہرہ تھا۔ وہ کوئی معمولی شخصیت نہ تھے، اُنھیں زمانہ جانتا تھا۔ جلالت و بزرگواری میں ان کی زمانے میں نظیر نہ تھی۔

ان اشعار کا معنٰی یہ ہے: "سونے اور چاندی سے میری رکاب کو پُر کر دے، کیونکہ میں نے ایک بہت بڑے سردار کو قتل کیا ہے جو اپنے والدین کے اعتبار سے کائنات سے بہتر و برتر تھا۔ جب ازراہِ فخر لوگ اپنا نسب بیان کرتے ہیں تو "نسب" کے لحاظ سے وہ تمام کائنات سے ارفع و اعلٰی ہیں"۔

جس وقت ابن زیاد نے اُس ظالم کی یہ گفتگو سنی تو غضب ناک ہو گیا اور اس کے اندر آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور چیخ کر کہا: "اگر تو جانتا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے لحاظ سے اشرف و افضل تھا تو تُو نے اُسے قتل کیوں کیا؟ اُس وقت اُس نے حکم دیا کہ اس کی گردن اُس کے جسم سے اُتار دی جائے۔ اُسی وقت اس ملعون کو جہنم پہنچا دیا گیا۔

(مترجم: ظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار سنان بن انس نے پڑھے تھے۔ اللہ تعالٰی نے اس ظالم کو جلد اس کے فعلِ قبیح کی وجہ سے جہنم کی طرف اُٹھا لیا)۔

اہل بیت رسولؐ اللہ ابن زیاد کے دربار میں

جب اسیرانِ اہلِ بیتؑ کو دربار ابن زیاد میں پیش کیا گیا۔ روایت کے مطابق ابن زیاد نے سیدالشہداؑ کی خواہر (جنابِ اُم کلثومؑ) یا آپؑ کی دختر (اُم کلثومؑ) کی طرف منہ کیا اور کہا: خداوند تعالیٰ کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے کہ جس نے تمھارے مردوں کو قتل کیا۔ جو کچھ خدا نے تمھارے ساتھ کیا ہے تم نے اُسے کیسے پایا اور تم اللہ کی تقدیر کو اپنے معاملے میں کس طرح دیکھتے ہو؟

جب جنابِ اُم کلثومؑ نے ابن زیاد کی گستاخانہ گفتگو سنی تو ابن زیاد سے فرمایا:

اے ابن زیاد! اگر قتلِ حسینؑ سے تیری آنکھیں ٹھنڈی اور روشن ہوئی ہیں تو تُو ہمارے نانا بزرگوار کی اتباع کے دائرے سے خارج ہو گیا ہے اور تُو نے ہمارے جدامجد کی مخالفت کی ہے کیونکہ ہمارے نانا بزرگوار جب اپنے اس شہزادے حسینؑ کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں اور ان کا چہرۂ مبارک روشن ہو جاتا تھا اور آپؐ اپنے حسینؑ کو مسلسل چومتے رہتے تھے اور آنحضرتؐ اپنے اس شہزادے کے لب ہائے مبارک کو چوستے تھے اور اُنھیں اپنے مبارک کندھوں پر سوار کرتے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابن زیاد! تو نے رسولؐ اللہ کے فرزند کو قتل کیا ہے، کل قیامت کے دن ان کے دربار میں تیری پیشی ہوگی۔ یہ بتا تو کل کیا جواب دے گا؟

(مترجم: یہ مکمل حدیث جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس میں آپؑ نے واقعۂ کربلا کو اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ آپؑ نے صرف اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپؑ نے اس حدیث شریف میں اس مصیبت دل سوز و گریہ خیز اور اس جان گداز واقعہ کی تفصیلات پیش نہیں کیں۔ آپؑ نے اختصار سے کام لیا ہے۔ اکثر احوال بیان نہیں کیے، جس طرح امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے فرزندوں کی شہادتیں وغیرہ۔

***

فصلِ دوم

حضرت امام حُسین علیہ السّلام
کی مدینہ سے مکہ کی طرف روانگی

حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت

مصنف نے اس فصل میں تمام تفصیلات پیش کی ہیں اور انھوں نے یہ تمام روایات معتبر کتب سے حاصل کی ہیں۔ مصنف فرماتے ہیں: شیخ بزرگوار شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد میں کلبی اور مدائنی اور اس طرح دوسرے ارباب سیر وتواریخ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے زہر جفا سے اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی تو اس وقت اہلِ عراق نے معاویہ کے خلاف خروج کیا اور انھوں نے اپنے خطوط کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے احوال سے مطلع کیا۔ ان کے خطوط کا مضمون یہ تھا کہ ہم معاویہ کی بیعت توڑ کر آپؑ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

جب یہ خطوط حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہِ امامت میں پہنچے تو آپؑ نے ان کی اس خواہش کو رد کیا اور ان کی طرف لکھا کہ وہ ایسا اقدام کرنے پر تیار نہیں ہیں کیونکہ میرے اور معاویہ کے درمیان کچھ معاہدے ہیں، جن کا توڑنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں جب ان معاہدوں کی مدت ختم ہوگئی تو پھر دیکھا جائے گا یا معاویہ کی موت واقع ہو تو پھر اس کے بارے میں غور کیا جائے گا۔

(مترجم: گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاویہ نے اپنی موت کے وقت یزید کو نصیحت کی تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خیال رکھنا، کیونکہ وہ رسول اللہؐ سے قرابت رکھتے ہیں تو اس قربت کی رعایت کرنا اور ان کے حق میں کوئی زیادتی نہ کرنا ایسی باتیں امیر شام سے بعید تھیں کہ وہ اپنے بیٹے کو اس قسم کی وصیت کرے کیونکہ خاندانِ رسالتؐ کے بارے میں اس نے جو جو اقدام کیے تھے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔

ایک فارسی مصنف نے اپنی کتاب میں اس وصیت نامہ کی توجیہ کی ہے۔ اس نے لکھا کہ معاویہ یہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا ایک لمبی مدت تک حکومت کرے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر یزید نے حضرت امام حُسینؑ کو شہید کرادیا تو اس کی حکومت مستحکم نہ رہے گی اور لوگ اس کے مخالف ہوجائیں گے۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہے کہ اُس نے حضرت امام علیؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اُسے یہ کہاں سے معلوم تھا کہ شہادت امام حُسینؑ کے بعد اس کے بیٹے یزید کی حکومت نہیں رہے گی کیونکہ وہ علمِ غیب تو جانتا نہیں تھا لیکن اس حقیر کی نظروں سے یہ بات گزری ہے کہ اس نے یہ باتیں صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کی تھیں، ورنہ وہ کچھ اور چاہتا تھا۔

ابومخنف نے کلبی سے روایت کی ہے: جب معاویہ مریض ہوا تو اس وقت یزید اس کے پاس موجود نہ تھا۔ وہ اس وقت حمص کا والی تھا۔ معاویہ نے کاغذ و دوات طلب کیا اور بنام یزید ایک طولانی وصیت لکھی۔ اس وصیت نامہ کے بعض کلمات یہ ہیں:

> اے میرے بیٹے! اہلِ شام کو مَیں نے تیرے حوالے کیا ہے۔ کیونکہ وہ تجھ سے ہیں اور تو انھی سے ہے پس جو آدمی تیرے پاس آئے تو اس کی عزت کر اور اُس سے مہربانی سے پیش آ۔ ان میں سے اگر کوئی غائب ہوجائے تو اس سے باخبر ہونے کی کوشش کر اور اُسے فراموش نہ کر۔
>
> اہلِ عراق پر نگاہ رکھنا، ان کے معاملے میں ہوشیار رہنا۔ اگر وہ روزانہ تجھ سے حاکم کی تبدیلی کی بات کریں تو اُن کا حاکم تبدیل کرتے رہنا۔ ان کی ہر بات کو قبول کرنا اور حاکم کو معزول کرتے رہنا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگ پراگندہ ہوجائیں اور حاکم پر چڑھ دوڑیں۔
>
> اے میرے بیٹے! میں نے تمام شہروں کو تیرے تصرف میں دے دیا ہے اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنوں کو تیرے سامنے جھکا دیا ہے۔ صرف تیری حکومت کے معاملے میں مجھے چار آدمیوں کا خوف ہے۔

ایک عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہے۔ اُسے دنیا سے بڑی محبت ہے۔ پس اسے دولت دے کر اپنا دوست بنا لینا۔ دوسرے عبداللہ بن عمر اور تیسرے عبداللہ بن زبیر ہیں۔ (ان کے بارے میں اس نے کچھ سفارشات کی تھیں جو گزشتہ صفحات میں موجود ہیں)۔

اس نے کہا: چوتھے حسینؑ بن علیؑ ہیں البتہ اہلِ عراق اُنھیں اپنے ہاں دعوت دیں گے۔ پس اگر تو ان پر غالب آجائے تو رسولؐ اللہ کے حقوق کی وجہ سے ان سے رعایت کرنا۔ یہ جان لے کہ اس کا باپ تیرے باپ سے بہتر، اس کی ماں تیری ماں سے بہتر، اس کا جد تیرے جد سے بہتر ہے۔ اس نے آخر میں لکھا: وَلِلمرءِ مَابِقَلبِہٖ، مرد کے لیے وہ ہے جو اس کے دل میں ہے۔ تو آخری یہ کلمہ غور کے قابل ہے"۔

امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ

شیخ بزرگوار جناب مفید نے نقل کیا ہے کہ جب معاویہ کا انتقال ہوا، یہ ۱۵رجب ساٹھ ہجری کا واقعہ ہے۔ یزید والی سلطنت بنا تو اس نے مدینہ کے گورنر ولید کو خط لکھا کہ وہ حسینؑ بن علیؑ سے اس کے لیے بیعت لے اور فوراً بیعت لے۔ اُسے کسی قسم کی قطعاً مہلت نہ دے، تاخیرِ بیعت کو قبول نہ کر۔

فرزندِ رسولؐ دربارِ ولید میں

جس وقت یزید کا خط ولید کے پاس پہنچا تو اُس نے نصف شب کسی کو حضرت امام حسینؑ کی طرف بھیجا کہ ولید اُنھیں اپنے ہاں بلا رہا ہے۔ جب ولید کا فرستادہ حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا اور ولید کا پیغام پہنچایا تو آپؑ نے معلوم کرلیا کہ اُنھیں اس وقت دربار میں کیوں بلایا جا رہا ہے۔ آپؑ نے اپنے نوجوانوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مسلح ہو کر ان کے ساتھ چلیں۔

آپؑ نے ان سے فرمایا: ولید نے مجھے اس وقت بلایا ہے۔ میں اس کی طرف سے

محفوظ نہیں ہوں۔ کسی اہم معاملے کے لیے اُس نے مجھے بلایا ہے۔ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مجھے کوئی ضرر پہنچائے گا۔ آپؑ نے ان سے فرمایا: جب میں مجلس ولید میں داخل ہوں تو تم اس کے دروازے پر ٹھہر جانا۔ جب تم میری یا ولید کی بلند آواز سننا تو ولید کی مجلس میں داخل ہو جانا تاکہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

امام حسینؑ اور ولید کی گفتگو

پس حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلِ بیتؑ کے نوجوانوں اور اپنے غلاموں کے ساتھ دربارِ ولید میں تشریف لائے اور آپؑ اس کے برابر بیٹھے تو ولید نے کہا: معاویہ اس دنیا سے انتقال کر گیا ہے۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

پس ولید نے یزید کا خط نکالا اور اُسے امامؑ کے لیے پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر اُس نے امامؑ کو اپنی ذمہ داری سے آگاہ کیا کہ اس کی ذمہ داری ہے کہ آپؑ سے بیعت لے۔

جس وقت حضرت امام حسینؑ نے ولید کی یہ باتیں سنیں تو آپؑ نے فرمایا: تو خلوت میں اور اس پوشیدہ صورت میں میری بیعت پر راضی نہ ہوگا۔ کل دن کو ظاہر باہر لوگوں میں مجھ سے بیعت طلب کرنا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

ولید نے کہا: ہاں! میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ کل لوگوں میں آپؑ یزید کی بیعت کریں۔

آپؑ نے فرمایا: کل دن کو تم میری رائے کو دیکھ لو گے۔

ولید نے آپؑ سے کہا: ٹھیک ہے آپؑ اب واپس تشریف لے جائیں۔ کل پھر جب لوگ میرے پاس ہوں گے، واپس تشریف لانا۔ (ارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۲، اعلام الوریٰ، ص ۲۲۲، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۱)

مروان کی جسارت

اس وقت مروان نے ولید سے کہا: بخدا! اگر حسینؑ اس رات میں تم سے نکل گئے اور اُس نے یزید کے لیے بیعت نہ کی تو پھر تو اُنھیں اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا۔ پھر طرفین

بہت سے لوگ قتل ہوں گے۔

اے ولید! انھیں اِسی وقت اپنے پاس رکھیے اور باہر نہ جانے دیجیے۔ جب تک وہ یزید کی بیعت نہ کریں۔

جس وقت حضرت امام حُسین علیہ السلام نے مروان کی کفر آمیز بات سنی تو فرمایا: اے فرزند کبود چشم! تو مجھے قتل کرے گا یا ولید؟ بخدا! تو نے جھوٹ کہا ہے اور گناہ گار ہوا ہے۔ تم میں سے کوئی بھی قتل نہیں کرسکتا۔ پس آپؑ یہ کہتے ہوئے اپنے نوجوانوں کے ساتھ واپس گھر تشریف لے آئے۔ (ارشاد، ج ۲، ص ۳۲، اعلام الوریٰ، ص ۲۲۲، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۱)

ولید اور مروان

سید ابن طاؤوس سے مروی ہے: جب معاویہ نے انتقال کیا تو یزید نے ولید کی طرف خط لکھا کہ مدینہ میں اور اس کے تمام علاقوں کے لوگوں سے بیعت لو۔ اس نے لکھا کہ امام حُسینؑ سے بیعت لو۔ اگر وہ میری بیعت نہ کرے تو اُنھیں قتل کردو اور اس کا سر میری طرف بھیج دو۔ جس وقت ولید کے پاس یزید کا یہ خط پہنچا تو اُس نے مروان کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے مشورہ لیا۔ مروان نے ولید سے کہا: امام حُسینؑ ہرگز یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

اے ولید! اگر میں تیری جگہ ہوتا اور حکومت میرے پاس ہوتی تو ہر صورت میں انھیں قتل کر دیتا۔ ولید نے کہا: کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا کہ میں اب جن حالات سے دوچار ہوں یعنی میں امام حُسینؑ کے قتل میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

اُس نے اپنا آدمی امام حُسین علیہ السلام کی طرف بھیجا۔ جب آنحضرت تک ولید کا پیغام پہنچا تو آپؑ نے بنو ہاشم اور اہلِ بیتؑ کے تیس جوانوں کو اپنے ساتھ لیا ان کے علاوہ اپنے غلاموں کو بھی ساتھ لیا۔ آپؑ نے ان سب کو مسلح کیا اور اسی صورت میں ولید کے پاس پہنچے۔ جس وقت آپؑ ولید کے پاس پہنچے تو اُس نے آپؑ کو معاویہ کی موت کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کی دعوت دی۔

آپؑ نے یہ سن کر فرمایا: اے امیر! یہ کام خلوت کا نہیں ہے کل جب تو دوسرے لوگوں کو بیعت کے لیے بلاتا تو مجھے بھی بلا لینا۔

مروان نے کہا: اے امیر! حسینؑ کا یہ عذر ہرگز قبول نہ کر، انھیں یزید کی بیعت پر مجبور کر، اِسی وقت ان سے بیعت لو۔ اگر وہ بیعت نہیں کرتے تو ان کی گردن اُڑا دو۔

جس وقت فرزندِ رسولؐ نے مروان کی کفر آمیز بات سنی تو آپؑ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا:

وَيۡلِي عَلَيۡكَ يَا ابنَ الزَّرۡقَاءِ تَأۡمُرُ بِضَرۡبِ عُنُقِي كَذَبۡتَ وَاللهِ وَلَؤُمۡتَ

"ویل" کبھی ہلاکت کے معنٰی میں آتا ہے، کبھی مقامِ مصیبت میں بولا جاتا ہے۔
ت کی اس سے مراد یہ تھی کہ "تو ہلاک ہوا اور میں تیرے لیے وائے ہوں"۔ آپؑ
آنحضر . تا کے ساتھ اس پر نفرین کی تھی۔
نے اس لفظ ۲" ازرق کی مؤنث ہے۔ اس کا معنٰی ہے "کبود چشم"۔ عربوں میں اِسے بہت
"زرق
لیئم دنی کمینہ آدمی۔
ہو۔ اے فرزندانِ
تو جھوٹا ہے اور ایک

ں کہ جن کے گھر میں
ں حاضر ہوتے ہیں۔
ں کا خاتمہ بھی ہم پر
۔ وہ بے گناہ لوگوں کا
۔ بیعت نہیں کرے گا۔
بیعت کے لائق کون

(مترجم: بعض کتب مقاتل میں منقول ہے: جب حضرت امام حسینؑ کی آواز ولید کے دربار میں بلند ہوئی تو نوجوانانِ بنوہاشم ننگی تلواریں لے کر دربارِ ولید میں داخل ہو گئے۔ جب ولید نے یہ دیکھا تو خوف زدہ ہوگیا)۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۸۷)

صاحبِ مناقب کی روایت

ابن شہرآشوب نے روایت کی ہے کہ جب معاویہ نے اس دنیا سے کوچ کیا تو یزید نے ولید کی طرف خط لکھا کہ وہ لوگوں سے بیعت لے۔ بالخصوص امام حسینؑ سے۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے بیعت لے۔ بیعت کا معاملہ ان پر تنگ کر دے اور انھیں ہرگز مہلت نہ دے اور ان کا کوئی عذر قبول نہ کرے۔ ان میں سے اگر کوئی بیعت سے انکار کرے تو اُسے قتل کر کے اس کا سر میری طرف بھیج دے۔

جس وقت یہ خط ولید کو ملا تو اُس نے مروان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: ان سب کو اسی وقت بلا اور ان سے بیعت لے لے۔ اس سے پہلے کہ معاویہ کی موت کی خبر عام ہو اور انھیں یزید کی بیعت کرانے کا علم ہو۔

ولید نے ان چاروں شخصیات کو اپنے ہاں بلایا۔ یہ سب اس وقت روضۂ رسولؐ پر عبادت میں مصروف تھے۔ جب ان کے پاس ولید کا آدمی آیا تو عبدالرحمٰن اور عبداللہ نے کہا: ہم تو گھر جاتے ہیں اور وہیں بند ہو کر رہیں گے۔ اپنے گھر سے باہر نہیں آئیں گے۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا: میں تو ہر صورت میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں ولید کے پاس جاؤں گا۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۸۷)

ولید کا مروان کو جواب

شیخ مفید سے مروی ہے: جب حضرت امام حسینؑ اور مروان کے درمیان یہ باتیں ہوئیں تو حضرت امام حسینؑ مجلس ولید سے باہر آئے تو مروان نے ولید سے کہا: تو نے میری بات پر کان نہیں دھرے اور میری مخالفت کی ہے۔ بخدا! اب تم حسینؑ پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے جس طرح آج شب وہ ہماری گرفت میں تھے۔ اس طرح پھر کبھی ہاتھ نہیں آئیں گے۔

ولید نے مروان سے کہا: وَیحَ غَیرِکَ یَامَروَانُ اِنَّکَ اخترتَ لِیَ الَّتِی فِیھَا ھَلَاکُ دِینِی وَدُنیَایَ۔

وَیحَ کبھی مقامِ شفقت و مہربانی کے لیے بولا جاتا ہے، کبھی مقامِ تعجب میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی دعا کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی نفرین کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

حاصلِ معنٰی یہ ہے: ”اے مروان! تیرے غیر کے لیے ہلاکت و بربادی ہو، تو نے میرے لیے وہ چیز تجویز کی ہے جس میں میری دنیا اور آخرت کی بربادی ہے۔ اگر میں امام حُسینؑ کو قتل کروں تو اس سے نہ میری دنیا بچتی ہے اور نہ میری آخرت۔ مجھے یہ ہرگز عزیز نہیں کہ دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ سب مجھے دے دیا جائے اور اس کے عوض امام حُسینؑ کو قتل کردیں۔ میں حسینؑ کو صرف اس لیے قتل کروں گا کہ اس نے کہا ہے کہ وہ بیعت نہیں کرتا اور میں اُنھیں قتل کردوں؟

اے مروان! بخدا میرا یقین ہے کہ جس کسی کے نامۂ اعمال میں خونِ حسینؑ ہوا تو وہ ازروئے عمل خالی ہوگا۔ اس کے نامۂ اعمال میں ایک بہت بڑا جرم ہوگا“۔

جب مروان نے ولید کی یہ باتیں سنیں تو اُس نے ظاہراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہا: جس طرح تیری رائے ہے اُسی طرح میری رائے ہے۔ اگر تو حسینؑ کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر تو نے ایک اچھا کام کیا ہے لیکن اس کے دل میں دوسری بات تھی کہ حسینؑ کو یہیں قتل کردیا جائے۔ اُسے ولید کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ (ارشاد، ج ۲، ص ۳۳، اعلام الوریٰ، ص ۲۲۲)

فرزندِ رسولؐ اور مروان

جناب سید ابن طاؤس سے مروی ہے: حضرت امام حُسین علیہ السلام ولید کی مجلس سے رات کو باہر چلے آئے تھے اور جب دن ہوا تو آنحضرتؑ اپنے خانۂ اقدس سے باہر آئے تاکہ

حالات سے مطلع ہوں۔ اب لوگوں کا کیا تبصرہ ہے۔ آپؑ چلے جا رہے تھے کہ مدینہ کے کسی کوچہ میں مروان سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس وقت مروان نے آپؑ سے کہا: اے اباعبداللہ! مجھے آپؑ پر رحم آتا ہے، میں آپؑ کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں، اگر آپؑ نے میرے نصائح پر عمل کیا تو آپؑ کو ایک بڑی مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

آپؑ نے فرمایا: تو کیا کہنا چاہتا ہے؟

مروان نے کہا: میں تمھیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یزید کی بیعت کرلو کیونکہ یہ کام آپؑ کی دنیا اور دین کے لیے بہتر ہے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مروان کی یہ بات سنی تو فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس اب اسلام اور مسلمانوں کا خدا حافظ کہ اب یہ اُمت یزید جیسے حکمران کے ہاتھوں آزمائش سے دوچار کردی گئی ہے حالانکہ میں نے اپنے نانا بزرگوار سے سنا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''آل ابی سفیان پر خلافت حرام ہے''۔ اس طرح کافی دیر تک امامؑ اور مروان کے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ مروان نے اپنے خبث باطنی کی بنا پر گستاخیوں کی حد کردی۔ امامؑ نے اُس سے رُخِ انور پھیرا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ (للھوف، ص ۲۳)

عبداللہ بن زبیر کا مدینہ سے فرار

شیخ بزرگوار شیخ مفید سے مروی ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے وہ رات اپنے گھر پر گزاری۔ ۶۰ ہجری سوموار کی رات ۲۸ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ گورنر مدینہ (ولید) اس وقت عبداللہ بن زبیر کے معاملے میں مصروف تھا کہ اُس سے بیعت لے۔ اُس نے ابن زبیر کی طرف اپنا آدمی بھیجا کہ وہ آئے اور بیعت کرے لیکن اُس نے انکار کردیا تھا۔

جونہی رات ہوئی ابن زبیر نے مدینہ چھوڑا اور مکہ کی طرف چل پڑا۔ جب دن ہوا تو ولید نے دوبارہ ابن زبیر کی طرف آدمی بھیجا تو اُسے معلوم ہوا کہ ابن زبیر مدینہ سے نکل گیا ہے۔ اس نے اپنے اسی آدمیوں کو ابن زبیر کی تلاش میں روانہ کیا کہ اُسے پکڑ کر ولید کے پاس لے آئیں لیکن اُنھوں نے اُسے ہر طرف تلاش کیا لیکن اُنھیں ابن زبیر نہ ملا کیونکہ اُس

نے غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا۔ آخر وہ ناکام مدینہ واپس آ گئے۔

ولید نے اپنے کچھ آدمی حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف بھیجے تا کہ وہ امام حسینؑ کو اس کے پاس حاضر کریں اور وہ یزید کی بیعت لے۔ جب ولید کا پیغام آپؑ کو ملا تو آپؑ نے فرمایا: تم واپس چلے جاؤ۔ جب کل دن ہوگا تو ہم اور تم سوچیں گے اور دیکھیں گے کہ ہماری رائے کیا ہے اور تمھاری رائے کیا ہے؟

جب ان لوگوں نے آپؑ کا جواب سنا تو واپس چلے گئے۔ آپؑ نے اسی شب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا عزم کیا۔ اس وقت آپؑ کے تمام اہلِ بیتؑ آپؑ کے پاس حاضر تھے۔ وہ بھی آپؑ کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑے۔ صرف محمد بن حنفیہ وہیں مدینہ میں رہ گئے۔

امام حسینؑ اور محمد حنفیہ کی باہمی گفتگو

جب حضرت محمد حنفیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلِ بیتؑ کے ساتھ عازمِ سفر ہیں۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپؑ کدھر جانا چاہتے ہیں تو وہ آپؑ کے حضور حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے برادر بزرگوار! آپؑ میری محبتوں کا مرکز ہیں۔ آپؑ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپؑ کے حضور حاضر ہوں کہ جو میری رائے ہے وہ پیش کروں اور آپؑ کو نصیحت کروں۔ میری خیر خواہی کا مرکز آپؑ ہیں۔

اے برادرِ من! میرا مشورہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت نہ کریں، آپؑ شہروں سے دُور رہیں۔ دیہاتوں اور بیابانوں کو اختیار کریں، عوام تک اپنے آدمی بھیجیں اور انھیں اپنی بیعت کی دعوت دیں۔ اگر لوگ آپؑ کی بیعت کر لیں اور آپؑ کے تابع فرمان ہو جائیں تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں۔ اگر لوگ آپؑ کی بیعت نہ کریں کسی اور پر جمع ہو جائیں تو اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ آپؑ دین اور عقل کے اعتبار سے کامل و اکمل ہیں۔

اے برادرِ من! مجھے اس بات کا خوف ہے آپؑ جس شہر میں جائیں گے تو اس شہر کے کچھ لوگ آپؑ کا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ آپؑ کے مخالف ہوں گے اور آپؑ کو نقصان پہنچائیں گے۔ انجامِ کار قتل و خون پر ہوگا۔ آپؑ جیسا قیمتی انسان اور سرمایۂ اُمت ہمارے

ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔

جب فرزندِ رسولؐ نے جناب محمد بن حنفیہ کی باتیں سنیں تو فرمایا: تم بتاؤ میں کدھر جاؤں، کس سرزمین کو اپنا مسکن بناؤں؟

جناب محمد بن حنفیہ نے عرض کیا: اے برادر بزرگوار! آپؑ مکہ معظمہ کی طرف چلے جائیں اگر وہ جگہ مناسب احوال ہو تو اسی کو اپنا مسکن بنالیں۔ اگر اس دیار والے موافقت نہ کریں تو پھر آپؑ ریگستانوں، بیابانوں کی طرف چلے جائیے۔ اس طرح ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کوچ کرتے رہیں، آخر یہ دیکھتے رہو کہ لوگوں کا معاملہ کہاں جا پہنچتا ہے؟

اے برادر بزرگوار! جو کچھ میرے ذہن میں آتا ہے، وہ میں نے عرض کردیا ہے۔ آپؑ بھی غور وفکر کریں اور انجامِ کار پر نگاہیں رکھیں۔ آپؑ کی تدبیر میری تدبیر سے بہتر ہوگی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے برادر عزیز! آپؑ نے خیر خواہی کا مظاہرہ کیا ہے اور آپ نے مہربانی کا سلوک کیا ہے، میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کی رائے پر عمل کروں اور خدا سے دعا ہے آپ کی رائے کے مطابق اسباب بھی میسر آجائیں۔

قتلِ فرزندِ رسولؐ سے ولید کا انکار

محمد بن ابی طالب موسوی نے اپنے مقتل میں نقل کیا ہے: جب یزید کا خط مدینہ طیبہ میں ولید کے پاس پہنچا۔ جب اُس نے خط پڑھا تو وہ حیران رہ گیا کہ اگر امام حسینؑ بیعت سے انکار کریں تو انھیں قتل کردو۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: بخدا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ فرزندِ رسولؐ کا قتل کرے اور ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرے۔ اگر یزید دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ میرے حوالے کردے مجھے یہ قطعاً منظور نہیں ہے کہ میں فرزندِ رسولؐ کو قتل کروں۔

فرزندِ رسولؐ روضۂ رسولؐ پر

محمد بن ابی طالب موسوی نے اپنی کتاب میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت امام

حسینؑ ایک رات اپنے خانۂ ملائک پاسبان سے باہر آئے کہ اپنے نانا بزرگوار کے روضہ کی زیارت کریں۔ جب آپؑ قبر شریف کے قریب آئے تو مغموم دل کے ساتھ فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله، میں حسینؑ آپؐ کا بیٹا ہوں، آپؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور میں آپؐ کا سبطِ عزیز ہوں۔ آپؐ نے مجھے اپنی اُمت میں یادگار کے طور پر چھوڑا ہے اور آپؐ نے مجھے ان کے درمیان بطور امانت چھوڑا ہے۔ پس آپؐ ان پر گواہ رہنا۔

اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ کی اُمت نے مجھے ذلیل و خوار کردیا ہے اور اُنھوں نے مجھ سے اعراض کرلیا ہے۔ اُنھوں نے مجھے دشمنوں میں تنہا چھوڑ دیا ہے۔ میری حفاظت ترک کردی ہے۔ نانا جانؐ! آپ کی اُمت کی شکایت تیرے حضور کر رہا ہوں تاکہ آپ سے ملاقات کروں"۔

جب آنحضرتؑ نے اپنے جد بزرگوار کے حضور یہ جان سوز باتیں کیں اور ظالم اُمت کی ان کے حضور شکایت کی تو آپؑ عبادتِ خداوندی میں مصروف ہوگئے۔ اسی دوران ولید نے اپنا آدمی امامؑ کی منزل کی طرف بھیجا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ امامؑ گھر پر ہیں یا مدینہ منورہ سے باہر چلے گئے ہیں۔

جب ولید کا فرستادہ آپؑ کے خانۂ اقدس پر آیا اور آپؑ کے بارے میں پوچھا اور آپؑ کو گھر پر نہ پایا تو اس نے ولید کو رپورٹ کی کہ امامؑ مدینہ سے باہر چلے گئے ہیں۔ جب ولید نے یہ سنا تو اُس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ میرے ہاتھ قتلِ حسینؑ سے آلودہ نہیں ہوئے۔ وہ باہر چلے گئے ہیں اور میں ان کے قتل میں مبتلا نہیں ہوا۔

آنحضرتؑ تھوڑی دیر بعد خانۂ اقدس پر تشریف لے آئے۔

امامؑ حرمِ رسولؐ میں

حضرت امام حسین علیہ السلام دوسری شب دوبارہ اپنے نانا بزرگوار کے روضہ پر تشریف لائے۔ آپؑ نے قبر مطہر پر چند رکعت نماز پڑھی۔ جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو بارگاہ

خداوندی میں مناجات کے لیے اپنے مبارک ہاتھوں کو بلند فرمایا اور عرض کیا:

اے میرے اللہ! یہ قبر مبارک تیرے نبیؐ کی ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اس وقت میں مصائب کے طوفانوں میں گھر چکا ہوں۔ یہ سب کچھ تیرے سامنے ہے۔ جن حالات سے میں دوچار ہوں تو اُنھیں خوب جانتا ہے۔

خداوندا! تو خوب جانتا ہے مجھے نیکی اور نیکوکاری سے محبت ہے۔ مجھے برائی سے نفرت ہے۔

اے خداوندا! صاحب عزت وجلال واکرام اس قبر مبارک کی عزت وحرمت کا واسطہ اور جو اس کے اندر ہے اس کی حرمت کا واسطہ میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ میرے لیے وہ چیز پسند فرما جو تیری اور تیرے رسولؐ کو پسند ہو۔

جب آپؑ مناجات میں مصروف تھے تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ آپؑ صبح صادق تک روضۂ رسولؐ پر گریہ وزاری کرتے رہے۔ اس دوران آپؑ نے اپنا مبارک سر قبر مبارک پر رکھ دیا۔ آپؑ کو نیند آگئی۔ آپؑ نے خواب میں رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپؐ ملائکہ کی ایک بے شمار تعداد کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ وہ تمام ملائکہ آپؐ کے دائیں بائیں موجود ہیں اور آپؐ کو اُنھوں نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ بس رسولؐ اللہ ان کے پاس تشریف لائے اور اپنے نور دیدہ حسینؑ کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کی پیشانی مبارک پر بوسے دیے اور فرمایا:

اے حبیب من! (حسینؑ) گویا میں آپؑ کو سرزمینِ کربلا میں مصائب کے طوفانوں میں گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میری امت کے ستم پیشہ لوگ آپؑ پر ظلم کر رہے ہیں۔ آخر آپؑ کو ان کے ہاتھوں اپنے خون سے رنگین ہونا ہے اور وہ آپؑ کو شہید کر دیں گے۔

اے میرے فرزندِ گرامی! آپؑ ان مصائب وآلام کے باوجود تشنہ لب ہوں گے اور جگر سوختہ ہوگا۔ آپؑ کو ایک گھونٹ پانی نہیں ملے گا۔ آپؑ اس وقت سخت پیاسے ہوں گے۔ آپؑ کو اسی حالت میں شہید کر دیا جائے گا۔ آپؑ کے قاتل میری شفاعت کی اُمید رکھتے ہوں گے۔ اُنھیں ہرگز میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

اے حبیبِ من! (حسینؑ) آپؑ کے والدین، آپؑ کا بھائی وہ میرے ساتھ ہیں۔ وہ آپؑ کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔

اے میرے حبیبؑ! بہشت میں آپؑ ارفع و اعلیٰ درجات کے مالک ہیں۔ ان درجات تک رسائی آپؑ کو صرف اس شہادت کے ذریعے ہی مل سکتی ہے جس میں اللہ کی رضا ہے۔

اے جد بزرگوار! مجھے اس وقت اپنے پاس لے لیجیے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے خواب کے عالم میں اپنے جد بزرگوار کی طرف حسرت بھری نظروں سے اور درد دل کے ساتھ نگاہ کی اور عرض کیا: اے جد بزرگوارِ من! اے مہربانِ من! مجھے اب دنیا کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ہاتھ تھامیئے اور اپنی قبر مبارک میں لے لیجیے۔

جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا: اے نور دیدہ من! تمھیں لازمی دنیا کی طرف جانا ہے۔ اس کے سوا چارہ ہی نہیں ہے۔ آپؑ نے شہادت کے مرتبہ پر پہنچنا ہے۔ پھر آپؑ کو اجر جمیل اور ثواب جزیل کی منزل ملے گی۔

اے فرزندِ گرامی! محزون و مغموم مت ہونا، کیونکہ تم اور تمھارے والد گرامی تمھارے چچا اور تمھارے والد کے چچا نے میدان محشر میں اکٹھے محشور ہونا ہے۔ تم سب کا مقام ایک ہے۔ تم سبھی نے اکٹھے بہشت میں داخل ہونا ہے۔

اس وقت فرزندِ رسولؐ خواب سے بیدار ہوئے۔ وہاں سے اُٹھے اور اپنے خانۂ اقدس کی طرف تشریف لے گئے اور اپنے خواب سے اپنے اہل بیتؑ کو آگاہ فرمایا۔ جب آپؑ کے اہل بیت اور اولادِ عبدالمطلب نے یہ خواب سنا تو ایسا دن روئے زمین پر نہیں آیا، کیونکہ اس دن رسولؐ اللہ کے اہل بیتؑ جس قدر محزون و مغموم ہوئے چشم فلک نے ایسا منظر نہیں دیکھا کہ اس قدر کسی زمانے میں کسی کے گھر والے اتنے حیران و پریشان ہوئے ہوں اور ان کے نالہ وفریاد اہل بیتؑ سے زیادہ سننے میں آئے ہوں۔

حضرت امام حسینؑ کا خواب بمنزلہ وحی ہے

(مترجم: ہمارے علمائے اعلام کا عقیدہ ہے کہ پیغمبرانؑ گرامی اور پیشوائے دین کے خواب وحی کی منزلت پر ہوتے ہیں یا الہام ہوتے ہیں۔ اسی طریقے سے ان کی رہبری ہوتی ہے اور انھیں علوم ملتے ہیں۔ شیطان ان کے خوابوں میں نہیں آسکتا۔ بنابرایں حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ خواب بھی وحی و الہام کی مانند تھا)۔

درجاتِ حضرت امام حسینؑ

جملہ بدیہیات اولیہ اور ضروریاتِ مذہب امامیہ میں سے ہے کہ جنت اور جہنم کی چابیاں جناب امیر المومنین امام علی علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کے ہاتھ میں ہوں گی اور جنت و جہنم کے قاسم وہ ہیں۔ وہ جہنم کے کنارے پر کھڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے، اسے لے لے اور اُسے چھوڑ دے۔ بہشت بریں اور اس کے مقاماتِ عالیہ اور مقاماتِ بلند انھی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس طرح تمام ائمہ طاہرینؑ کے درجات ارفع و اعلیٰ ہیں۔

اخبارِ متواترہ اور احادیث قطعیہ میں تفصیلات موجود ہیں۔ تمام ائمہ طاہرینؑ کے بہشت عنبر سرشت میں بلند وبالا مقامات ہیں۔ اِدھر جو رسولؐ اللہ کا فرمان ہے: اے حسینؑ! بہشت میں آپؑ کے لیے بلند وبالا درجات ہیں لیکن ان کے حصول کے لیے شہادت لازمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ اُس نے اپنے انبیاؑ کو جنت کے یہ اعلیٰ مدارج ان کی وفات کے بعد عطا کیے، کیونکہ موت کا امر ضروری ہے۔

جس طرح جس کے لیے اس نے لازمی موت لکھی ہے اُسی صورت میں اس نے موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے اللہ نے شہادت لکھ دی تھی کہ وہ اللہ کے راستے میں قتل ہوں گے، اس لیے رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا: ''اے حسینؑ! موت تمھارے اور جنت کے درمیان پُل ہے۔ تمھیں یہ درجات اُس وقت ملیں گے جب تم اس پُل سے گزرو گے''۔

امام حسینؑ کی شہادت کا عوض قربِ خداوندی

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا اجر کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قربِ معنوی جنت کے تمام درجات سے بہت زیادہ فضائل و مکارم کا مالک ہے۔ کیونکہ بہشت کے تمام درجات اور زمین و آسمان یہ تمام چیزیں تمام عالمین کے مقابلے میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا آپؑ کے سامنے اس دنیا کے بادشاہوں اور ان کے مقربین کا حال نہیں ہے۔ جن لوگوں کو بادشاہوں کا قرب حاصل ہوتا ہے وہ عزت و عظمت میں سب پر بھاری ہوتے ہیں حالانکہ بادشاہ اُنھیں کوئی مال و منال عطا نہیں کرتا۔ اسی طرح کا قرآنی قصہ ہے کہ جب جادوگر فرعون کے پاس گئے اور اُنھوں نے اُسے کہا کہ اگر وہ جنابِ موسیٰؑ پر غالب آگئے تو ان کا انعام کیا ہوگا؟

فرعون نے اُنھیں جواب دیا کہ تم میرے مقرب بن جاؤ گے حالانکہ اُس نے ان سے جاہ و مال وغیرہ کا وعدہ نہیں کیا، حالانکہ فرعون خداوند تعالیٰ کو اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اللہ کے نزدیک نیک اعمال اور عبادت سے بڑھ کر کوئی اور منزلت و بلندی نہیں ہے، باوجود اس کے اُس نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ انسان کا سب سے ارفع و اعلیٰ مقام خداوند تعالیٰ کا قُرب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید الشہداءؑ مظلومِ کرب و بلا کو جو مرتبہ عطا کیا ہے، اگر اس کی شان و فضیلت کو لکھنے کے لیے کائنات کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام دریا اور سمندر روشنائی بن جائیں اور تمام جن و انس لکھنے والے ہوں تب بھی ان کے فضائل کا عشرِ عشیر نہیں لکھ سکتے۔

مقامات حاصل از قربِ معنوی

خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں جو منزلت سید الشہداءؑ کو ملی ہے اس کا اندازہ ان کے روضۂ مبارک سے کیا جاسکتا ہے۔ کروڑوں لوگوں کے قلوب میں روضۂ حسینی موجود ہے۔ یہ لوگ امامؑ کی قبر مبارک کو جنت سے کم نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ ان کے مصائب میں ہر وقت چشم گریاں رہتے ہیں اور ان کے قلوب ان کے غم میں سوزاں و نالاں رہتے ہیں۔

اس دنیا کے گرد وغبار کی کیا جرأت ہے کہ وہ ان کے قُرب و منزلت اور جلال و عزت کے قریب جائے اور آلودہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ان کے مبارک خون کا ورثہ بنا دیا ہے اور ان کی مبارک قبر کو اپنے عرش کا مقام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے سامنے ان کا ذکر کیا اور پیغمبر کو ان کے غم میں رُلا دیا۔ یہ مقام و مرتبہ کہ اگر کوئی گناہ گار ان کے غم میں آنسو بہائے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں اور اس پر بہشت کے دروازے کھل جائیں۔

حضرت امام حُسین علیہ السلام قیامت کے دن جہنم کے کنارے پر کھڑے ہوں گے اور جہنم سے کہہ رہے ہوں گے: یہ میرا دشمن ہے، اسے لے لے اور یہ میرا دوست ہے اِسے چھوڑ دے۔ ان کے فضائل لامحدود ہیں۔ اللہ نے امامت و خلافت ان کی نسل میں رکھ دی۔ حضرت قائم آل محمد علیہم السلام اُنھی کی اولاد میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تربت میں ہر درد کی شفا رکھ دی ہے۔ ان پر گریہ اور ان کی زیارت سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

جی ہاں! ہم قُرب و منزلت کو کھانے پینے سے تعبیر کرتے ہیں کہ بس اس دنیا کے لذائذ کو حاصل کریں اور اپنے ہوا و ہوس کے شکار ہو کر رہیں اور ہماری یہی حالت ہے کہ ہم خواہشاتِ نفس کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں قربِ خداوندی کا علم ہی نہیں ہے۔ ہم طالبِ بہشت ہیں صرف اس لیے کہ وہاں کی نعمات سے استفادہ کریں۔ اس بات کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے کہ ہمیں اللہ کا قرب ملے یا نہ ملے۔

دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ آیات و اخبار سے ظاہر و ہویدا ہے کہ اللہ نے اپنے ہر بندہ کا جنت میں گھر بنایا ہے۔ اس طرح جہنم میں بھی گھر بنایا ہے۔ جو لوگ جنت میں وارد ہوں گے تو وہ ان لوگوں کے جنت کے درجات کے وارث ہوں گے جو جہنم کی طرف جا چکے ہوں گے۔ اس لیے فرمانِ خداوندی ہے: اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ”جو لوگ فردوس کے وارث ہوں گے“۔ (سورۂ مومنون، آیہ ۱۱)

یہ حقیقت ہے کہ روزانہ لاکھوں انسان سید الشہداء کی زیارت اور ان پر گریہ کرنے کے سبب جہنم سے آزادی حاصل کرتے ہیں اور جنت کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں لوگ سید الشہداء کی شہادت کی وجہ سے مذہب حقہ کو قبول کرتے ہیں۔ احادیث کے اندر موجود ہے کہ انسانوں کو بہشت میں صرف اس صورت میں بلند درجات مل سکتے ہیں جب وہ سید الشہداء سے قربت رکھتے ہوں گے۔

فرزندِ رسولؐ جنت البقیع میں

جناب سید محمد بن ابی طالب نے اپنے مقتل میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب فرزندِ رسولؐ نے اپنے نانا بزرگوار کے روضہ کی زیارت کی تو آپؑ جنت البقیع میں اپنی مادر مہربان حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک پر آئے، اُن سے وداع کیا۔ اس کے بعد اپنے برادر حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی قبر مبارک پر آئے، اُن سے وداع کیا اور بوقت صبح واپس اپنی منزل پر تشریف لائے۔

محمد بن حنفیہ اور حضرت امام حسینؑ

جب حضرت محمد حنفیہ کو معلوم ہوا کہ فرزندِ رسولؐ وطن مالوف سے کوچ کرنا چاہتے ہیں اور اس دار و دیار کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور دیارِ غربت کو اپنانا چاہتے ہیں تو فوراً آپؑ کے حضور حاضر ہوئے اور عرض کیا:

اے برادرِ من! آپؑ میری محبتوں کا مرکز ہیں۔ اس بھری کائنات میں سب سے زیادہ مجھے آپؑ ہی عزیز ہیں۔ جس قدر اچھائی آپؑ کے لیے سوچ سکتا ہوں کسی اور کے لیے اس قدر نہیں سوچ سکتا، کیونکہ آپؑ ہی میری روح ہیں اور آپؑ ہی میری جان اور حیات ہیں۔ اہلِ بیت رسولؐ کے سید و سردار آپؑ ہی ہیں۔ اللہ نے آپؑ کی اطاعت مجھ پر واجب کی ہے کیونکہ شرف و بزرگواری میں آپؑ ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو جوانانِ جنت کا سردار بنایا ہے۔

اس طرح آپ نے اپنے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اے برادرِ بزرگوار! میں مصلحت اس امر میں دیکھتا ہوں کہ آپؑ مکہ معظمہ چلے جائیں۔ اگر وہاں کی فضا آپؑ کے موافق ہو جائے اور آپؑ کو حالات سازگار ملیں تو پھر وہیں اقامت پذیر ہو جائیں۔ اگر اس دیار کے لوگ آپؑ کا ساتھ نہ دیں تو پھر آپؑ یمن کی طرف چلے جائیں، کیونکہ وہاں کے لوگ آپؑ کے جد بزرگوار اور پدر بزرگوار کے ماننے والے اور محبت کرنے والے ہیں۔ ان کے قلوب باقی لوگوں کے قلوب سے رقیق تر ہیں اور ان کا ملک ایک وسیع ملک ہے۔ اگر وہاں کے لوگ آپؑ کا ساتھ دیں تو آپؑ وہیں رہ جائیں۔ اگر وہ لوگ آپؑ کو نہ چاہیں تو پھر صحراؤں اور بیابانوں کی طرف چلے جائیں۔ اس طرح کبھی کسی شہر میں اور کبھی کسی شہر میں اس طرح چلتے رہیں، یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو جائے کہ یہ اُمت کدھر جاتی ہے اور کس کا ساتھ دیتی ہے یا پھر خداوند تعالیٰ ہمارے اور اس اُمت کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

امام حُسینؑ کا محمد بن حنفیہ کو جواب

جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

اے برادرِ من! بخدا! اگر یہ ساری کائنات میرا انکار کر دے، کہیں سے مجھے پناہ نہ ملے کوئی بات نہیں لیکن میں یزید کی بیعت نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر محمد بن حنفیہ خاموش ہو گئے اور رونے لگے اور حضرت امام حُسین علیہ السلام نے فرمایا:

اے برادرِ من! خداوند تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ آپ نے اپنی خیر خواہی کا مظاہرہ کیا اور راہِ صواب کی طرف رہنمائی کی۔ میں اس وقت عازمِ مکہ ہوں۔ میں اپنے بھائیوں، بھتیجوں اور اپنے دوستوں کے ساتھ مکہ جانا چاہتا ہوں۔ ان کا کام میرا کام ہے، ان کی رائے میری رائے ہے۔ آپؑ مدینہ میں رہ جائیں اور اُن لوگوں پر نگاہ رکھیں اور ان ظالموں کی سازشوں سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور میرے احوال سے باخبر رہنا۔ اس وقت حضرت امام حُسین علیہ السلام نے دوات اور کاغذ منگوایا اور اپنے بھائی کے لیے وصیت نامہ تحریر کیا۔

وصیت نامہ بنام محمد بن حنفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وصیت نامہ حسینؑ بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے لیے لکھا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس کے عبد اور رسولؐ ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے دین حق لائے ہیں۔ وہ جو کچھ لائے ہیں اور اُنھوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔ بہشت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت کا دن ضرور آئے گا۔ خداوند تعالیٰ اُسی دن سبھی کو محشور کرے گا۔

میں وطن کو چھوڑ کر باہر اس لیے نہیں جا رہا ہوں کہ شرارت کروں، تکبر کروں اور لوگوں میں فساد برپا کروں اور ظلم وستم سے کسی کو قتل کروں۔ میں وطن سے اس لیے جارہا ہوں تا کہ اپنے نانا کی اُمت کی اصلاح کروں اور امر بالمعروف کروں اور نہی عن المنکر کروں اور ان کے درمیان وہی طریقہ اپناؤں جو میرے نانا بزرگوار اور پدر بزرگوار نے اپنایا تھا۔ جس نے میری بات کو قبول کیا تو خداوند تعالیٰ ضرور اُسے جزائے خیر عطا کرے گا اور جس کسی نے میری بات کو رد کیا تو میں صبر سے کام لوں گا۔ اللہ میرے اور اُن کے درمیان فیصلہ فرمائے اور وہ بہترین حکم کرنے والا ہے۔

یہ میرا وصیت نامہ آپ کے لیے ہے۔ میری توفیقات کا مرکز اللہ کی ذات ہے اور وہی کارساز ہے اور میں نے اُسی پر توکّل کیا ہے۔ اسی کے حضور توبہ ہے اور اُسی کی طرف بازگشت ہے"۔

پس آپؑ نے اس وصیت نامہ کو لپیٹا، اس پر مہر لگائی اور جناب محمد بن حنفیہ کے حوالے کیا اور اُنھیں وداع کیا اور آدھی رات کو مدینہ سے باہر چلے گئے۔ (تسلیۃ المجالس، وزینۃ المجالس، ج ۲، ص ۲۳۱)

محمد بن حنفیہ کربلا کیوں نہیں گئے تھے؟

جناب محمد بن ابی طالب نے وسائل سے روایت کی ہے جناب یعقوب کلینی نے حمزہ بن حمران سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی کے واقعے کا ذکر کیا، اور میں نے امامؑ سے پوچھا: حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ سفر کیوں نہ کیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حمزہ! جو کچھ میں کہوں اُسی پر اکتفا کرنا، کسی اور سے نہ پوچھنا۔ بات یہ ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کا عزم کیا تو انھوں نے کاغذ اور دوات منگوائی اور وصیت نامہ لکھا:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بنوہاشم کے جوان جو میرے ساتھ چلیں گے وہ ہر صورت شہید ہوں گے اور جو لوگ میرے ساتھ نہیں چلیں گے ان کی نجات مشکل ہے''۔(تسلیۃ المجالس، وزینۃ المجالس، ج ۲، ص ۲۳۱)

بنوہاشم کی مخدرات کی آہ و فریاد

(مترجم اس ضمن میں مختلف روایات اس باب کے آخر میں نقل ہوں گی جو کامل زیارت سے نقل کی گئی ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: جس وقت حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو بنوہاشم کے تمام مرد، عورتیں اور بچے بھی آپؑ کے پاس جمع ہوئے۔ انھوں نے رونا شروع کیا اور ان کی آہ و زاری و گریہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور ان کی آنکھوں سے اشکِ حسرت جاری تھے اور ان کے دل پُردرد سے سرد آہیں نکل رہی تھیں۔ جب ان کا گریہ اور اضطراب حد سے بڑھا اور ان کی بے قراری اور دل افگاری نے تجاوز کیا تو حضرت امام حسینؑ نے بہ نفسِ نفیس انھیں تسکین دی اور صبر کی تلقین کی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اب میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اب رونا اور آہ و فریاد بلند کرنا چھوڑ دیں کہ اس سے معصیتِ خدا اور رسولؐ ہو رہی ہے۔

ان دردمندوں نے دلِ پُردرد و دیدہ گریاں صورت میں عرض کیا: اگر ہم آج اس

جاں سوز و گریہ خیز مصیبت پر گریہ نہ کریں تو پھر کب اور کس کے لیے گریہ وزاری کریں گے؟
آج آپ ہم سے دُور چلے جا رہے ہیں اور ہمیں اپنے جاں گداز فراق میں مبتلا کر رہے ہیں۔
آج کا دن ہمارے لیے رسولؐ اللہ، امیر المومنینؑ، فاطمہ زہراؑ اور جنابِ امام حسنؑ کے رحلت کے ایام سے کم نہیں ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں ہم دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں آپ کا فدیہ بنا دے۔ اے حبیب! نیکوکاران، اے یادگارِ رفتگان آپؑ ہی ہماری اُمید ہیں۔ اس دوران آپؑ کی ایک پھوپھی نے روتے ہوئے عرض کیا: میں گواہی دیتی ہوں اے حسینؑ! مجھے قسم ہے میں نے جنوں کی عورتیں سے یہ نوحہ کی آوازیں سنیں وہ کہہ رہی تھیں:

وَاِنَّ قَتِیلَ الطَّفِّ مِن آلِ ہَاشِمٍ — اَذَلَّ رِقَابًا مِن قُرَیشٍ وَ ذَلَّتِ
حَبِیبُ رَسُولِ اللہِ لَم یَکُ فَاحِشًا — اَبَانَت مُصِیبَتُکَ الاُنُوفَ وَجَلَّتِ

"طف" کوفہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ دریا کے کنارے کو بھی طف کہا جاتا ہے۔ "ابان" جدا کرنا "انوف" انف کی جمع ہے یعنی ناک۔

تمام زبانوں میں ناک حمیت وغضب، عزت وذلت کی علامت ہے۔ "یہ حقیقت ہے کہ شہیدِ بیابانِ کربلا و قتیل گروہ اشقیا جو بنو ہاشم میں سے ہیں یعنی حضرت امام حسینؑ ان کے قتل نے قبیلہ قریش کے بڑے بڑوں کی گردنوں کو ذلت و رسوائی سے ہم کنار کر دیا، کیونکہ حضرت امام حسینؑ اللہ کے رسولؐ کے حبیب ہیں اور وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔
اے حسینؑ! آپؑ کے مصائب جانگداز نے لوگوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے"۔
اُس خاتون نے عرض کیا: میں نے نوحہ کے یہ اشعار بھی ان سے سنے ؎

اِبکُوا حُسَینًا سَیِّدًا — وَلِقَتلِہِ شَابَ الشَّعرُ
وَلِقَتلِہِ زُلزِلتُم — وَلِقَتلِہِ انکَسَفَ القَمَرُ
وَاحمَرَّت آفَاقُ السَّمَاءِ — مِنَ العَشِیَّۃِ وَالسَّحَرِ
وَتَغَیَّرَت شَمسُ البِلَادِ — بِہِم وَاَظلَمَتِ الکُوَرُ
ذَاکَ ابنُ فَاطِمَۃَ المُصَابُ — بِہِ الخَلَائِقُ وَالبَشَرُ
اَورَثتَنَا ذُلًّا جَدعَ — الاُنُوفَ مَعَ الغُرَرِ

"اے لوگو! حسینؑ پر آنسو بہاؤ کیونکہ وہ کائنات کا سردار ہے۔ ان کے قتل سے اہلِ ایمان کے سروں کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ ان کے پُردرد قتل سے زمین تھرا کر رہ گئی۔ اُسے زلزلے آئے، ان کے قتل سے ماہتاب کو گہن لگا۔ اُن پر ظلم وستم کی وجہ سے اُفق آسمانی سرخ ہوئے۔ یہ سلسلہ رات سے صبح تک باقی رہا۔

آفتابِ جہاں تاب متغیر ہو کر رہ گیا، جس کی وجہ سے کائنات کو تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ شہید حضرت فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہے۔ اس کے مصائب کی وجہ سے پوری کائنات میں صفِ ماتم بچھی۔

اے حسینؑ! دائمی ذلت ہمارا مقدر بن گئی اور آپؑ کے مصائب نے اہلِ ایمان کو ہمیشہ کے لیے رُلا دیا"۔ (کامل زیارات ص ۹۶)

ان ابیات کی شرح عنقریب پیش ہوگی ان شاء اللہ!

(مصنف نے جلاء العیون میں اس روایت کے آخر میں فرمایا: پس ان مخدرات طہارت و سیادت نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رونا شروع کر دیا اور اشک ہائے خونیں اپنے گلگون رخساروں پر جاری کیے اور آخر میں اس جانِ جہانیاں کو الوداع کیا۔ (جلاء العیون، ص ۵۱۶)

امام حسینؑ کی نصرت کے لیے ملائکہ کا نزول

شیخ بزرگوار جناب شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے باہر تشریف لائے تو اُس وقت آپؑ کے پاس فرشتوں کے چند گروہ آپؑ کی نصرت کے لیے آئے۔ وہ سب اسلحہ سے لیس تھے اور اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں حربے تھے۔ جب وہ آپؑ کے قریب آئے تو اُنھوں نے آپؑ کو سلام کیا اور عرض کیا:

اے تمام کائنات کے لیے حجتِ خدا! آپؑ اپنے جد و پدر و برادر کے بعد اس وقت

حجت خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے نانا بزرگوار کی بہت سے مقامات پر ہمارے ذریعے مدد کی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپؑ کی نصرت کے لیے بھیجا ہے کہ ہم آپؑ کی مدد کریں اور آپؑ کے دشمنوں سے آپؑ کا دفاع کریں۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: ہماری تمھاری وعدہ گاہ میرا محلِ دفن ہے۔ میری شہادت سے قبل وہیں آجانا، اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ جب میں اس سرزمین میں وارد ہوں تو وہاں میرے پاس آجانا۔

پس اُنھوں نے عرض کیا: اے حجتِ خدا! آپؑ جو امر فرمائیں ہم آپؑ کے ہر امر کی تعمیل کریں گے۔ اگر اس وقت آپ کو اپنے دشمن کا خوف ہے تو ہم آپؑ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کو دشمن کے شر سے بچائیں گے۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: میرا دشمن اس وقت تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ہاں! جب میں اس بُقعہ میں پہنچوں جہاں میں نے شہید ہونا ہے تو وہاں حاضر ہو جانا۔

امام مظلومؑ کی نصرت کے لیے جِنوں کا آنا

آپؑ کی خدمتِ عالیہ میں مومن جِنوں کے بہت سے گروہ حاضر ہوئے اور وہ آپؑ کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اُنھوں نے عرض کیا: اے ہمارے آقا و مولاؑ! ہم آپؑ کے انصار ہیں، آپؑ ہمیں جو حکم دیں گے ہم ہر صورت میں تعمیلِ حکم کریں گے۔ اگر آپؑ ہمیں حکم دیں گے ہم آپؑ کے دشمنوں سے جنگ کریں اور اُنھیں قتل کریں تو انھیں قتل کر دیں گے۔

پس فرزندِ رسولؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا: خداوند تعالیٰ! میری طرف سے تمھیں جزائے خیر دے اور فرمایا: کیا تم نے اللہ کا فرمان نہیں پڑھا کہ اُس نے فرمایا:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (النساء، آیہ ۷۸)

"تم جہاں کہیں ہو گے موت تمھیں ہر صورت پا لے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بھی ہو"۔

آپؑ نے فرمایا:

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (آل عمران، آیہ ۱۵۴)

"اے محمدؐ! کہہ دیجیے اگرچہ وہ لوگ جہاد سے ایک طرف بیٹھے رہیں گے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کے مقدر میں قتل ہونا لکھا ہے وہ خود اپنے مقتل کی طرف نکل پڑتے"۔

آپؑ نے فرمایا: اگر میں اپنی جگہ پر بیٹھ رہوں تو پھر اس ظالم وستم پیشہ افراد کا امتحان کیسے ہوگا؟ وہ پھر کس طرح آزمائے جائیں گے اور کس طرح ان پر اتمامِ حجت ہوگی۔ اگر میں دشمنوں کے خلاف جہاد کے لیے نہ نکلوں تو پھر کون کربلا میں میرے مدفن میں دفن ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے جس وقت اس زمین کو بچھایا تو کربلا کی سرزمین کو میرے دفن کے لیے پسند کیا اور اسی سرزمین کو ہمارے دوستوں کے لیے امن کی جگہ بنایا۔ ہمارے دوستوں کے لیے میرا مدفن اس دنیا کے لیے بھی امان ہے اور آخرت کے لیے بھی لیکن تم شنبہ کے دن میرے پاس کربلا میں آجانا، وہ روز روزِ عاشورا ہوگا۔ میں اُسی دن کے آخر میں قتل ہوجاؤں گا۔ میرے بعد میرے اہلِ بیتؑ اور دوستوں میں سے کوئی ایسا نہ رہے گا جو دشمن کو مطلوب ہوگا۔ میرا سر یزید کے پاس لایا جائے گا۔

جنوں نے عرض کیا: اے رسولؐ اللہ کے حبیب! فرزندِ رسولؐ! اللہ کی قسم! اگر ایسا نہ ہوتا کہ آپؑ کا امر ہم پر واجب ہے ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم آپؑ کے امر کی مخالفت کریں۔ ہر صورت میں ہم آپؑ کے دشمنوں کو اس سے پہلے کہ وہ آپؑ کے پاس آئیں ہم اُنھیں قتل کردیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بخدا! ان کی نابودی کے لیے ہم خود کافی ہیں لیکن ہم اُنھیں مہلت دیتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ عادی طریقے سے چلیں گے تاکہ ان پر حجت تمام ہوجائے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال، آیہ ۴۲)

تاکہ ہلاک ہونے والا واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا

واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے"۔(اللھوف، ص ۶۶)

اُم سلمہؓ اور حضرت امام حُسینؑ

ابھی تک جو میں نے تاریخ کربلا نقل کی ہے یہ میں نے محمد بن ابی طالبؒ کی کتاب سے نقل کی ہے۔ لیکن میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے مدینہ سے خروج کا عزم کیا تو جناب اُم سلمہؓ آپؑ کے پاس تشریف لائیں اور عرض کیا:

اے فرزند گرامی! اپنے سفرِ عراق سے میرے دل کو نہ دکھاؤ اور مجھے محزون و مغموم نہ کرو، کیونکہ میں نے آپؑ کے نانا بزرگوار سے سُن رکھا ہے کہ میرا فرزند (حسینؑ) سرزمینِ عراق میں قتل کر دیا جائے گا۔ وہاں ایک بیابان ہے، جس کا نام کرب و بلا ہے۔

جب حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اس خاتونِ مکرمہ کی بات سنی تو فرمایا: اے مادر مہربان! بخدا! میں خوب جانتا ہوں کہ میں ضرور سرزمینِ عراق میں قتل کیا جاؤں گا۔

بخدا! جس روز میں نے قتل ہونا ہے اُسے بھی مَیں جانتا ہوں۔ میں اپنے قاتل کو بھی جانتا ہوں کہ کس نے مجھے قتل کرنا ہے۔ میں اس بقعہ کو بھی جانتا ہوں جہاں میں نے دفن ہونا ہے۔ میں اُنھیں بھی جانتا ہوں کہ جو میرے اہلِ بیتؑ اور اصحاب ہیں، جنھوں نے مجھ سے پہلے شہید ہونا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے مادر مہربان! اگر آپؓ چاہیں تو میں آپؓ کو اپنا مدفن دکھا دوں۔ پس آنحضرتؑ نے اپنے دستِ معجزنما سے اشارہ کیا تو آپؑ کے اعجاز سے آپؑ کے اور زمینِ کربلا کے درمیان جتنی بلندیاں تھیں وہ پست ہو گئیں اور زمینِ کربلا جنابِ اُم سلمہؓ کے سامنے آ گئی۔ تو آپؑ نے جنابِ اُم سلمہؓ کو اپنا مدفن، لشکرگاہ اور اپنے کھڑے ہونے کی جگہ اور محلِ شہادت دکھایا۔

جس وقت جنابِ اُم سلمہؓ نے یہ منظر دیکھا تو شدت سے رونے لگیں۔ عبارت یہ ہے: بَکَت اُمِّ سَلمہ بکاءً شَدِیدًا۔(ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۶۰)

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے مادر مہربان! خداوند تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ میں دشمنوں

کے ظلم و عدوان سے بے دردی کے ساتھ قتل کیا جاؤں اور میرا سر میرے بدن سے جدا کیا جائے۔ اللہ کے علم میں یہی لکھا ہے اور اللہ کی حتمی قضا جاری ہو چکی ہے کہ اہل بیتؑ رسولؐ کی خواتین اور میری بیٹیاں وطن سے بے وطن ہوں اور شہر بہ شہر پھرائی جائیں اور اللہ میرے چھوٹے بچوں کو مذبوح دیکھنا چاہتا ہے۔ ان میں بعض مظلوم ہیں اور بعض اسیر ہوں گے۔ وہ لوگوں سے نصرت و یاوری طلب کریں گے مگر کوئی ان کی فریادرسی نہیں کرے گا۔

جب جناب اُمِ سلمہؓ نے امامؑ کی جان سوز و دل گداز باتیں سنیں تو دیدہ گریان و دل بریان عرض کیا: اے میرے بیٹے! میرے پاس کچھ خاک ہے جو مجھے آپؑ کے نانا بزرگوار نے دی تھی جو میرے پاس شیشی میں محفوظ ہے۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: بخدا! یہ لوگ ہر صورت مجھے قتل کریں گے چاہے میں عراق جاؤں یا نہ جاؤں۔ آپؑ نے اپنا دست معجز نما بلند کیا اور کربلا کی خاک پاک کی ایک مشت اُٹھائی اور جنابِ اُم سلمہؓ کے حوالے کی اور فرمایا: اس خاک کو اس شیشی میں محفوظ کرلو۔ جس شیشی میں وہ خاک ہے جو میرے نانا بزرگوار نے آپ کے حوالے کی تھی۔ جس وقت میں قتل ہو جاؤں گا تو یہ دونوں خاک خون میں بدل جائیں گی۔ (عوالم العوام، ص ۱۷-۱۸)

شیخ مفیدؒ نے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرتؑ مدینہ سے باہر آئے اور عازمِ سفر ہوئے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِى مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ

"پس وہ ڈرتے ہوئے خطرہ بھانپتے ہوئے کہنے لگے: اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے بچا"۔ (سورۂ قصص، آیہ ۲۱)

پس آپؑ نے مکہ معظمہ کا وہ راستہ اختیار کیا جو معروف و مشہور تھا۔ آپؑ کے اہلِ بیتؑ کے افراد نے عرض کیا: ہمیں غیر معروف راستے کو اختیار کرنا چاہیے اور اس معروف راستے سے ہٹ کر چلنا چاہیے جس طرح کہ عبداللہ بن زبیر نے غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا تاکہ اگر حکومتی لوگ تعاقب میں آئیں تو نامراد واپس لوٹ جائیں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: میں ہرگز اس عام راستے کو نہیں چھوڑوں گا۔ خداوند تعالیٰ نے

ہمارے لیے جو فیصلہ فرما دیا ہے وہی نافذ ہو کر رہے گا۔

جب آپؑ مکہ کے قریب پہنچے اور آپؑ اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہونے والے تھے کہ آپؑ نے یہ آیت کریمہ اپنی مبارک زبان پر جاری فرمائی:

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

(سورۂ قصص، آیہ ۲۲)۔ (ارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۳)

(مترجم: ابومخنف کی روایت ہے: جب آپؑ کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب نے عرض کیا: غیر معروف راستے کو اپنانا چاہیے تو آپؑ نے فرمایا تھا: آپؑ لوگ اپنے طلب کنندگان سے خوف زدہ ہو رہے ہیں کہ وہ آپ کو پالیں؟

اُنھوں نے عرض کیا: جی ہاں!

آپؑ نے فرمایا: میں موت کے خوف سے غیر معروف راستہ نہیں اپنا سکتا۔ آپؑ نے چند اشعار زبان پر جاری فرمائے جن کا ترجمہ یہ ہے:

> "جب یزید نے میرے قتل کا ارادہ کرلیا ہے تو میں موت سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں موت کے دریا میں کود جاؤں گا اور اس دریا کو عبور کرلوں گا۔ میں جب دشمن سے مقابلہ کروں گا تو شمشیرِ آبدار و تیغ ژرد باد سے کروں گا"۔

حضرت امام حسینؑ سے عبداللہ بن زبیر کی ملاقاتیں

جناب شیخ مفیدؒ سے منقول ہے: جب حضرت امام حسینؑ مکہ معظمہ میں وارد ہوئے اور اہلِ مکہ کو فرزندِ رسولؐ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ آپؑ کی ملاقات کے لیے حاضر ہونے لگے۔ اس طرح باقی لوگ جو عمرہ کی غرض سے مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے وہ بھی امامؑ کی زیارت کے لیے آجا رہے تھے۔ عبداللہ بن زبیر اُس وقت مکہ میں رہائش پذیر تھا۔ وہ بھی حرم میں آجا رہا تھا۔ کبھی نمازیں پڑھنے کے لیے اور کبھی بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے۔ وہ بھی دوسروں کی طرح امامؑ سے دن میں ایک دفعہ یا دو دفعہ ضرور ملاقات کرلیتا۔ ظاہری صورت میں شفقت و

مہربانی سے پیش آتا لیکن وہ آپؑ کی مکہ آمد پر خوش نہ تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا جب تک فرزندِ رسولؐ مکہ میں ہیں کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی بیعت کرے گا کیونکہ سیدالشہداؑ کی اصل اور نجابت و بزرگواری تمام دنیا پر آفتاب عالمتاب کی مانند روشن وہویدا ہے اور ان کی بیعت ہر صورت میں بہتر و بیشتر ہوتی۔

اہلِ کوفہ سلیمان بن صُرد کے گھر میں

جب معاویہ کی موت کی خبر کوفہ میں پہنچی اور یزید کی حکومت سنبھالنے کا اُنھیں علم ہوا۔ اُنھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حُسینؑ اور عبداللہ بن زبیر اس وقت مکہ معظمہ میں ہیں اور اُنھوں نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا ہے اور اسی بنا پر اُنھوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ دیا ہے تو اہلِ کوفہ کے اشراف سلیمان بن صُرد کے گھر جمع ہوئے اور ایک دوسرے کو حکومتی تبدیلیوں سے آگاہ کیا۔

سلیمان نے ان لوگوں سے خطاب کیا: معاویہ فوت ہوگیا ہے۔ حضرت امام حُسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا ہے اور وہ مکہ معظمہ چلے آئے ہیں اور وہیں پر اقامت پذیر ہیں۔ تم لوگ ان کے اور ان کے والد بزرگوار کے ماننے والے ہو، تم لوگ جمع ہوجاؤ اور ان کی نصرت پر کمربستہ ہوجاؤ اور ان کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ طاغیوں اور باغیوں کا مقابلہ کرو اور ان کا خاتمہ کردو۔

پس آنحضرتؑ کی طرف سے خط روانہ کیجیے تاکہ وہ اپنے حُسن و جمال سے تمھارے شہر کو منور فرمائیں اور تمھاری طرف تشریف لے آئیں۔ اگر تم لوگ اپنی طاقت کے لحاظ سے کمزور ہو یا عہد و پیمان کی پاسبانی نہ کرسکو تو پھر اس بزرگوار کو دھوکہ نہ دو اور اُنھیں اپنی طرف آنے کی دعوت نہ دو۔

جب اہلِ کوفہ نے جنابِ سلیمان کی گفتگو سنی تو سب نے مل کر عرض کیا: جس طرح تم کہو ہم ویسا کریں گے۔ ہم فرزندِ رسولؐ کی نصرت میں ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے نفوس کو اس جانِ عالمین پر قربان کریں گے۔ ہم جاں نثاری میں سُستی و کاہلی کو قریب

نہیں آنے دیں گے۔ پس ان لوگوں نے آپؑ کی طرف خط لکھا اور خط میں ان کی نصرت کا وعدہ کیا کہ وہ آپؑ کی بیعت و اطاعت کریں گے اور ان کا بھرپور ساتھ دیں گے۔

انھوں نے جو خط امام علیہ السلام کی طرف لکھا اس کا حاصل مفہوم یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! یہ خط سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر اور دوسرے لوگوں کی طرف سے فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف ہے۔

ہم تمام اہلِ کوفہ کا آپؑ پر سلام، ہم خداوند تعالیٰ کے شکرگزار ہیں وہ واحدہٗ لاشریک ہے اس کے سوا کوئی اور خالق نہیں ہے۔

امابعد! تمام حمد وثنا کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ تمھارے بداندیش دشمن کو درہم برہم کرے اور اُسے شکست دے۔ اُس نے اُمت مسلمہ پر طرح طرح کے مظالم کیے ہیں۔ خلافت و حکومت کو غصب کیا اور اُمت پر غالب آگئے۔ ان کے غنائم کو اپنی ملکیت سمجھا۔ جب اُنھوں نے حکومت حاصل کرلی تو نیک لوگوں کو اپنے ستم کا نشانہ بنایا اور اُنھیں قتل کردیا۔ بدکاروں اور اشرار کو مال دیا۔ اُنھوں نے اللہ کے اموال کو ظالموں میں تقسیم کرڈالا۔ اللہ کی رحمت سے وہ دُور رہیں۔

(انھوں نے لکھا) ہمارا کوئی رہبر و آقا نہیں ہے۔ آپؑ ہمارے شہر تشریف لائیں۔ ہمیں اللہ پر اُمید ہے کہ وہ ہمیں آپؑ کے طفیل حق اور رستگاری پر جمع کرے گا۔ اس وقت دارالامارہ میں نعمان موجود ہے۔ ہم امام علی علیہ السلام کے ماننے والے ہیں۔ ہم اس کے پیچھے نمازِ جمعہ نہیں پڑھتے اور نہ عیدگاہ جانے کے لیے اس کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔ جب ہمیں پتا چلا کہ آپ کوفہ تشریف لاچکے ہیں تو ہم نعمان کو کوفہ سے باہر نکال دیں گے۔

کوفیوں کے خطوط بارگاہِ امامت میں

لوگوں نے اپنے خطوط کو بند کیا اور عبداللہ بن مسمع اور عبداللہ بن وائل کے حوالے کیا اور انھیں کہا گیا کہ یہ خطوط وہ فوراً مکہ پہنچائیں۔ پس یہ دونوں خطوط کو لے کر کوفہ سے نکلے

اور امام اور رہبر انس و جان کا عزم کیا۔ یہ لوگ دس ماہ رمضان المبارک کو مکہ میں داخل ہوئے اور کوفیوں کے خطوط آنحضرتؑ کے حوالے کیے۔

ابھی یہ دونوں پیغام رساں مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ کوفہ سے دو آدمی اور مکہ پہنچے۔ ان کے پاس بھی کوفیوں کے خطوط تھے۔ اس طرح کوفیوں کی طرف سے امامؑ کی طرف خطوط لکھنے کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ کسی ایک آدمی یا دو آدمیوں نے مل کر ایک خط لکھا یا تین آدمیوں نے مشترکہ خط آپؑ کی طرف لکھا۔ اس طرح فرزندِ رسولؐ کے پاس ایک سو پچاس خطوط پہنچے۔ خطوط لانے والوں کے کچھ نام یہ ہیں: قیس بن مسہر صیداوی، عبداللہ ارجبی، عبدالرحمن ارجبی، عمارہ بن عبداللہ سلولی وغیرہ۔ (ارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۵، اعلام الوریٰ، ص ۲۲۲، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۲، مثیر الاحزان، ص ۲۵، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۷۹، لہوف، ص ۳۲)

عملِ امامؑ اور خطوط کی تعداد

سید ابن طاؤس نے نقل کیا ہے کہ جب کوفہ والوں کی طرف سے امامؑ کے پاس خطوط پہنچے تو امامؑ نے ان خطوط کے جواب میں "ہاں" کہا اور نہ آپؑ نے "نہ" کہا۔ آپؑ خاموش رہے، حتیٰ کہ آپؑ کے پاس ایک دن میں چھ سو خطوط پہنچے۔ اس طرح یہ تعداد بارہ ہزار خطوط تک جا پہنچی۔ (اللہوف، ص ۳۴)

دیگر اشرافِ کوفہ کے خطوط

شیخ مفیدؒ کی روایت ہے: کوفہ سے امامؑ کے پاس ہانی بن ہانی، سعید بن عبداللہ حنفی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے خطوط بھی پہنچے۔ انھوں نے آپؑ کی طرف اس مضمون کا خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ! مسلمانانِ کوفہ کا خط بنام حضرت امام حسینؑ!

اَمَّا بَعْدُ! فَحَيَّهَلًا فَاِنَّ النَّاسَ يَنْتَظِرُوْنَكَ لَا رَاْیَ لَهُمْ غَيْرُكَ فَالْعَجَلَ الْعَجَلَ ثُمَّ الْعَجَلَ الْعَجَلَ وَالسَّلَامُ

"پس بہت جلد ہمارے پاس تشریف لائیے، کیونکہ لوگ آپؑ کے قدوم

کے انتظار میں ہیں۔ وہ صرف آپؑ کی ہی بیعت پر پُرعزم ہیں۔ آپؑ کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کرنا چاہتے۔ تعجیل فرمایئے اور تعجیل فرمایئے"۔

ایک اور خط

کوفہ کے چند ایک آدمی ایک مقام پر اکٹھے ہوئے اور اُنھوں نے امام علیہ السلام کی طرف خط لکھا۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں: شیث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمرو التیمی۔ ان کے خطوط کا متن یہ ہے:

أَمَّا بَعْدُ! فَقَدِ اخْضَرَّ الْجَنَابُ وَأَيْنَعَتِ الثِّمَارُ وَأَعْشَبَتِ الْأَرْضُ وَأَوْرَقَتِ الْأَشْجَارُ فَإِذَا شِئْتَ فَأَقْبِلْ عَلَى جُنْدٍ لَكَ مُجَنَّدَةٍ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَعَلَى أَبِيكَ مِنْ قَبْلِكَ

بروزن "سحاب" جس کا معنٰی "ظرف اور گوشہ" ہے۔ منزل کے معنٰی میں بھی آیا ہے۔ یہاں جناب سے مراد "منزل و خانہ" ہے۔ "اعشاب" تازہ گھاس کا زمین سے باہر آنا۔ اینعت باب افعال کا صیغہ ہے اور "ینع" سے ہے۔ اس کا معنٰی ہے درختوں کی شاخیں میوؤں سے جھکی ہوئی ہیں۔ "مجندہ" جمع ہوجانا۔

خط کا ماحصل یہ ہے: کوفہ کے اردگرد تمام صحرا اور بیابان سرسبز و شاداب ہوچکے ہیں اور زمین نے سبز چادر پہن لی ہے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔ باغات تیار ہوچکے ہیں۔ تمام درخت اپنے اثمار سے لدے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو یہ تمام ماحول پسند ہے تو جلد تشریف لایئے۔ آپؑ کی نصرت کے لیے ایک لشکر کثیر آمادہ ہے۔ آپؑ پر اور آپؑ کے پدر بزرگوار پر سلام"۔

آپؑ کی طرف خطوط کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل جاری رہا۔ یکے بعد دیگرے آپؑ کی طرف خطوط آتے رہے۔ جب لوگ آپؑ کے حضور خط حاضر کرتے اور آپؑ خطوط کا مطالعہ کرتے اور ان لوگوں سے کوفہ کے احوال پوچھتے۔ جب کوفیوں کا اصرار بڑھا تو آپؑ نے اشراف کوفہ کی طرف خط لکھا۔

فرزندِ رسولؐ کا کوفیوں کے نام خط

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، مِنَ الْحُسَيْنِ بنِ عَلِيٍّ اِلَى الْمَلَاءِ الْمُؤمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ هَانِئًا وَسَعِيْدًا قَدِمَا عَلَيَّ بِكُتُبِكُمْ وَكَانَا آخِرَ مَنْ قَدِمَ عَلَيَّ مِن رُسُلِكُمْ وَقَدْ فَهِمْتُ كُلَّ الَّذِي اقْتَصَصْتُمْ وَذَكَرْتُمْ وَمَقَالَةُ جُلِّكُمْ اَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللهَ اَنْ يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْحَقِّ وَالْهُدٰى وَاَنَا بَاعِثٌ اِلَيْكُمْ اَخِي وَابْنَ عَمِّي وَثِقَتِي مِنْ اَهْلِ بَيْتِي مُسْلِمَ بنَ عَقِيلٍ فَاِنْ كَتَبَ اِلَيَّ بِاَنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ رَاْيُ مَلَئِكُمْ وَذَوِي الْحِجَى وَالْفَضْلِ مِنكُم عَلَى مِثْلِ مَا قَدِمَتْ بِهِ رُسُلُكُمْ وَقَرَاْتُ فِي كُتُبِكُم فَاِنِّي اَقْدَمُ اِلَيكُم وَشِيكًا اِن شَاءَ اللهُ فَلَعَمْرِي مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْحَاكِمُ بِالْكِتَابِ الْقَائِمُ بِالْقِسطِ الدَّائِنُ بِدِينِ الْحَقِّ الْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلَى ذٰلِكَ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے شہرکوفہ کے مومنین و مسلمین کے سرکردہ افراد کے نام!

امابعد! ہانی اور سعید کے ذریعے آپ لوگوں کے آخری خطوط مجھے ملے۔ جو کچھ آپ لوگوں نے ان خطوط میں لکھا اور ذکر کیا ہے اُسے میں نے سمجھ لیا ہے۔ ان خطوط میں سے اکثر آپ لوگوں کی درخواست تھی کہ ہمارا کوئی رہبر و رہنما نہیں ہے۔ آپ جلد ہماری طرف چلے آیئے تا کہ اللہ تعالٰی آپؑ کے ذریعے ہمیں حق اور ہدایت پر جمع کرے۔ لہٰذا میں اپنے چچازاد بھائی اور اپنے خاندان کے ایک ذمہ دار شخص کو تم لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُنھیں حکم دیا ہے کہ وہ آپ لوگوں کی آرا، فکر اور وہاں کے حالات کے بارے میں میری طرف لکھیں۔ اگر آپ کے عمائدین اور صاحبانِ فکر ونظر کی رائے بھی وہی ہوئی جو میں نے آپ کے خطوط میں پڑھی ہیں اور جس کی آپ کے نمایندگان نے بالمشافہ ملاقاتوں

میں مجھے خبر دی ہے تو ان شاء اللہ بہت جلد آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام اور رہبر وہ ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے، عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے، حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو اللہ کے لیے وقف کرے۔ والسلام! (الارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۶، اعلام الوریٰ، ص ۲۲۲، روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۷۲، اللہوف، ص ۳۵، مثیر الاحزان، ص ۲۵، مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۸۹)

***



ادارہ منہاج الصالحین لاہور (رجسٹرڈ)